تاریخ فیروز شاہی

مصنّف

سراج عفیف

مترجم

محمّد فدا علی طالب

تاریخ فیروز شاہی

فیروز شاہ تغلق کی مکمل سوانح عمری، اور اس کے پُرشکوہ
عہدِ حکومت (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) کا مکمل اور
قابلِ اعتماد تذکرہ، جو اُسی دور کے ایک مصنف نے
انتہائی تحقیق کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

مصنفہ
شمس سراج عفیف

مترجمہ
مولوی محمد فدا علی طالب

نفیس اکیڈمی

بلاکس اسٹریٹ ———— کراچی (پاکستان)

قیمت: ——

طبع ثانی ـــــ نفیس اکیڈیمی ـ کراچی ـــــــــــ مئی ۱۹۶۴ء

طبع ثالث ـــــ نفیس اکیڈمی کراچی ـــــــــــ جون ۱۹۶۵ء

باہتمام = خالد اقبال گاہندری

قیمت

مطبوعہ :- ایجوکیشنل پریس کراچی

تعارف

از علامہ عبدالقدوس ہاشمی مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامیہ کراچی

فیروز شاہ تغلق آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہوا ہے، یہ فیروز شاہ باربک کے نام سے بھی مشہور ہے، ۷۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ ۷۵۲ھ میں بتاریخ ۲۴ محرم الحرام بمقام ٹھٹھہ اپنے چچا زاد بھائی سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور ۷۹۰ھ میں ۳۸ سال حکومت کرنے کے بعد اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مہرولی (دہلی قدیم) میں اپنے بنائے ہوئے حوض خاص کے کنارے اس کی قبر ہے۔ فیروز شاہ تغلق سلطان غیاث الدین تغلق کے حقیقی بھائی سالار رجب کا فرزند تھا۔ اس کی ماں ایک راجپوت زمیندار رانا مل بھٹی کی بیٹی تھی۔ فیروز شاہ کا زمانہ تاریخ ہندوستان میں امن و امان اور خوشی و فراغبالی کا زمانہ تھا، ابتدا میں اس کا مقابلہ مغل حملہ آوروں سے ہوا تھا جنہیں اس نے شکست دے دی، اس کے بعد چھوٹے چھوٹے قلعے فتح کرنے کے سوا کوئی اور کام نہیں رہا، ملک آباد، رعایا شاد، خود بادشاہ اپنی طبیعت سے نرم خو، انصاف پرور، خوش عقیدہ بلکہ کسی قدر پیر پرست بھی تھا، وہ ایک اچھا سپاہی اور اچھا منتظم تھا۔ لیکن پیروں اور خانقاہوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے اپنی آخر عمر ۷۸۹ھ میں تخت و تاج اپنے بھائی نصیر الدین محمد کو سپرد کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، مگر چند مہینوں ہی کے بعد بد انتظامی پھیلنے کے خوف سے پھر تاج و تخت سنبھال لیا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں زندہ رہا، اس بادشاہ نے ایک کتاب بھی فتوحات فیروز شاہی کے نام سے لکھی تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں دو ارباب قلم نے تاریخیں لکھیں جو فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہوئیں یا شاید ان مصنفین نے خود ہی ان تاریخوں کے بادشاہ وقت کے نام پر تاریخ فیروز شاہی رکھے ہوں۔ (۱) ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، اس کا دوسرا نام سیرۃ السلاطین بھی ہے۔

(۲) شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی، یہ تذکرہ عفیف شاہی کے نام سے بھی مشہور ہے یہ دونوں کتابیں اس وقت کی ادیبانہ فارسی زبان میں ہیں یہ قابلیت کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور تاریخ کے طالب علم کے نزدیک اپنے دور کی تاریخ کے لیے بہترین ماخذ کا کام دیتی ہیں۔ (۱) ضیاء الدین برنی: یہ موید الملک کا فرزند ہے جو علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں بیرن شہر (بلند شہر) کا ناظم تھا۔ غالباً یہیں ضیاء الدین برنی ۶۸۴ھ میں پیدا ہوا، بڑا ذہین آدمی تھا، تعلیم اچھی پائی اس لئے محمد شاہ کے عہد میں اسے بڑی ترقی حاصل ہوئی، سخت وہمی عقاید کا حامل تھا۔ پیر پرستی اس کی فطرت میں داخل تھی۔ آخر عمر میں سلطان تغلق نے اس کی غیر آئینی طور پر حاصل کردہ زمینیں ضبط کر لی تھیں، اس لئے یہ محمد شاہ کی عیب جوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں

رکھتا۔ ساری کتاب میں ہر جگہ محمد شاہ پر تعریف و توصیف کے پردہ میں کچھ نہ کچھ چوٹ کر جاتا تھا۔ یہ نظام الدین اولیاء کا مرید تھا اور محمد شاہ کو غیر معمولی عقیدت کسی درگاہ و خانقاہ سے نہ تھی۔ اس لئے بھی برنی کی رائے میں محمد شاہ ایک مطعون شخص تھا۔ انگریزوں کے دور میں جب ہندوستان کی تاریخ لکھی جانے لگی تو انہوں نے ایسی ہی کتابیں تلاش کیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے عیوب کو نمایاں کیا گیا ہو، اس لئے برنی کی کتاب کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ ورنہ اصل اہمیت عفیف کی کتاب کو حاصل ہوتی۔ برنی نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ (۱) تاریخ فیروز شاہی۔ اس میں غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ) سنہ ۶۸۵ھ سے اپنے بادشاہ فیروز شاہ کے عہد تک کی تاریخ لکھی ہے۔ (۲) حسرت نامہ۔ فن تصوف میں ایک مختصر سی کتاب ہے میں نے اس کا نسخہ کہیں نہیں دیکھا ہے۔ بدایونی نے قاموس المشاہیر میں ذکر کیا ہے۔ شمس سراج عفیف: یہ شمس شہاب عفیف بن سعد الملک عماد الدین دیپالپور کا پوتا تھا۔ سنہ ۸۰۱ھ حملہ تیمور تک زندہ تھا۔ اس کا دربار سے کوئی خاص تعلق غالباً نہ تھا، اس نے بھی ایک تذکرہ احوال ملوک لکھا جو تذکرۂ عفیف یا تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک غیر جانبدار لکھنے والا ہے، اگرچہ ضیائے برنی کا سا صاحب قلم ادیب نہیں ہے، مگر واقعات کافی تحقیق کے بعد اور سلیقہ سے قلمبند کئے ہیں۔

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں صرف فیروز شاہ تغلق کا تذکرہ ہے۔ دوسرے تذکرے یا اس کے خاندان کا تذکرہ محض ضمناً آگیا ہے، مصنف کا مقصود صرف فیروز شاہ کا تذکرہ لکھنا ہے جسے اس نے کافی شرح و بسط کے ساتھ اور عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔ خصوصاً اس زمانے کے درباری آداب، اور خود بادشاہ کی سیرت و اخلاق پر گراں قدر معلومات اس کتاب سے حاصل ہوتی ہیں۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو اللہ الاحد

تاریخ فیروز شاہی

عفیف

اللہ نے فرمایا ہے کہ نہیں جانتے اُس کی تاویل، مگر اللہ اور وہ اشخاص جو علم میں راسخ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کے قلوب پر الہام ربانی کا نزول ہوتا ہے

پروردگار عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے، جس میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے اور جو تمام مُلک و ممالک کا پیدا کرنے والا ہے، حکمت کی بنا پر دو مملکتیں بیحد استحکام وطریق فرماں روائی کے ساتھ خلق فرمائیں۔ ایک دُنیاوی مملکت ہے جو ہزاروں ہزار کرشمہ و ناز و زینت و زیبائی کے ساتھ ہمارے روبرو جلوہ نما ہے۔

اس مملکت کا جاہ دل رُبا اور اُس کی آواز ہوش افزا، اس کا دیدار بصیرت افروز اور اس کی خوشبو روح و دماغ پرور ہے۔

ہاتھ اس کے حاصل کرنے میں کوشاں اور پاؤں اس کے طلب کرنے میں دواں ہے۔
اس کے خد و خال پر ایک عالم شیدا ہے اور ہر شخص اس کی تعریف و توصیف میں باوجود ناکام ہونے کے ہر دم گویا ہے۔ غرض کہ یہ مملکت دُنیاوی آخرت کے لئے بہترین کھیتی ہے جیسا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)۔

دوسری، مملکت آخرت ہے جس میں بے حد و بے شمار بزرگی و نعمت موجود ہے۔
یہ مملکت نیک افعال افراد کا مخصوص مکان اور نیکوکار اصحاب کا قصر عظیم الشان ہے۔
حضرات ابرار اس پر شیدا اور اصحاب خوب رفتار اس کے عاشق و فریفتہ ہیں۔
یہی عالم ستم گاروں کی بیقراری کی اصل تمنا ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صانع باکمال نے جو علیم و قدیر ہے اپنی قدیم قدرتِ کاملہ و حکمتِ بالغہ کے ساتھ لطف و کرم و شفقت سے بھی کام فرمایا اور روزِ ازل بیحد استقامت کے ساتھ بیشمار اسباب نعمت و متاع دولت ان ہر دو ممالک میں پیدا فرمائے۔ چنانچہ مملکت دنیاوی کی خوبیوں سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا:۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔
اور مملکت آخرت کی بابت ارشاد فرمایا کہ اس عالم میں انہار و اشجار کی بیشمار نعمتیں موجود ہیں۔
اور اس ندا میں رموز لطیف کو شریف و مقدس انداز بیان میں اس طرح ادا فرمایا کہ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا۔
پروردگار عالم نے ان ہر دو مملکت کی حکومت کا تاج حضرت شاہ انبیا کے فرق مبارک پر رکھا اور ہر دو عالم کی فرماں روائی کی قبا شہنشاہ اصفیا کے بدن مبارک پر درست فرمائی۔
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و برگزیدہ بارگاہ اصحاب تجرید و ارباب تفرید کی طرح مقام طلب میں استادہ ہے لیکن ماسویٰ سے بے تعلق ہو کر مالک لامکان کی طلب میں حیران و سرگردان ہے۔ حضرت شہنشاہ اصفیا نے سوائے خالق ذوالجلال کے ہر دو مملکت کی کسی شئے کی تمنا و آرزو نہیں کی جیسا کہ خدائے کریم فرماتا ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

شعر مذکور خدا طلبی کے رموز کا بہترین ترجمان ہے۔

انا الموجود فاطلبنی تجدانی — وان لو تطلب سوائی لم تجدانی

میں موجود ہوں مجھ کو طلب کروگے تو پاؤگے اور اگر میرے سوا کسی شئے کو طلب کروگے تو مجھ کو نہ پاؤگے۔

دنیا جم را و قیصر و خاقاں را — تسبیح فرشتہ را صفا رضواں را

دوزخ بدرا بہشت مر نیکاں را — جاناں مرا و جان ما جاناں را

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ساغر لطیف کا ایک جرعہ دو باعزت گروہ کو عطا فرمایا اور علماء مشائخ یقین و سلاطین طالبانِ دین کو اس کے مزے سے آشنا کیا۔

حضرت نے ان ہر دو گروہ کی بابت چند ایسے کلمات ارشاد فرمائے جس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا چنانچہ علمائے دین و مشائخ کے بابت صاف و صریح و نیز کنایہ و اشارہ میں ارشاد فرمایا کہ اَلشَّیْخُ فِی قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں وہی مرتبہ رکھتا ہے جو نبی کو اس کی اُمّت میں حاصل ہے)۔

اسی طرح بے شمار ارشادات کے اشاروں سے احوال سلاطین سے آگاہ فرمایا اور بعبارت افروز انوار کے ذریعے سے دینی پیشواؤں کی پیروی کرنے کی غرض سے اہل عالم کی آنکھ کو بینا و روشن فرمایا۔

حضرت کا ارشاد ہے کہ لَوْلَا السُّلْطَانُ لَاَکَلَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (اگر بادشاہ نہ ہوتا تو بعض انسان بعض کو کھا جاتے)۔

اگرچہ ان مقامات کی حد و نہایت نہیں ہے اور ان کو کسی تعداد میں حصر کرنا وہم و فکر کے دائرے سے خارج ہے اور ہر مقام کے فوائد و اس کی حقیقت کا سرچشمہ بحر جیحون کی طرح رواں اور اس کی تہہ کی گہرائی دریائے سیحوں کی عمق کی طرح بے پایاں ہے اس لئے بندۂ ضعیف یعنی شمس سراج عفیف جو تاجداران عالم کی تاریخ کا مورخ ہے اپنی فہم کے دفینۂ گنجینہ اور اپنے وہم کے سفینے سے چند گوہر آبدار پیش کرتا ہے۔ اور ان آبدار گوہروں کی جو مقامات سلاطین و مشائخ ہے مثل و تمثیل کے طور پر شرح کرتا ہے۔

بندۂ ضعیف ہر اس جوہر عقل کی مقامات اہل سلوک و درجات زمرۂ ملوک کی روشن چراغ میں عقلی دلائل و نقلی کنایات سے شرح کرتا ہے اور کلام مجید و فرقان حمید سے

تبرک حاصل کر کے قولِ الٰہی کے مطابق واتممناھا بعشر ان مقامات کو وہی قرار دیتا ہے۔

سلک سخن را چو دُر افشاں کنیم　　پیش کشِ حضرت سلطاں کنیم

اوّل مقام، مقام شفقت ہے۔

یہ گوہر آبدار دریائے وہبی کے قعر سے نکل کر عالم آب و گل میں ملتا اور ارواح عالم میں تاثیر کرتا ہے، یعنی اس کا اصل مسکن قلب انسانی ہے جہاں سے اُس کی شعاع آب و گِل کے باشندوں پر پڑتی اور اُس کو منوّر کرتی ہے۔ اس روشن و تاباں جوہر کی اصل حقیقت حضرت پروردگار کے انوار سے منوّر و تاباں ہے اور اسی مقام کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس طرح دی ہے کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) چنانچہ تمام علما و مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تمام خلائق پر پدر و مادر سے زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔ یہ حضرات طالبین مقصود کو مطلوب تک پہنچاتے اور محبوب کے تلاش کرنے والوں کو بزرگی و برتری کی راہ دکھاتے ہیں۔

تمام خلقت پر عظیم الشان احسان کرتے اور اپنی تربیت و تعلیم سے اُن کو کامل بناتے، اور شفقت و لطف کے ساتھ تعلیم دیتے ہیں۔

تمام خلقتِ خدا علما و مشائخ کی محتاج ہے۔

اسی طرح سلاطینِ عالم، جو یقین کی تاثیر سے مستفید ہیں تمام مخلوق پر شفقت قلبی سے مہربانی فرماتے اور باوجود اس کے کہ خود عظیم الشان مرتبے پر فائز ہیں ہر مخلوق کی تربیت فرماتے۔

یہ گروہ عالی مرتبہ ہونے پر عامّہ خلائق کو اپنے باران کرم سے فیضیاب کرتا ہے اور ہوشیاری و ہمت کے عالم میں ابر باراں کی طرح خلقت پر احسان و کرم کے موتی برساتا ہے۔

سلاطین عالم کا گروہ اپنے سے دور افراد کو خفیہ انعام و اکرام سے شاد کرتا ہے اور اپنے نزدیک کے اشخاص کو اپنے عظم و جاہ سے حیران بنا کر غیرت کی آگ سے اُن کے قلوب کو پگھلاتا ہے۔

بادشاہان عالم، بیگانہ افراد کو دائرہ یگانگی میں داخل کرنا اور یگانوں کی کثرت

لطف و کرم و لذت مہر و محبت سے دوستی و محبت میں روز افزوں اضافہ کرتے ہیں۔
بہتر فرقے کے انسان ایک ہی بادشاہ کے سائے میں آرام پاتے ہیں۔
اگر خدانخواستہ کسی وقت سلاطین کی زبان سے بے مہری کا لفظ نکلتا ہے یا یہ کہ جبر و زیادتی کا خطرہ بھی ان کے دل میں گزرتا ہے تو ایک عالم کو جان و مال کا نقصان پہنچتا ہے اور ہر شخص آب و نان کے غم سے بے چین و بیقرار ہوتا ہے۔
کیخسرو نے اپنے وزراء سے ان اُمور کا سوال ان الفاظ میں کیا۔
" بادشاہوں کے قلب میں بے مہری کے خطرے کا گزرنا اور فرماں روا طبقے کی بے لطفی خلائق کے حق میں کیا اثر رکھتی ہے۔
وزراء نے جواب دیا کہ اس کی بعینہٖ یہ مثال ہے کہ جس طرح بلا کسی کوشش و سعی کے اور بغیر موجودوں کی تلاش و تمنا کے کسی ایک فرد کی حکمت سے ایک ہی زبان پر شیرینی و ترشی کا ذائقہ پیدا ہو جائے۔
غرضکہ گوہر شفقت کی قیمت بے اندازہ ہے جس کو صرف مشائخ اہل یقین جانتے ہیں اور اس قدر و قیمت کا اندازہ صرف سلاطین طالبان دین ہی کر سکتے ہیں۔
سلاطین کے قلوب میں جس قدر مادۂ شفقت زیادہ موجزن ہوگا اُسی قدر اُن کی نیک نامی کا آوازہ تمام عالم میں زیادہ بلند ہوگا۔
تاجدارانِ عالم کے لئے گوہرِ شفقت وہ دولت ہے جس کی قیمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور وہ دولت نعمت ہے جس کی قدر کو سمجھنا محال ہے۔
حضرت مشفق کونین، مربیٔ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی امر کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔
حضور اقدس فرماتے ہیں کہ التعظیم لِاَمرِاللہ وَالشَّفقَةُ علےٰ خلقِ اللہ صدق یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
مقام دوم عفو ہے۔ مرتبۂ عفو پروردگار کی انتہائی ہیبت اور اُس کی جباری کی بے پایاں عظمت سے پیدا ہوتا ہے۔ خدائے برتر کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ اَفَحَسِبتُم اَنَّمَا خَلَقنٰکُم عَبَثاً وَّاَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُون۔
علماء و مشائخ الوہیت کے قہر کی ہیبت اور ربوبیت کی سطوت کی زیادتی سے

دریائے حیرت میں بے ہوش وغرق اور میدان تفکر میں مدہوش ہیں۔
ان حضرات کا یہ حال ہے کہ اپنی طاعت کو بھی معصیت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی قابل ثواب عبادت کو بھی گناہ خیال کرتے ہیں۔
اپنے اعمال کا تخم خوف ورجا کی زمین میں بوتے اور تمام خلائق پر عفو کی نظر ڈالتے ہیں۔
خدا کی جناب میں تمام بندوں کی شفاعت کے لئے دعا کرتے ہیں۔
حدیث شریف میں وارد ہے کہ الدعاء مخ العبادۃ۔ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔
اس لئے ان حضرات کا اسی ارشاد پر عمل ہے۔
اسی طرح سلاطین روزگار بھی اپنے علم الیقین سے عفو کو اپنا شعار اور حلم و بردباری کے گیند کو علم کے میدان میں ہمت وجرأت کے ساتھ لے جاتے ہیں۔
ان فرماں روایان عالم کا یہ حال ہے کہ اپنی سعادت ازلی سے ایسے اعمال وافعال اُن سے صادر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی نعمتیں اُن پر بارش کی طرح برستی ہیں۔
اس گروہ کی تعریف حدِ بیان سے باہر اور ان میں بعض حضرات کے تقوے کا تو یہ عالم ہے کہ ہمہ قسم کے خرد وبزرگ گناہوں سے ان کا دامن پاک ہے۔
ہارون رشید جیسے بامُراد فرماں روا نے ایک ضعیفہ کے پسر کو کچھ نقصان پہنچایا۔
ضعیفہ نے خلیفہ کے حضور میں حاضر ہو کر بحث کی لیکن جب اس کا اثر مترتب نہ ہوا تو ضعیفہ نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور اپنے سوختہ دل سے پروردگار عالم کی بارگاہ میں فریاد کی۔
اجابت دعا کے دل ہلا دینے والے خوف سے خلیفہ کا قلب وجگر تھرانے لگا اور بادشاہ نے پیرزال کو بیش بہا خلعت عطا فرما کر اُس کو شاد کیا۔
منادی نے ندا دی کہ یہی امر عفو بہترین فعل وکامل ترین عمل ہے۔
عفو کا ہونا انہی سلاطین کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے اور حلم وبُردباری کے دُرِ شاہوار انہی کی شفقت کے دریا میں پائے جاتے ہیں۔
واضح رہے کہ عفو وحلم وہ صفات ہیں جن کا ظہور بہترین طریقے پر سلاطین ہی کے عمل وفعل سے ظاہر ہوتا ہے۔
اس بلند پایہ مقام اور اس باعزت بارگاہ میں گرد وغبار کا نام نہیں ہے اور عفو تقصیر

کی بارگاہ ہمیشہ صاف و شفاف رہتی ہے۔

چنانچہ سردار دو عالم شفیع دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے کہ اذا تسمع تسمع یعنی جب تم دوسروں کی فریاد سنو گے تو تمہاری دعا بھی سنی جائے گی۔

تیسرا مقام مرتبۂ عدل و فضل ہے۔ یہ مقام خدائے قیوم کے خوف کا نتیجہ ہے، جس کے ذریعے سے خود پروردگار نے اس طرح آشنا فرمایا ہے وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (تیج ور است)

چنانچہ علما و مشائخ نے ہر حال میں عدل و انصاف کو شعار بنایا ہے اور ہمیشہ فضل و بزرگی حاصل کرنے میں سعی و کوشش فرمائی ہے۔

اس مقدس گروہ نے ہر حال میں عدل کے آئینے میں ہر امر کا مشاہدہ کیا ہے۔

انسان کا فریضہ ہے کہ قیل و قال کی بحث سے چہرۂ جمال کو غبار آلود نہ کرے اور اپنے کمال میں کسی قسم کے نقصان کو گوارا نہ کرے۔

ان بزرگوں نے سلوک کے ہر مرتبے پر فائز ہو کر عدل و فضل کو اور زیادہ مستحکم کیا ہے۔ خلائق کو دینی نعمتوں سے فیضیاب کیا ہے اور خود دولت دنیاوی کو اس خدمت کے لئے قربان کیا ہے۔ عالم لطائف میں مشائخ کا یہ قول عالم لطائف میں مشہور ہے کہ الشَّيْخُ يُحْيِي وَيُمِيتُ اي يُحْيِي الْقَلْبَ وَيُمِيتُ النَّفْسَ (شیخ قلب کو زندہ اور نفس کو مردہ کرتا ہے)۔

اسی طرح گروہ سلاطین نے بھی اہل سلوک کی تقلید کی اور اپنے عہد حکومت میں ہمیشہ عدل کو بلند اور فضل و بزرگی کے علم کو بالا کیا ہے۔

ان سلاطین کا ہمیشہ مقصد یہ رہا کہ کوئی مظلوم مغموم و رنجیدہ نہ رہے اور زبردست اپنی قوت بازو کے غرور سے زیردست کو آزار نہ پہنچائے۔

فرماں روایانِ عالم نے اسی خیال کو مدنظر رکھ کر ہمیشہ بارگاہ عدل و فضل کو آراستہ و برقرار کیا ہے۔

سلاطین عالم اپنے عدل سے مظلوم افراد کی داد خواہی فرماتے ہیں اور انوار فضل سے مسکین و محتاج اشخاص کو سرفراز فرماتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاہ عزالدولہ کے ملازمین نے ایک ضعیفہ کی مادہ گاؤ کو بجبر ذبح کر دیا۔

عزالدولہ نے ضعیفہ کے حق میں یہ انصاف کیا اور اس طرح اُس کو سرفراز و شاد فرمایا۔ کہ بجائے ایک گائے کے اُس کو گیارہ جانور عطا فرمائے جن میں ایک گائے عدل و انصاف کا اور دس جانور فضل و کمال کا عطیہ تھے۔

سچ ہے کہ اس قسم کی طاعت سے گناہ ثواب ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے خود فرمایا ہے کہ یبدل اللہ سیئاتہم حسنات۔ عادل کونین و برگزیدۂ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے کہ ایک ساعت کا عدل سات سال کی عبادت سے افضل و بہتر ہے۔

چوتھا مقام، معائنہ و محاربہ ہے۔ حکم پروردگار کی بجا آوری سے انسان اس مقام پر فیضیاب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (مشرکین کو قتل کرو جس طرح بھی تم اُن کو پاؤ) مقاتلہ ظاہری عمل ہے اور محاربہ باطنی فعل ہے۔

علما و مشائخ میدان مسجد میں عالم راز و نیاز یعنی نماز میں صفوف درست فرماتے ہیں اور دیگر اشخاص امام کے عقب میں نماز کی نیت باندھتے ہیں۔

اس کی مثال قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے:۔

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا الخ

غرضکہ یہ مقدس گروہ نماز میں ابلیس مردود و نیز اپنے نفس امّارہ پر خدا کی عنایت و مہربانی سے فتح حاصل کرتے ہیں اور خدائے رحیم و کریم کی مرحمت کے غنائم سے مالا مال ہوتے ہیں۔

اس عطائے ربانی کا نشان قطعاً واضح ہے جیسا کہ خود پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ سارعوا الی المغفرۃ یعنی یہ حضرات مغفرت و رحمت کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے ہیں۔

طالب اسرار روحانی خواجہ عین القضاۃ ہمدانی نے تمہیدات میں اس مقام پر موتی پرو دئے ہیں اور فرمایا ہے کہ انبیا علیہ السلام قبر میں نماز ادا کرتے ہیں۔

غرض کہ پیش روان امت اور اُن کے سچے معتقد گور کے تہ خانے میں بھی راز کی طلب میں مقام نماز پر استادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سلاطین عالم مقال کے وقت

جلالت کے میدان اور شجاعت کے مقام پر مجاہدین ملت کی صفیں آراستہ فرماتے ہیں۔
یہ طالب حق گروہ دشمن سے دست و گریباں ہو کر اس حالت مثالی میں جان کو ہتھیلی پر رکھتا اور اپنے کو خدا کے سپرد کر کے جہاد کے دریا میں غوطے کھاتا اور ہر غوطے میں بے حد لطیف و شریف جوہر و گوہر حاصل کرتا ہے۔ مجاہدان ملت خدائے برتر کے رحم اور اُس کی عطا سے اوّل میدان کارزار میں مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد مال غنیمت جو خدا نے اُن کو عطا فرمایا ہے اپنے درمیان تقسیم فرماتے ہیں۔

اس مقام کی بشارت بھی پروردگار عالم نے اپنے کلام میں دی ہے۔
مجاہدِ دارین و بہادر کونین و شہنشاہ علماء و سلاطین صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جدال و قتال کو لطف و مرحمت کے خلعت عطا فرماتے ہیں اور کرم و عطا کے شراب خانۂ شفقت سے تربیت و تعلیم کے ہوش رُبا جام عطا فرماتے ہیں۔
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ الجنۃ تحت ظلال السیوف (جنت تلوار کے سائے میں ہے)۔
مقام پنجم، مرتبۂ ایثار و اختیار ہے۔
پروردگار کے لطف و کرم سے مستفید و مالا مال ہو کر انسان اس مرتبے کو اختیار کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں اُس شے کو نہ صرف کر دو جس کو تم عزیز و دوست رکھتے ہو)۔
علماء و مشائخ اپنے غایت لطف و کرم سے دین و دُنیا کی نعمتیں خلایق کو عطا فرماتے ہیں۔
میخانۂ وحدت سے جو شراب اُنس کہ ان حضرات کو عطا ہوئی ہے اُسی مئے وحدت کا ایک جرعہ ناکام محبت کو عطا فرما کر اُن کو بھی گوہر مقصود سے مالا مال اور اُنس و محبت کے نشہ سے سرشار فرماتے ہیں اور اہل استحقاق کو شراب محبت پلا کر اُن کو بھی حقیقت کا متوالا بناتے ہیں۔

ساقی وحدت جام اُن کے گردگردش میں لاتا اور من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کے دلفریب نغمے سے مست بنا دیتا ہے۔

مرصاد العباد میں مرقوم ہے کہ ایثار کے گوہر کی قدر و قیمت حد بیان سے باہر ہے۔

اسی طرح سلاطین عالم اپنے ایام حکومت و دور معدلت میں تمام مخلوق پر بیشمار ایثار فرماتے ہیں۔ جو نقد و مال کہ اُن کے حضور میں جمع ہوتا ہے اُس کو طالبان و حاجتمندان دُنیا کو عطا فرماتے اور اپنی مراد سے نامراد افراد کو شاد اور اہل استحقاق کو حق ضرورت سے مستفید فرماتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ گوہر ایثار تاجداران عالم کے قبائے حکومت کا تکمہ اور فرماں روایانِ عالم کا بلندترین تمغۂ امتیاز ہے۔ صاحب ایثار کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام قاب قوسین میں صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ ادخال السرور فی قلوب المؤمنین صدقۃ (سرور و راحت کو مومنین کے قلوب میں داخل کرنا ایک قسم کا صدقہ ہے)۔

مقام ششم، مرتبۂ عظمت و رُعب ہے۔

یہ مقام بھی انسان کو خدا کی رحمت سے عطا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم (اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور اُن افراد کی جو تم پر حاکم ہوں)۔

اس مقام پر بے حد ولا انتہا رموز و اسرار الٰہی ہیں جن کا اظہار کرنا مناسب ہے جیسا کہ وارد ہے کہ کشف سر الربوبیۃ کفر (ربوبیت کے بھید کو ظاہر کرنا کفر ہے)۔

اگرچہ مشائخ کبار رضوان اللہ علیہم نے امور ظاہری کے ضمن میں امور باطنی بھی بیان فرمائے ہیں تاکہ فریقین کی عظمت و ہیبت برقرار رہے۔

یہ حضرات امامت کے مرتبے پر فائز ہو کر سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں لیکن اصحاب اوسط اس خیال و ارشاد کو مدِّ نظر رکھ کر خیر الامور اوسطہا اعتدال کی روش کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنے حسب حال ہر امر میں وسط و اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ حضرات فاتبعونی کے نشہ میں سرشار اور یحببکم اللہ

کے خلعت سے سرفراز و سربلند ہیں۔ ان حضرات نے ہیبت و جلالت کے ساتھ اس لئے سلوک اختیار کیا ہے کہ خلائق کو چشم زدن میں نعمت دینی سے سرفراز فرمائیں۔

اسی طرح سلاطین اہل دین ہمیشہ عظمت و جلالت کے ساتھ رہتے ہیں۔

شہریاران عالم کی عظمت و جلال کا تکمہ اہل جہاں کے شرف کا باعث ہے اور اُن کے جاہ و جلال کا طرّہ عالم و اہل عالم کے لئے سعادت کا ذریعہ و واسطہ ہے۔

دو گوہر، جن میں ایک بیحد قیمتی اور دوسرا کم قیمت ہے یعنی لطف و قہر ان کی بارگاہ کا شرف و بزرگی ہیں۔

بادشاہان عالم اپنی عظمت و جلالت کے مرتبے پر قائم و برقرار ہو کر کبھی تو قہر کی شراب تلخ لطف کے جام میں بھر کر دشمنوں کو عطا کرتے ہیں اور کبھی لُطف کی خوش گوار شراب مہر کے ساغر میں بھر کر دوستوں کے ہاتھ پر رکھتے ہیں۔

جس وقت بادشاہوں کے قہر و غضب کا آفتاب درخشاں ہوتا ہے تو قہر، لطف کے نقاب سے اپنے چہرے کو چھپا لیتا ہے اور جب فرماں روایان عالم کا قہر، لطف و شفقت و مہربانی کے اُفق مشرق پر نمودار ہوتا ہے تو آفتاب قہر باوجود جلالت غضب کے حلاوت کے سائے میں پناہ لیتا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فریقین کا پاؤں دائرۂ ادب کے باہر نہ پڑے۔

یہ شہریاران عالم کی غیرت ہے جو اُن کو غضب کے عالم میں بھی سرِ مو احکام شرع سے تجاوز نہیں کرنے دیتی، اور یہ اسی غیرت کا تقاضا ہے کہ سلاطین عالم لطف و مہربانی کی حالت میں سرِ مو بھی فروگزاشت نہیں کرتے۔ افضل موجودات و بہترین مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم نے محل لطف میں فرمایا کہ اسمر اخواقی اور قہر کے موقع پر ارشاد ہوا کہ انا غیور واللہ اغیر منی (میں غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ صاحب غیرت ہے۔)

مقام ہفتم، ہوشیاری و بیداری ہے۔ یہ مقام عقل کی زیادتی اور فہم دل کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام کی تعلیم خود خدائے برتر نے دی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ

علیکم (اے بنی اسرائیل اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی ہے)۔
یہ اس لئے کہ بے شمار اعدائے دین گھات میں ہیں اور ہر وقت اس فکر میں ہیں کہ دین کی بے نظیر و بیش قیمت دولت کو چرالیں۔
ہر چہار اعدا ظاہری و باطنی ہر مملکت میں تیغ زنی و بیخ کنی میں مشغول و مصروف ہیں جس طرح کہ علما و مشائخ خدا کے فضل و کرم سے احکام الٰہی کی بجا آوری میں ہر وقت بیدار و ہوشیار رہتے ہیں اور شبانہ روز ایک لمحہ بھی غافل و بیکار نہ رہ کر عامۂ خلائق کو دین کی راہ بتاتے ہیں۔ اس مقدس گروہ نے غایت ہوشیاری کی وجہ سے شب بیداری اختیار فرمائی ہے اور روز روشن کے بے شمار فوائد کو نظر انداز فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مملکت دل و قالب آب و گل ان اعدائے اربعہ کے شر و فساد سے محفوظ و مامون رہیں۔
اس گروہ نے اپنی ہوشیاری و بیداری سے اس درجہ ترقی کی کہ کون و فساد کے تمام اسرار نہاں اُن پر منکشف ہو گئے۔
یہ قطعاً صحیح ہے کہ کسی برگ کا درخت سے جدا ہو کر زمین پر گرنا بھی ان حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے، اسی طرح شہریاران عالم کی بارگاہ تاثیر آسمانی و حکم یزدانی کی بنا پر دوست و دشمن سے خالی نہیں ہے جیسا کہ مصرع ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

چہ دشمنانِ حسود و ندد دوستانِ غیور

سلاطین عالم امور ملکی و معاملات مالی سے ایک دم بھی غافل نہیں رہتے۔
اگر ایک لحظہ بھی ارکان ملکی میں قلیل فرو گزاشت ہو جاتی ہے تو تاجداران عالم کے قلب پر بے انتہا اضطراب طاری ہوتا ہے۔
اور اگر ایک لمحہ بھی مالی معاملات میں ایک بشر بھی ضائع ہوتا ہے تو بادشاہوں کو بیحد افسوس ہوتا ہے۔
تمام سلاطین دین پرور نے درگاہ کی بیداری اور بارگاہ کی ہوشیاری میں ہمیشہ سعی و کوشش کی ہے۔
یہ قول کہ مقام بیداری میں اپنے سے بدگمان رہنا علامت بیداری ہے، قطعاً صحیح و درست ہے۔

یہ معاملہ اس حد کو پہنچتا ہے اور سلاطین کی باخبری سے یہ نوبت ہوتی ہے کہ بادشاہوں کی مملکت میں اگر مورِ ضعیف بھی بساطِ وفا کے باہر پاؤں رکھتی ہے تو تاجدارانِ عالم کی سطوت و ہیبت سے اُسی دم جل کر فنا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہوشیار ترین مخلوقات و بیدار ترین موجودات نے قطعاً صحیح فرمایا ہے کہ عجّلوا بالصّلٰوت قبل الموت (نماز کے لئے تعجیل کرو قبل اس کے کہ موت آئے)۔

مقامِ ہشتم: انتباہ و عبرت ہے۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ کے خوف سے باخبر اور اُس کے جلال کی ہیبت و عظمت و کمال کی سطوت سے متاثر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ندا فرماتا ہے کہ لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القہار (آج کے دن سوا خدا کے جو واحد و قہار ہے، کس کی حکومت ہے)۔

ظاہر ہے کہ ہر دو عالم کی مخلوق اور دین و دُنیا کے موجودات تمام و کمال اُسی خدا کے ہیں۔

علماء و مشائخ بے حد و بے اندازہ خوف و بے نہایت ہراس کی وجہ سے گزشتہ موجودات کے افعال سے آگاہ فرماتے اور اعمالِ صالحہ کے دامن میں پناہ لیتے ہیں تاکہ اُن کے عمل کا جہاز اور اُن کی اُمید کی کشتی خوف و رجا کے سنگم پر جاری و ساری رہے۔

یہ مقولہ ہے کہ پروردگار کے لطف و کرم سے یہ مقام امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ قطعاً صحیح و درست ہے۔

اسی طرح سلاطین عالم بھی دینِ مبین کی روشنی کے مطابق تختِ جاہ و جلال پر متمکن ہو کر بھی عبرت کا تاج سر پر رکھتے ہیں اور ہمیشہ فکر مند نظر آتے ہیں۔

یہ باعزّت گروہ میدانِ عبرت میں انتباہ کے مرکب پر سوار ہوتا اور غیرت کے پیل بند کو نصرت کے لئے بڑھاتا اور نفس کے فرزین کو شہ رخ ندامت ظاہر کرتا ہے تاکہ ہوا و ہوس کے حریف کو مات دے یا بُرد کا دعویٰ کرے۔

یا یہ کہ اس مقام پر دائم و قائم رہتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس خیال کے خلاف تصوّر کرتا ہے تو نعوذ باللہ جور بعد الکور (راحت کے بعد رنج و غم، آسانی کے بعد دشواری) میں مبتلا ہوتا ہے۔

صدر نشین بساط قوسین و نخبۂ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے کہ السعیدُ مَن وعظ لغیرہٖ (یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے)۔

مقام نہم، فتح و نصرت ہے۔ یہ مقام عنایت پروردگار کی امداد و اعانت سے ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (تم کو ہم نے ظاہر و صاف فتح عنایت کی)۔

پروردگار عالم کا یہ قول نصرت ظاہری و فتح باطنی ہر دو عالم کو شامل ہے۔ نصرت ظاہری عالمِ مُلک میں حاصل ہوئی اور فتح باطنی کا ڈنکا عالمِ ملکوت میں جس کو مملکت قلب کہتے ہیں بجا۔

علماء و مشائخ فتح دل حاصل کرنے اور اس حصار آب و گل کو قبضہ و تصرف میں لانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔

اس مقدّس گروہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسرار الوہیت کے جواہر اور انوار ربوبیت کے گوہر جو تن کے خزینے اور بدن کے سفینے میں جو مدتوں میں حاصل کریں اور ان کا پائے تخت اُس بلند مرتبے پر فائز ہو جہاں سے یہ حضرات اہلِ استحقاق و طالبانِ اسرار کو اس عطیے سے فیضیاب و سرفراز فرمائیں اور اس خوش گوار ذائقے کا مزہ تشنگان طلب کو چکھائیں۔

یہ حضرات اگر سو بار اپنی دوا دوش میں ناکام رہتے ہیں تو ہزار بار مردانہ وار کوشش کرتے اور رحم کے امیدوار ہوتے ہیں۔

یہ مقولہ کہ اس گروہ نے خود نہ کھایا بلکہ کھلایا اور خود نہ پہنا بلکہ اغیار کو پہنایا قطعاً صحیح و درست ہے۔

اسی طرح سلاطین دور اندیش قلعہ کشائی و مملکت کشائی کے حریص ہوتے ہیں۔

فریدوں ملکِ عجم کی حکومت پر قانع نہ تھا بلکہ دیگر ممالک و حصار کی فتح کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہا۔

فرماں روایانِ عالم اس طرح کا جام شراب ہمیشہ نوش فرماتے اور ہمیشہ اس

کام میں جان و دل سے کوشش فرماتے ہیں۔
اگر سو بار نا امید ہوتے ہیں تو ہزار امید کا دامن ہاتھ میں لے کر سعی فرماتے ہیں۔ کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ کے درخت لطف و کرم سے مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کا خوش ذائقہ ثمر حاصل کرتے ہیں۔
اگر خدا کی عنایت و پروردگار کے لطف و کرم سے یہ گروہ مقام بلند و محل دل پسند پر فائز ہوتے ہیں تو بے شمار خزینے اور لطیف جواہر ان کے قبضے میں آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلق خدا کو عظیم الشان عطائیں حاصل ہوتی ہیں اور تمام عالم بجائے ایک صحرائے بے گیاہ کے سرسبز باغ بن جاتا ہے۔
ان کے دوست شاد اور دشمن پشیمان ہوتے ہیں۔
یہ مقولہ کہ (دوست کو بقاد بالیدگی اور دشمن کو فنا د کاہیدگی) قطعاً درست و صحیح نظر آتا ہے۔
اسرار ربوبیت کے قائم اور مملکت الوہیت کے حاکم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر صحیح خبر دی ہے۔
مقام وہم، کیاست و فراست ہے۔ حق یہ ہے کہ یہی مقام اصل مقصود و مطلوب ہے۔
علم لدنی کے مکتوبات اور عالم حقیقت کے رموز کا نتیجہ فراست و کیاست ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اور نہیں دیا میں نے تم کو علم مگر قلیل)۔
مقام کیاست کے فرماں رواں نے معلم ازلی سے اسم اعظم کی تعلیم حاصل کی اور ارشاد فرمایا کہ عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ۔ مجھ کو میرے رب نے حقائق کی تعلیم دی۔
یہی وجہ ہے کہ ہر فرد کی فراست اور ہر شخص کی کیاست اُس کی خرد و عقل کے مطابق ہے۔
علماء و مشائخ نے جس مقام پر کہ قدم رکھا ہے وہیں پر دین میں رموز کیاست کا شربت ہر دہن میں ڈالا ہے اور ہر اُس مشرب میں جہاں کیاست بدنی پائی گئی

اسی مقام پر دقائق کنایہ کی جان تن میں بھی پیدا فرمائی۔

یہ مقولہ کہ (اس گروہ کے اشارات کیاست اور اس فرقے کے رموز بشارت بہار عام کی مانند ہیں) قطعاً صحیح و درست ہے۔

علماء کے رموز کی غرض سوا ان کے، اغیار کو معلوم نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالے فرمایا ہے کہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ۔ اسی طرح سلاطین دین بھی رموز کیاست کے حقائق اور اسرار فراست کے دقائق کنایات و اشارات میں بیان فرماتے ہیں۔ اور اسی حقیقت کے شربت کا ایک جرعہ ہمیشہ پیتے اور پلاتے ہیں۔

ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گروہ خاص بلکہ اخص الخواص کو بھی اس شربت کا ایک جرعہ نصیب ہو اور اس کلام کی شراب کا خمار اور اس کے جام کی قوت ناکامانِ حقیقت کے قلب و دماغ میں ہمیشہ باقی رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو خم خانۂ اسرار کے صدر تھے فرمایا ہے کہ:۔

مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا وَصَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ۔

(نہیں ڈالی خدا نے میرے سینے میں کوئی شے کہ میں نے اس کو ابوبکرؓ کے سینے میں نہ ڈال دیا ہو)۔

باوجود اس کے شہر یاران عالم کے وہ دقیق رموز جو الفاظ قلیل کے جامے میں کثیر معنی رکھتے ہیں خود بھی گروہ فرماں روایان کے [illegible] ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت فیروز شاہ نے اپنی فراست و کیاست سے چالیس سال ملک دہلی پر حکومت کی۔

بادشاہ نے خلائق کی ایسی عمدہ تربیت کی کہ اس مدت میں ملک میں ایک ہری شاخ نے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔

اب مؤلف حضرت فیروز شاہ کے مناقب معرض تحریر میں لاتا ہے۔

آغاز جلوس

سلطان الاعظم حضرت فیروز شاہ قدس اللہ سرہ العزیز نے جو ختم تاجداران و خاتم فرماں روایان و قافلہ سالار خسروان و خطیب دوران امان و امانِ دوران و شرف سلطنت و سعادت مملکت و روشن کنندہ شریعت و منور طریقت تھے۔ بتاریخ چوبیس ماہ محرم ۷۵۲ھ کو تخت سلطنت پر

جلوس فرمایا۔

بادشاہ نے پینتالیس۴۵ سال کے سن میں تخت حکومت پر قدم رکھا اور اڑتیس۳۸ سال آٹھ ماہ حکومت کی۔

بندۂ ضعیف شمس سراج عفیف عرض کرتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ کا رنگ سفید تھا اور بادشاہ بلند بینی وکشیدہ محاسن تھے۔

بادشاہ نہ بیحد دراز تھے اور نہ کوتاہ اور ان کا جسم فربہی ولاغری میں معتدل تھا۔

یہ فرماں روا بے حد مشفق ومہربان بادشاہ تھا۔

یہ بادشاہ بے حد حلیم وبُردبار تھا اور اُس کا خُلق حد درجہ بڑھا ہوا تھا۔

یہ فرماں روا اگرچہ فرماں روا تھا لیکن درحقیقت اپنے علم وتفوق کے اعتبار سے اولیاء وعلماء کے گروہ میں داخل تھا۔

یہ بادشاہ بے حد لشکر نواز ورعیت پرور تھا اور خُلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید وفیضیاب تھا۔

بادشاہ کا حلم مشہور ہے اگر عمال میں کسی شخص سے سَو خیانت بھی ظہور میں آتیں تو کسی شخص کو زبان سے بھی آزار نہ پہنچاتا تھا بلکہ بادشاہی رحم وکرم سے شاد فرماتا۔

سلطان فیروز شاہ نے کوشک نزول میں جو شہر فیروز آباد کے روبرو واقع ہے سلاطین سلف کے دستور قلمبند کرائے اور اُس مقام پر یہ تحریر کرایا کہ قدیم فرماں روایان عالم نے اس شعر پر حکمرانی کی بناء رکھی اور اسی شعر کو اپنا ہادی ومقتدی بنایا کہ:۔

مُلک را اگر قرار میخواہی تیغ را بیقرار باید داشت

اس کے بعد فیروز شاہ نے اپنے احوال قلمبند کرائے۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اگرچہ سلاطین سلف نے اس شعر کو اپنا دستور العمل بنایا لیکن یہ خطرہ اُن کے قلب میں نہ گزرا کہ ملک پروردگار عالم کی عنایت سے قائم وبرقرار رہتا ہے۔

ان سلاطین نے یہ نہ خیال کیا کہ بیچاری ماں بے حد تکلیف کے ساتھ بچے کو

پیدا کرتی ہے اور نو ماہ محنت و مشقت سے حمل کا زمانہ بسر کرتی ہے۔
ڈھائی سال آغوش میں لے کر دودھ پلاتی ہے اور ولادت کی تمام تکالیف کو برداشت کرتی ہے۔

ایسی حالت میں یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ کسی جاندار انسان کو بے جان کر دیا جائے۔

سلطان فیروز شاہ نے اس موقع پر اپنے حالات اختیار سے خلائق کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اس شعر کو اپنا دستور العمل قرار دیا ہے۔

نگہ کن کہ چوں مادر مہر سنج　　براں طفل خود چند برداشت رنج

نیک نام فرماں روا سلطان فیروز شاہ نے نثر میں اپنا دستور العمل ان الفاظ میں قلمبند کرایا:-

"چونکہ میں نے اس شعر کو اپنا شعار بنایا ہے اور تمام حاجت مندوں کی ضرورت انصاف و معدلت کے ساتھ پوری کرتا ہوں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے بغیر شمشیر زنی کے اس قدر میرا رعب و خوف قلوب میں پیدا کر دیا کہ تمام خاص و عام نے میری اطاعت قبول کر لی اور میری جانب اور میرے گرد جمع ہو گئے"۔

سُبحان اللہ حضرت فیروز شاہ ختم تاجداران دہلی تھا۔

بادشاہ کی ذات اس درجہ امن دوراں تھی کہ اس کے چہل سالہ دورِ حکومت میں لشکر مغل نے کبھی سندھ کے ساحل سے دہلی کی طرف رُخ نہ کیا۔ بادشاہ کے عظیم الشان خُلق اور اُس کی بے شمار زرپاشی و رعیت نوازی سے باوجودِ قدرت و طاقت کسی زبردست کو یارا نہ ہوا کہ زیردست کو انگشت مخالفت سے آزار پہنچا سکے۔

ایک بزرگ شیخ واصل نے سلطان فیروز کے عہد میں مورّخ کتاب سے بیان کیا کہ ایک روز میں صبح کے وقت دریائے جمنا کے ساحل پر وضو کر رہا تھا۔ ایک دوسرے بزرگ نے جو اُسی مقام پر وضو کر رہے تھے مجھ سے کہا کہ اے شخص تو جانتا ہے کہ اس محل میں کون مقیم ہے۔

اس قصر کا مالک سلطان فیروز شاہ ہے جس کے قدموں کے نیچے تمام عالم کی بلا پامال ہے۔

جس روز کہ یہ بادشاہ دُنیا سے رحلت فرمائے گا اُس روز اس کی قدر کا اہل عالم کو اندازہ ہوگا۔

غرضکہ اس واقعے کے چند سال بعد مشیّت و حکمت الٰہی سے خوش خصال بادشاہ یعنی سلطان فیروز شاہ نے رحلت فرمائی۔

بادشاہ کے دُنیا سے رخصت ہونے سے دار الملک دہلی نہ صرف زیر و زبر ہوا بلکہ مغلوں کی غارتگری سے تباہ و تاراج ہوگیا۔ اس کے علاوہ جس سال بادشاہ نے وفات پائی اُس سال حجّاج کا قافلہ زیارت حرمین سے محروم رہا جس کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ تمام عام و خاص حجّاج نے یہی روایت کی کہ امیر مکّہ مبارکہ کے پسر کو اُس کے بھائیوں نے قتل کیا جس کی وجہ سے مکّے میں فتنہ و فساد برپا ہوا اور تمام قافلے حجّاج کے جو ہر چہار جانب سے حج کے لئے آئے تھے اس سعادت سے محروم رہے۔

مشہور ہے کہ جب کوئی عالم دُنیا سے رحلت کرتا ہے تو دین میں رخنہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اس مقولے کی بنا پر جب سلطان فیروز شاہ نے جو اولیاء اللہ میں داخل تھا، رحلت فرمائی اور بادشاہ دین دار نے جو چالیس سال کامل مخلوق کا محافظ و نگہبان تھا وفات پائی تو اُس کی رحلت کے بعد مملکت دہلی میں ابتری پیدا ہوئی۔

خلقت خدا نے آوارگی اختیار کی اور تمام نظام حکومت درہم وبرہم کر دیا اور اگر خدا کا حکم ہے تو قیام قیامت تک یہ رخنہ مسدود نہ ہوگا۔

میرے مرشد کے پیر حضرت خواجہ قطب الدین منوّر نے بارہا اس بارے میں فرمایا ہے کہ سلطان فیروز شاہ زمرۂ مشائخ طریقت میں داخل ہے جو تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت حکومت پر بیٹھتا ہے۔

سلطان فیروز کی فتحمندی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ جس طرف رُخ کرتا بغیر تیغ زنی کے اُس کو فتح حاصل ہوتی تھی۔ اس بادشاہ کے عہد حکومت کے امن وامان کا یہ عالم تھا

کہ اسلحۂ جنگ قطعاً بیکار ہو گئے تھے اور جنگ کا نام مخلوق کے قلوب سے فراموش ہو گیا تھا۔

اسلحہ نہ صرف بیکار بلکہ بے قدر و قیمت ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ سلطان فیروز شاہ کے عہد میں جس شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم ہوا تو اس کے حق میں عدل و انصاف بھی ایسا کیا گیا کہ ظلم کی کافی تلافی ہو گئی۔

بادشاہ کو یہ معلوم تھا کہ پیشۂ ظلم بہترین فرماں روایان عالم کی خصلت نہیں ہے۔

اگر بادشاہ اپنے عہد معدلت میں شیوۂ عدل اختیار کرتا تو کسی فرد بشر کو یہ طاقت نصیب نہ ہوتی کہ عدل کو برداشت کر سکتا۔ سلطان فیروز شاہ نے خدا کے حکم سے چالیس سال خلقت خدا پر حکومت کی۔

ظاہر ہے کہ علم و بردباری کی ہر مذہب میں تعریف مرقوم ہے اور یہ شیوہ ہر دین میں محمود خیال کیا جاتا ہے خصوصاً مذہب اسلام میں اور خاصکر بادشاہان زمانہ کے حق میں جو خدا اور رسول کے بعد قابل اتباع و اطاعت ہیں۔

پروردگار عالم نے قرآن پاک میں سورۂ یوسف کو احسن القصص بیان فرمایا ہے، غور کا مقام ہے کہ اس قصے میں وہ کون صفت مرقوم ہے جو احسن کہلائی جا سکتی ہے۔

اس قصے کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت پر بیحد مظالم کیے۔

حضرت یوسف کو برادران ظالم نے والد ماجد سے جدا کیا اور آپ کو ایک کنوئیں میں گرایا۔

حضرت کو چند درم کے عوض میں فروخت کیا۔

ان مظالم کی وجہ سے حضرت نے بے انتہا تکلیف برداشت کی اور ہر قسم کے رنج و مصائب سے حضرت کو مقابلہ کرنا پڑا جیسا کہ کتب تفاسیر میں مرقوم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام ان شدائد و مصائب کے بعد مصر تشریف لائے۔ اور فرماں روا ہوئے۔

حضرت کے برادران نامہربان قحط و گرانی غلہ کی وجہ سے ملک کنعان سے مصر

آئے اور جناب یوسف نے بے حد قیل وقال کے بعد اپنی نیکی و خیر سے برادرانِ نامہربان کو آگاہ کیا۔

حضرت یوسف نے بھائیوں سے کہا کہ اے برادران نامہربان مجھ سے کسی قسم کا خوف و خطر نہ کرو اور اپنے دل میں بدگمان نہ ہو۔

جو تکالیف کہ تمھارے ہاتھوں مجھ کو پہنچیں اور جو معاملات کہ میرے اور تمھارے درمیان پیش آئے وہ تمام تر مقدرات الٰہی تھے جن کا ظہور ناگزیر تھا۔

جس قدر جفائیں کہ تم نے مجھ پر کیں اور جو تکلیف کہ تم سے مجھ کو پہنچی میں نے تمام وکمال معاف کیا اور گناہ کو بخش دیا۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السّلام اُن گناہوں کا انتقام لیتے تو بھی اُن کا یہ فعل خوب و احسن ہوتا، لیکن چونکہ حضرت نے جفائے برادران سے چشم پوشی فرمائی اور حلم و بردباری سے بھائیوں کے تمام گناہ معاف فرما دیئے۔ حضرت کا یہ فعل احسن قرار پایا اور خداوند کریم نے اپنے حبیب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (ہم تم سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں)

غرض کہ سلطان فیروزشاہ نے اپنے عہد معدلت میں اپنی غیر معمولی فہم و فراست سے ہمیشہ حلم و بردباری سے کام لیا۔

اس بادشاہ کے دَورِ حکومت میں اگر کوئی شخص سو گناہ کا مرتکب ہوتا اور اُس مجرم کو بادشاہ کے حضور میں حاضر کرتے اور یہ شخص ترساں و لرزاں بادشاہ کے روبرو آتا تو بادشاہ مجرم پر نظر ڈالتے ہی اُس سے نہایت نرمی سے گفتگو کرتا۔

بادشاہ اُس شخص کے جُرم کو معاف کرتا بلکہ اگر سو جُرم بھی اُس شخص سے صادر ہوئے ہوتے تو بھی اُس کے گناہ کو بخش دیتا اور کسی قسم کی باز پُرس نہ کرتا۔

ظاہر بین کو معلوم ہے کہ بادشاہوں کی نگاہ میں گناہِ کبیرہ سے مُراد جرم مالی ہو یا جانی۔

مالی جُرم سے یہ مُراد ہے کہ سرکاری عہدہ دار بلا کسی جائز ضرورت کے بیت المال کی رقم تلف کرے، اور جانی گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص غدر انگیزی کر کے

فتنہ وفساد برپا کرے۔

بادشاہ دیندار یعنی حضرت فیروز شاہ اس قسم کے گناہوں کو معاف کردیتے تھے۔ اگر بادشاہ کسی شخص کو سزا دیتا تو صرف اس کو محل سلام میں حاضر ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔

جب یہ شخص چند روز سواری کے وقت نمودار ہوتا تو قلیل مدت کے بعد بادشاہ بے حد شفقت ومہربانی ومحبت وشرم حضوری سے مثل پیشوایان دوجہان کے اس شخص سے مخاطب ہوتا اور اُس کے گناہ کو معاف کردیتا۔

بادشاہ صرف دو قسم کے گناہوں کے معاف کرنے سے باز رہتا تھا' ایک چوری وسرقہ اور دوم قتل وہلاک کرنا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان گناہوں کے معاف کرنے میں دوسروں کے حقوق، تلف ہوتے ہیں اس لئے بادشاہ ان دونوں مجرموں کو ضرور سزا دیتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عجب کام اور حیرت انگیز اسرار ہے جس کو بیان کرنا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔

قدیم سلاطین نے معاملات حکومت واُمور جہان داری میں حلم وبردباری سے زیادہ کام نہیں لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاست مُلکی میں حلم وبردباری سے نقصان پہنچتا ہے۔

مگر باوجود اس کے چونکہ سلطان فیروز شاہ کا قلب خالص ونیت صادق تھی اور اس کو خداوند کریم پر کامل تکیہ تھا اور نیز یہ کہ اُس کا حِلم ریا ونفاق ونام ونمود پر مبنی نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو اُس کے شیوۂ حلم کے باوجود چالیس سال کامل کامیاب وبامراد رکھا۔

بادشاہ کی نیک نیتی کے یہ برکات تھے کہ اگر کوئی شخص حسد کی وجہ سے بادشاہ سے مخالفت کرتا تو خداوند کریم ایسے شخص کو تباہ ومجبور کرکے بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچادیتا۔

بادشاہ باوجود مجرم کے شدید جرائم اور اپنی قوت انتقام کے اُس شخص کے گناہ کو معاف فرما دیتا تھا اگر بادشاہ کسی مجرم کو نظر بند کرنا چاہتا تو اُس مجرم کے

روبرو ہرگز یہ الفاظ زبان پر نہ لاتا کہ اس کو قید کرو۔ یہ شخص بادشاہ کے حضور سے واپس لایا جاتا تب بادشاہ اس کے موکلوں سے اشارے میں کہتا کہ مجرم کو نظر بند کردو۔

سرکاری پیادوں سے بھی بادشاہ بہ الفاظ صریح مجرم کے قید کرنے کا حکم نہ دیتا تھا۔

ہر چند کہ مورخ نے بادشاہ کے پسندیدہ اخلاق اور قابل تعریف اوصاف کا ذکر کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ مورخ عہدہ برآنہ ہو سکا۔

جو کچھ کہ مورخ نے لکھا ہے وہ بمنزلہ ایک قطرے کے ہے۔ جو دریا سے لیا گیا ہے۔

اگرچہ خوش کلام خطیب منبروں پر سلطان جلال الدین کے حلم و کرم کے قصائد پڑھتے اور خلجی فرماں روا کی تعریف و توصیف کی نغمہ سرائی کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ صفت حلم کو صرف سلطان فیروز شاہ نے کمال کو پہنچایا ہے۔

سلطان فیروز شاہ جلوس سے پیشتر چار نامور و واصل حق بزرگان دین کی زبان مبارک سے فرماں روائی کا مژدہ سن چکا تھا۔

اوّل حضرت شیخ الاسلام شیخ علاء الدین نبیرۂ حضرت بندگی شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کو حکومت و فرماں روائی کی بشارت دی۔

اگرچہ مورخ ضعیف شمس سراج عفیف اس بشارت کا حال سلطان غیاث الدین تغلق کے ذکر مناقب میں تفصیل سے بیان کر چکا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ایک ہی واقعے کی تکرار ناگوار گزرتی ہے، اس مقام پر کنایۃً اس کا ذکر کرتا ہے۔

جس زمانے میں کہ سلطان غیاث الدین تغلق دیبال پور کا جاگیر دار تھا بادشاہ مذکور حضرت شیخ علاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

سلطان تغلق کے ہمراہ سلطان محمد تغلق و سلطان فیروز شاہ تغلق جو اس زمانے میں کم سن تھے حضرت شیخ کے حضور میں حاضر ہوئے۔

شیخ علیہ الرحمتہ کے روبرو جامۂ کرپاس بغیر سلا ہوا رکھا تھا۔

حضرت نے ساڑھے چار گز کپڑا سلطان غیاث الدین کو عطا فرما کر حکم دیا کہ

سر پر باندھ لو۔
اس کے بعد ستائیس گز کپڑا سلطان محمد کو اور چالیس گز کپڑا سلطان فیروز شاہ کو مرحمت فرما کر حکم دیا کہ سروں پر باندھیں۔
یہ ہر سہ اشخاص حضرت سے رخصت ہو کر باہر آئے اور شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کہ یہ ہر سہ افراد صاحب تخت و تاج ہوں گے۔
آخر کار حضرت کے آثار انفاس کی برکت سے وہی ہوا جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔
چونکہ حضرت شیخ نے باقی کپڑا سلطان فیروز شاہ کو عطا فرمایا بادشاہ مذکور ختم تاجداران دہلی ہوا، اس کی وفات کے بعد شہر دہلی تباہ و تاراج ہوا۔
دوم بشارت بادشاہ کو حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے دی۔
سلطان غیاث الدین و سلطان محمد و سلطان فیروز شاہ ہر سہ فرماں روا حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت قلندر صاحب نے خادموں کو حکم دیا کہ ہر سہ مہمانوں کو طعام کرائیں۔
خدام نے طعام ایک کاسے میں رکھ کر مہمانوں کے روبرو رکھا تاکہ غذا تناول کریں اور حضرت قلندر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تین فرماں روا ایک ہی کاسے میں تناول کر رہے ہیں۔
بار سوم حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی نے بشارت دی جس کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ اپنی خرد سالی کے زمانے میں حضرت شیخ کی زیارت کے لئے غیاث پور حاضر ہوا۔
حضرت شیخ کو فیروز شاہ کا نیاز و خدمت بے حد پسند آئی اور فیروز شاہ سے نام دریافت کیا۔
سلطان فیروز نے عرض کیا کہ بندے کو کمال الدین کہتے ہیں۔
حضرت شیخ نے یہ سنتے ہی فرمایا کہ عمر بہ کمال، و دولت بہ کمال، و نعمت بہ کمال۔
سلطان فیروز شاہ نے چوتھی بشارت حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی زبانِ مبارک سے سنی

سلطان محمد تغلق بغاوت انگیز گروہ کے تعاقب میں ٹھٹھہ روانہ ہوا۔
سلطان محمد حضرت چراغ دہلوی کو بھی ہمراہ لے گیا۔
سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی اور سلطان فیروز شاہ فرماں روا ہوا۔
حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے خُلق سے مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے ورنہ ان بیکس بندگانِ خدا کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرماں روا طلب کیا جائے۔
سلطان فیروز نے جواب دیا کہ میں خلقت خدا کے ساتھ خُلق و مُروّت، حلم و بردباری کروں گا اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمراں رہوں گا۔
حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر تم خلق خدا کے ساتھ خُلق و مُروّت کرو گے تو ہم نے بھی تمہارے لئے خدا سے حکومت طلب کر لی۔
آخر کار وہی ہوا جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا اور بادشاہ نے چالیس سال حکومت کی۔
اس کے علاوہ بعض روایت میں یوں بھی لکھا ہے کہ حضرت شیخ نے بادشاہ کے لئے اُنتالیس خرمے بطور تحفہ روانہ کئے تھے جو بشارت پر بشارت خیال کی جاتی ہے۔

فیروز شاہ کے ابتدائی حالات

اگرچہ اس سے پیشتر مولانا ضیاء الدین برنی نے ایک کتاب سلاطین دہلی کے حالات میں لکھ کر تصنیف کو تاریخ فیروز شاہی کے نام سے موسوم کیا ہے۔!
مؤرخ برنی نے سلطان غیاث الدین بلبن کے حالات سے ابتدا کر کے سلطان فیروز شاہ کے ابتدائی شش سالہ واقعات پر کتاب کو ختم کیا ہے۔
مؤرخ برنی نے دیباچے میں جہاں کہ سلطان فیروز شاہ کا ذکر کیا ہے ایک سو ایک مقدمات ترتیب دیئے ہیں اور تاریخ جلوس سے سال ششم

جلوس تک گیارہ مقدمات تحریر کیئے ہیں۔

ضیاء الدین برنی نے بقیہ نو مقدمات کی بابت عذر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر حیات نے وفا کی تو دیگر نو مقدمات بھی میں ہی لکھوں گا ورنہ میرے بعد جس شخص کو خدا توفیق عطا فرمائے گا وہ اس کار خیر کو انجام دے گا۔

چونکہ مولانا برنی کی تقدیر میں تاریخ کی تکمیل مقدر نہ تھی صرف گیارہ مقدمات معرض تحریر میں آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بندۂ ضعیف سراج عفیف کو توفیق عطا فرمائی اور خاکسار مؤلف نے اس کام کو شروع کر کے بقیہ نو مقدمات کو اپنی تالیف میں درج کیا۔

سلطان فیروز شاہ کی ولادت وتخت نشینی ووفات کے مکمل حالات میں جس شخص کو ابتدائی گیارہ مقدمات سے واقفیت حاصل کرنا مقصود ہو وہ مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کا مطالعہ کرے۔

خداوندا درِ توفیق بکشا نظامی را رہِ تحقیق بنما
دلے دِہ کو حقیقت را شناسد زباں دہ کا فریدوں را سراید

حصہ اوّلؔ

پہلا بابؔ

سلطان فیروز شاہ کی ولادت

سنہ ۷۰۹ ھجری

سلطان فیروز کے والد کا نام سپہ سالار رجب ہے۔
پروردگارِ عالم نے سپہ سالار رجب کو ہر صفت سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔
سپہ سالار رجب سلطان غیاث الدین تغلق کا برادر حقیقی تھا چنانچہ ان کی ولادت کا حال مورّخ سلطان تغلق کے مناقب میں مفصل بیان کر چکا ہے۔
مختصر یہ کہ یہ تینوں بھائی یعنی تغلقؔ، ورجبؔ، و ابو بکر سلطان علاءالدین کے عہدِ حکومت میں خراسان سے دہلی وارد ہوئے۔
علاءالدین نے حکمت الٰہی کے تقاضے سے ان تینوں بھائیوں کو شاہانہ نوازش سے سرفراز فرمایا اور یہ تینوں تخت علائی کے روبرو استادہ رہتے اور شائستہ خدمات بجا لاتے تھے۔
سلطان علاءالدین نے ان کی شجاعت و دلاوری کو دیکھ کر اور ان کی پیشانی پر آثار بزرگی و جواں مردی معائنہ کر کے شہر مشہور یعنی دیپال پور کی حکومت سلطان تغلق کو عطا کی۔
غرضکہ یہ تینوں بھائی کاروبار و مصالح ملکی میں مصروف ہوئے۔

سلطان تغلق کو یہ خیال ہوا کہ سپہ سالار رجب کا دیبال پور کے کسی راجہ کی دختر سے عقد کرے۔ سلطان تغلق اسی تلاش و جستجو میں تھا کہ بعض مشہور افراد نے بیان کیا کہ رانا مل بھٹی کی دختر بے حد صاحب حسن و جمال ہے اور ہر طرح کے محاسن سے آراستہ ہے۔

اُس زمانے میں خدا کی حکمت سے قوم منیا و بھٹ کی تمام راجگی قصبہ ابوہر سے جو دیبال پور کے مضافات میں داخل ہے متعین تھی اور جنگل کی زمین بھی اسی قطعۂ ملک میں شامل تھی۔

اُس وقت قصبۂ ابوہر کی حکومت سلطان تغلق کی جانب سے مورخ کے جد ملک سعد الملک شہاب عفیف کے ذمّے تھی۔

سلطان تغلق نے مورخ کے جد کے مشورے سے چند قاصد رانا مل کے دربار میں روانہ کر کے نسبت کا پیغام دیا۔

قاصدوں نے سلطان تغلق کا پیغام پہنچایا اور رانا مل نے انتہائے غرور و نخوت سے ناہموار کلمات زبان سے ادا کیئے۔

ان کلمات کی خبر کی سلطان تغلق کو اطلاع ہوئی اور اُس نے سعد الملک سے مشورہ کیا۔

بے حد قیل و قال کے بعد یہ طے پایا کہ رانا مل کی تلونڈی میں قیام کر کے اُس سے سالانہ مال طلب کرنا چاہیئے اور ایک ہی دفعہ کر کے مال نہ لینا چاہیئے۔

دوسرے روز سلطان تغلق رانا مل کی تلونڈی کو گیا اور سالانہ نقد رقم معین طلب کیا۔ تمام مقدم و چودھری ملک کے طلب کیئے گئے اور اُن پر زدو کوب ہونے لگی اور تمام مال نقد طلب کیا گیا۔

رانا مل کا تمام ملک عاجز ہو گیا اور خلقت خدا تلف ہونے لگی۔

یہ زمانہ سلطان علاء الدین کے عہد حکومت کا تھا جس کی وجہ سے اہل ملک زیادہ شور و شغب نہ کر سکے۔ غرضکہ دو تین روز گذرنے کے بعد رانا مل کی رعایا بے حد تنگ آ گئی۔

ایک صادق و راست گو شخص نے مورخ عفیف سے خود بیان کیا کہ اس سختی

کے عالم میں رانامل کی ماں جو ضعیفہ عورت تھی شام کے وقت سلطان تغلق کی سختی وشدت کی وجہ سے گریہ کناں رانامل کے محل میں گئی اور ناامیدی کے کلمات زبان سے نکالے اور زار زار رونے لگی۔

ایسی حالت میں رانامل کی دختر سعید یعنی سلطان فیروز مہربان کی ماں صحن خانہ میں کھڑی تھی۔

دختر نیک اختر نے دادی کو گریہ کی حالت میں دیکھ کر فریاد وزاری سبب دریافت کیا۔

رانامل کی ماں نے جواب دیا کہ یہ گریہ وزاری تیری وجہ سے اور تیری جان کے لئے ہے۔ اگر تو اس کا سبب نہ ہوتی تو سلطان تغلق ہمارے ملک کی رعیت پر یہ سختی نہ کرتا۔

راوی راست گفتار کا بیان ہے کہ دختر نے یہ سُن کر جواب دیا کہ اے جدّہ اگر میرے سپرد کرنے سے خلقت کے سر پر سے بلا ٹلتی ہے اور تمھاری بے شمار رعیت کو نجات حاصل ہوتی ہے تو اُن کا پیغام قبول کر لینا چاہئے۔

اس سے پیشتر ایک دختر کو مغل اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔

رانامل کی ماں اپنے فرزند کے پاس گئی اور دختر کا قول بیان کیا۔

رانامل نے بھی اسی میں خیر دیکھی اور اپنی بیٹی کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس راز کو جدّ مورخ سے بیان کیا اور سلطان تغلق کو پیغام دیا کہ رانامل اپنی دختر سپہ سالار رجب کو دینے کے لئے تیار ہے۔

غرضکہ اس کار خیر سے فراغت ہوئی اور دختر نیک ساعت میں دیپال پور لائی گئی۔

یہ دختر یعنی مادر سلطان فیروز رانامل کے یہاں بی بی نائلہ کے نام سے مشہور تھی لیکن سپہ سالار رجب سے نکاح ہونے کے بعد سلطان تغلق نے بی بی کدبانو کے نام سے موسوم کیا۔

سُلطان فیروز شاہ کی ولادت غرضکہ عقد کے چند سال بعد بی بی کدبانو حاملہ ہوئی اور

دس ماہ گزرنے کے بعد وقت سعد و روز مُبارک میں سلطان فیروز شاہ عدم سے عالم وجود میں آیا۔

فیروز شاہ کے روز تولد تغلق شاہ نے خلق خدا کو بخشش و انعام سے مالا مال کیا۔ مورّخ کے جدّ امجد یعنی شمس شباب عفیف بھی اُسی روز پیدا ہوئے۔

مورّخ کے بزرگوں کی مستورات کی اُس زمانے میں دیپال پور میں سلطان تغلق کے محل میں آمدو شد تھی اور مخدومۂ جہاں کے حضور میں حاضر ہوتی تھیں۔

بارہا مورّخ کی پردادی نے بیان کیا ہے کہ میں اکثر سلطان فیروز کو اپنا دودھ پلاتی تھی اور اس طرح خود سلطان فیروز شاہ نے بارہا مورّخ کے والد ماجد کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ہے کہ میں نے ان کی جدّہ کا دودھ پیا ہے۔

سپہ سالار رجب کا انتقال مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ جب سات سال کے ہوئے تو خدا کی مشیت کے مطابق سپہ سالار رجب نے وفات پائی۔

اُس روز سلطان تغلق کو بیحد رنج ہوا۔

راست گفتار راویوں کا بیان ہے کہ عین اس عالم میں سلطان فیروز کی ماں گریہ وزاری میں، جیسا کہ مستورات کا قاعدہ ہے، مصروف تھیں اور رو رو کر یہ کہہ رہی تھیں کہ یہ کون روز مصیبت پیش آیا، میں اس بچّے کی کیونکر پرورش کرسکوں گی اور اس یتیم فرزند کا کیا حال ہوگا۔

سلطان فیروز کی غمزدہ ماں کا بیان سلطان تغلق نے بھی سُنا اور کلمات تسکین خود اپنی زبان سے ادا کئے اور بے حد دل داری کے بعد کہا کہ تم غم نہ کرو، یہ بچّہ میرا فرزند ہے اور میرا جگر گوشہ ہے، جب تک کہ خدا کے فضل و کرم سے میری حیات باقی ہے کسی اندیشہ و فکر کا مقام نہیں ہے۔

غرضکہ بی بی کدبانو کے بطن سے صرف یہی ایک فرزند سلطان فیروز پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی پسر و دختر تولد نہیں ہوئے۔

یہ امر جو مشہور ہے کہ ملک قطب الدین بھی سلطان فیروز شاہ کا برادر حقیقی تھا، درست وصحیح ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملک قطب الدین سپہ سالار رجب کی دوسری

زوجہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح ملک نائب باربک بھی فیروز شاہ کا علاتی بھائی تھا جو دوسری ماں سے پیدا ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ سات سال کا بچّہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا۔ فیروز شاہ نے آئین تاجداری و قوانین جہاں داری کی تعلیم سلطان تغلق و سلطان محمد دو بادشاہ سے پائی ہے۔

سلطان تغلق و سلطان محمد ہر دو فرماں روا اُمور سیاست میں فیروز شاہ کے ہادی و اُستاد تھے۔ اُمور جہاں داری کی بابت تاتار خاں نے بارہا یہ کہا ہے کہ ہمارے گروہ میں جہاں داری کے جو اسرار سلطان فیروز شاہ کے سینے میں محفوظ ہیں، ہم میں سے کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آسکتا۔

دوسرا باب ۲

آئینِ جہاں بانی کی تعلیم

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ سلطان تغلق کے جلوس کے وقت چودہ سال کا تھا اور سلطان تغلق نے ساڑھے چار سال حکمرانی کی۔

اس مدّت حکومت میں فیروز شاہ ہمیشہ سلطان تغلق کی خدمت میں حاضر رہا۔

آئینِ جہاں داری و قوانین شہریاری کے جس قدر احکام، سلطان تغلق نے نافذ فرمائے، فیروز شاہ نے اپنے الہام الٰہی کی برکت سے تمام و کمال سمجھے اور یاد کر لیے۔

سلطان تغلق کا دور حکومت ختم ہوا اور دہلی کی عنانِ حکومت سلطان محمد کے ہاتھ میں آئی۔

سلطان محمد نے تخت حکومت پر جلوس کیا اُس وقت فیروز شاہ کا سن اٹھارہ سال کا تھا۔

سلطان محمد نے فیروز شاہ کو نائب امیر حاجب مقرر کر کے نائب باربک کا خطاب عطا کیا اور بارہ ہزار سوار فیروز شاہ کی ماتحتی میں مقرر کیے۔

سلطان محمد، فیروز شاہ پر بے حد مہربان تھا اور اُس کی شفقت و عنایت کا یہ عالم تھا کہ معاملات مُلکی میں جو مہمات اُس کے روبرو پیش ہوتے اُن سے کنایہ و اشارہ میں سلطان فیروز شاہ کو آگاہ کرتا۔ سلطان محمد فیروز شاہ کو ہر وقت اپنے روبرو رکھتا۔

فیروز شاہ اُس زمانے میں بھی تمام خلق خدا پر لطف و کرم کرتا اور اپنے بے پایاں احسان سے مخلوق کو شاد و مطمئن کرتا۔

فیروز شاہ ہر حاجت مند کی حاجت کو پورا کرتا اور اہل احتیاج کی ضروریات پورا کرنے میں ایک لمحہ کا توقف بھی نہ کرتا۔

جس وقت کہ سلطان محمد شاہ نے خدا کی توفیق سے دہلی کی سلطنت کو چار حصّوں میں تقسیم کیا، جیسا کہ مورّخ عفیف نے سلطان محمد کے حالات میں شرح و تفصیل سے بیان کیا ہے تو سلطان محمد شاہ نے ایک حصّۂ ملک فیروز شاہ کے بھی سپرد کیا تاکہ فیروز شاہ آئین و قواعد جہاں داری میں پختہ کار ہو جائے۔

بزرگوں نے اس اسرار کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جو شخص ایک معاملے کو انجام دے سکتا ہے وہ تمام مملکت کے مہمات کو بخوبی حل کر سکتا ہے۔

سلطان محمد نے اپنی معاملہ فہمی سے مُلک کا چوتھا حصّہ سلطان فیروز کے حوالے کیا تاکہ توفیق الٰہی و عنایت ایزدی سے یہ حکومت آئین جہانداری میں فیروز شاہ کی ہادی و اُستاد ثابت ہو۔

عوام کا یہ قول کہ سلطان محمد فیروز شاہ پر بے حد سختی کرتا تھا بالکل صحیح ہے، اور یہ کہ سلطان محمد بیشتر اوقات فیروز شاہ سے محنت و مشقت کراتا تھا درست و راست ہے۔ لیکن سلطان محمد کے یہ شدائد اس لئے نہ تھے کہ اُس کو فیروز شاہ

کے ساتھ کسی قسم کی مخالفت یا عداوت تھی، اس لئے کہ اگر یہ فعل حسد و عداوت پر مبنی ہوتا تو سلطان محمد فیروز شاہ کو اپنی راہ سے ہٹا بھی سکتا تھا۔

چونکہ سلطان محمد صاحب جاہ و جلال و فہم و فراست تھا اور اس بادشاہ کے ہر رگ و پے میں عقل و دانش سرایت کر گئی تھی۔ سلطان محمد نے مملکت دہلی میں ہر قسم کے عمدہ قواعد سے عالم و اہل عالم کو مستفید فرمایا۔ ان تمام شدائد سے سلطان محمد کا مقصد یہ تھا کہ سلطان فیروز شاہ معاملات جہانداری میں پختہ و ماہر ہو جائے۔ چنانچہ سلطان فیروز شاہ سلطان محمد کی وفات کے وقت پینتالیس سال کا جوان کامل ہو چکا تھا۔

تیسرا باب ۳

جلوس فیروز شاہی

مغلوں کا حملہ

منقول ہے کہ سلطان محمد شاہ نے اس جہان فانی سے رحلت کی اور مغلوں کے ایک گروہ نے لشکر گاہ کو غارت و تباہ کیا اور ملک کے تاراج کرنے پر متوجہ ہوئے۔

ایسی نازک حالت میں تمام خوانین و ملوک و نیز تمام علما و مشائخ نے جو سلطان محمد کے ہمراہ ٹھٹھہ میں مقیم تھے، مجلس شوریٰ منعقد کی۔

ان تمام بزرگوں نے یہ طے کیا کہ بغیر امام کے چارۂ کار نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ شہر دہلی بے حد دور ہے اور اس عالم میں یہ حادثہ واقع ہوا کہ سلطان محمد نے جنت کی راہ لی اور مغلوں کا گروہ ہمارے مقابلے میں آ کر بنگاہ کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔

مغلوں کا ایک گروہ لشکر گاہ کو تباہ کرکے ہمارے قریب اس طمع و حرص میں مقیم ہے کہ شاید اس کامیابی کے بعد اُن کو مزید فائدہ پہنچے اور اُن کی غارتگری میں اضافہ ہو۔

غرضیکہ سلطان محمد کے اعیان دولت نے مشورہ کیا اور خوانین وامراء ونیز علماء ومشائخ نے طے کیا کہ سلطان فیروز شاہ کو بادشاہ تسلیم کرکے جہاں داری کی عنان دولت اُس کے ہاتھ میں دیں۔

امانت جہانداری سے انکار سلطان فیروز خوف الٰہی کی وجہ سے اپنے کو امانت جہانداری کا اہل نہ خیال کرتا تھا۔

فیروز شاہ نے خوانین ومشائخ سے کہا کہ میں نے طواف خانہ کعبہ کا ارادہ کیا ہے، مجھ کو اس منصب جلیل سے معاف رکھو۔

سبحان اللہ ابتدا ہی میں سلطان فیروز شاہ کی جہاں داری کی گفتگو مشائخ کرام کے طریقہ تحکیم کے موافق تھی کیونکہ امامت طریقت میں یہ ایک شرط ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض پیران طریقت اپنی رحلت ووصال کے وقت اپنے کسی مرید کو اپنی بجائے تحکیم سے مرشد بناتے ہیں اور اپنا سجادۂ طریقت اُس مرید کے حوالے کرتے ہیں۔

مُرید صادق ارشاد کے بارِ عظیم کے اُٹھانے سے انکار کرتا ہے لیکن مرشد اُس کو اپنا صاحب سجادہ مقرر کرکے رحلت فرماتا ہے۔

اس قسم کے خرقے کو اصطلاح مشائخ میں خرقۂ تحکیم، کہتے ہیں۔

یہ امر واضح رہے کہ اس خرقۂ تحکیم کا ارباب طریقت میں مرتبہ بے حد بلند ہے۔ اسی طرح سلطان محمد کے بعد امامت جہاں داری ومنصب حکمرانی کے لئے تمام خانان وملوک وقضاۃ وعلماء ومشائخ نے جو ٹھٹھہ میں سلطان محمد کے ہمراہ تھے، سلطان فیروز کی امامت جہاں داری پر یعنی ایک رائے ہوکر اتفاق کیا اور تمام حضرات نے سلطان فیروز کو بادشاہ تسلیم کیا۔ لیکن خود فیروز شاہ نے اس بار گراں کے اُٹھانے سے انکار کیا۔ اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صفت صرف اولیاء اللہ میں پائی جاتی ہے نہ کہ اغیار میں۔

ظاہر ہے کہ امامت جہانداری کا بار بے حد مشکل ہے اور اس کی بابت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر فرماں روا سے اس کی رعیّت کی بابت سوال کیا جائے گا۔

غرض کہ ہر شخص نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اس رائے کو ہر فرد بشر نے پسند کیا۔

اس واقعے کی اطلاع دختر سلطان تغلق المعروف بہ خداوند زادہ کو جو لشکر کے ہمراہ تھی، ہوئی اور بیگم نے خوانین و ملوک کو پیغام دیا کہ میرے فرزند خسرو ملک کی موجودگی میں نائب امیر حاجب کو فرماں روا تسلیم کرنا زیبا نہیں ہے۔ سلطان تغلق میرا پدر اور سلطان محمد میرا برادر حقیقی تھا، اس نسبت سے میرے فرزند کی موجودگی میں غیر کو حق وراثت نہیں پہنچتا۔

بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ خداوند زادہ نے اس موقع پر کلمات ناروا بھی اپنی زبان سے نکالے۔ تمام ملوک و خوانین تک خداوند زادہ کا پیغام پہنچا اور ہر شخص یہ پیغام سن کر بے حد غضب آلود ہوا۔ تمام اُمرا و مشائخ نے اتفاق کر کے ملک سیف الدین خوجہ کو خداوند زادہ کے پاس روانہ کیا۔

ملک مذکور مشہور زمانہ امیر تھا اور اُس کی عادت تھی کہ بے حد زور و وجاہت کے ساتھ راست گفتاری سے کام لیتا تھا۔

ملک سیف الدین، خداوند زادہ کے پاس گیا اور نرم کلمات میں صاف صاف اُس سے کہا:۔

"اے عورت اگر ہم فیروز شاہ کی موجودگی میں تیرے فرزند کو بادشاہ تسلیم کریں گے تو تجھ کو اپنے گھر کا منھ دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور نہ ہم اپنے زن و فرزند کے دیدار سے شاد ہونگے۔

تیرا فرزند لائق جہاں داری نہیں ہے اور اس سے فرمانروائی کا بار نہ اُٹھے گا۔ ہم غیر ملک میں مقیم ہیں اور ہمارے دشمن یعنی مغل ہمارے سر پر سوار ہیں، اگر اس لشکر سے اپنی نجات کی طالب ہے تو ہماری رائے سے اتفاق کر، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فیروز شاہ کا مرتبہ و خطاب یعنی نائب باربکی کا عہدہ تیرے فرزند کو عطا کریں گے"۔

ملک سیف الدین کی اس گفتگو سے خداوند زادہ خاموش ہوگئی اور ملک سیف الدین نے واپس ہو کر تمام افراد کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

غرض کہ تمام خوانین و ملوک نے بالاتفاق سلطان فیروز شاہ کو بادشاہ تسلیم کیا اور

تاتار خاں جو اس مجمع میں سب سے زائد ضعیف العمر تھا، کھڑا ہوا اور اُس نے زور سے سلطان فیروز کا بازو پکڑا تاکہ اُس کو زبردستی تخت سلطنت پر بٹھائے۔

فیروز شاہ کا بارِ جہانداری قبول کرنا

اِس موقع پر سلطان فیروز شاہ نے کہا اگر یہ بارِ عظیم تم میری گردن میں آویزاں کرتے ہو تو تھوڑا صبر کرو تاکہ میں وضو کر لوں۔ فیروز شاہ نے وضو کر کے دوگانہ نماز ادا کیا، اور سرِ نیاز زمین پر رکھ کر خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔

فیروز شاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوندا ممالک کا اطمینان و رفاہیت اور عالم کا انتظام و توفیق جہانداری انسان کے اندازۂ قوت سے باہر ہے۔ نظامِ عالم کا انحصار تیرے حکم پر ہے۔ خداوندا تو میری قوت و پناہ ہے۔

فیروز شاہ کی دعا کے بعد اُس کے سر پہ تاج جہانداری رکھا گیا۔

اس کثیر مجمع نے جو اس جشن جلوس میں شریک تھا، مورخ عفیف نے روایت کی ہے کہ فیروز شاہ نے خلعت شاہی جامۂ ماتم کے روبرو پہنا۔

ہر چند سلطان محمد کے اُمرا و خوانین نے اصرار کیا کہ جامۂ ماتم دور کیا جائے، لیکن فیروز شاہ نے قبول نہ کیا اور کہا کہ اگرچہ مصلحت مُلکی کے اعتبار سے میں نے خلعت شاہی پہنا ہے لیکن اس کی وجہ سے میں جامۂ ماتم نہیں اُتار سکتا، اس لئے کہ سلطان محمد میرا آقا و مربی اور ہر حالت میں میرا رہنما تھا۔ میری تو دلی آرزو یہ تھی کہ طواف کعبہ کی سعادت حاصل کروں۔ چونکہ آپ حضرات مانع آئے اس لئے میں نے مجبوراً اِس منصب کو قبول کر لیا۔ میرے حق میں یہی بہتر ہے کہ جامۂ شاہی کو لباس ماتم کے اوپر پہنوں۔

غرضکہ سلطان فیروز شاہ نے خلعت بادشاہی پہنا اور سواری کے لئے ہاتھی حاضر کیا گیا۔

درگاہ شاہی کے نقیبوں اور چاؤشوں نے آواز سلامت بلند کی اور شادیانے کے نقارے بجنے لگے۔ تمام مخلوق مسرت و شادمانی میں مشغول ہوئی اور ہر شخص نشاط و خرمی کا متوالا بن گیا۔

سلطان فیروز نے سب سے پہلے بشیر ابرو چشم کو بُلا کر اپنے قدیم غلام بشیر کو عماد الملک

کا عہدہ عطا کیا۔

واضح ہو کہ فیروز شاہ نے چوبیس محرم ۷۵۲ھ میں تخت پر جلوس کیا۔

سلطان فیروز شاہ اسی طرح پیل سوار حرم شاہی کے اندر گیا اور خداوندزادہ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ خداوندزادہ نے فیروز شاہ کو سینے سے لگایا اور سلطان تغلق و سلطان محمد کی یادگاری کلاہ جس کی قیمت ایک لاکھ تنکہ تھی اپنے ہاتھ سے فیروز شاہ کے سر پر رکھی۔

فیروز شاہ حرم سرا سے باہر نکلا اور مخلوق کو اطمینان حاصل ہوا۔

چوتھا باب

سلطان فیروز شاہ کی مغلوں سے جنگ

سلطان فیروز شاہ کے جلوس سے خلقت خدا بے حد خوش و مطمئن ہوئی، لیکن باوجود اس کے تمام افراد مغلوں کے لشکر کے خوف سے لرزہ براندام تھے مغلوں کے لشکر نے بنگاہ شاہی کو تاراج و برباد کر دیا تھا اور ان کی فوج قیام گاہ دہلی کے لشکر سے قریب ہی مقیم تھی۔

تمام خوانین و ملوک جمع ہوئے۔

سلطان فیروز نے ارادہ کیا کہ مغلوں سے جنگ کرے۔ تمام پہلوانان زمانہ و دلیران لشکر و غازیان خانان ملک دلاور اور جنگجو افراد و نیز تمام سواروں اور پیادوں نے جسم پر ہتھیار لگائے اور گھوڑوں پر چار جامہ کسا۔

تمام ہاتھی آراستہ کیے گئے اور تمام سوار و پیادوں کی جرار فوج حاضر ہوئی۔

سلطان فیروز شاہ نے مغلوں پر حملہ کیا اور طرفین میں شدید خونریز جنگ واقع ہوئی۔ اور ہر فریق نے فتح حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔

خدا کی مدد اور اُس کے حکم سے نیز فیروز شاہ کے اقبال سے مغلوں کو شکست ہوئی اور کثیر تعداد میں سوار و پیدل فوج کو جانی و مالی نقصان ہوا۔

سلطان فیروز شاہ کو غیبی فتح نصیب ہوئی اور خلقت کے لئے رفاہ و شادمانی کے دروازے کُھل گئے۔ تمام خلقت بازار بزرگ میں جہاں کہ مغل اسیر تھے جمع ہوئی لیکن رحم دل بادشاہ نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور مغلوں نے بے حد دقّت و خرابی سے اپنی جان بچائی۔

یہ پہلی فتح تھی جو فیروز شاہ کو نصیب ہوئی اور اس فتح سے تمام خلق میں خوشی و مسرّت کا دَور دَورہ ہوا۔ سلطان فیروز شاہ تمام لشکر و فیل کے ہمراہ دہلی واپس ہوا۔

اب مورّخ ملوک و خوانین شہر کے حالات معرض تحریر میں لاتا ہے۔

پانچواں باب ۵

خواجہ ایاز کی غلطی

نقل ہے کہ جب سلطان محمد نے آخر بار دولت آباد کا سفر کیا تو چند اُمرا کو دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

ان اُمرا میں ایک ملک کبیر تھا اور دوسرا قتلغ خاں اور سوم سلطان فیروز جو اُس زمانے میں نائب امیر حاجب تھا۔ ملک کبیر و قتلغ خاں نے سلطان محمد کی وفات سے قبل ہی دُنیا کو خیرباد کہا اور سلطان محمد نے فیروز شاہ کو اپنے حضور میں طلب کر لیا۔

چونکہ دہلی کی سلطنت خالی تھی، سلطان محمد نے خواجۂ جہاں کو ٹھٹھہ سے دہلی روانہ کیا تاکہ خواجۂ جہاں دہلی میں اُس کی نیابت کرے۔

بعض اور اُمراء بھی خواجۂ جہاں کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ قوام الملک و ملک حسین و ملک حسام الدین اوزبک و ملک خطاب و دیگر اشخاص خواجۂ جہاں کے رفیق طریق تھے۔

اس معاملے میں عام روایت تو یہ ہے کہ خواجۂ جہاں کو معلوم ہوا کہ سلطان محمد نے وفات پائی اور تمام خوانین و ملوک و نیز مشائخ و اہلِ سلوک نے جو بادشاہ کے ہمراہ تھے، سلطان فیروز شاہ کو حکمراں تسلیم کر لیا ہے۔

خواجۂ جہاں نے یہ خبر سُن کر پسر سلطان محمد کو دہلی میں تخت حکومت پر بٹھایا اور سلطان فیروز کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔

خواجۂ جہاں نے خلقت کو اپنا ہم خیال بنایا اور جنگ آزمائی کا ارادہ کیا لیکن عوام کی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ مورّخ عفیف نے مثل پارینہ داستان کے یہ قصہ مجلس عامی لشکر خاں سے یوں سُنا ہے کہ سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی اور خراسان کے اُمرائے ہزارہ نے جو سلطان محمد کی امداد کو آئے تھے، بازار بزرگ کو تاراج کیا، جیسا کہ مورّخ عفیف نے سلطان محمد کے حالات میں مفصّل بیان کیا ہے۔

مختصر یہ کہ غارت گری کے روز لشکر کے تمام اشخاص پراگندہ ہو گئے اور ہر شخص کا جدھر سینگ سمایا اُس جانب روانہ ہو گیا۔

سلطان فیروز شاہ نے تخت حکومت پر جلوس بھی نہ کیا تھا کہ اُس وقت ملیح تونی تون، نام ایک غلام، جس کو خواجۂ جہاں نے اس سے قبل سلطان محمد کے حضور میں روانہ کیا تھا۔ عین اُسی عالم فساد میں لشکر سے جدا ہو کر دہلی روانہ ہوا۔

ملیح صحیح وسلامت دہلی پہنچا اور اُس نے خواجۂ جہاں سے بیان کیا کہ سلطان محمد نے وفات پائی اور مغلوں کے ایک گروہ نے لشکر پر حملہ کر کے بازار بزرگ و تمام باشندوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

مغلوں کے اس حملے سے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور شدید خوں ریزی واقع ہوئی۔

ملیح مذکور نے یہ بھی بیان کیا کہ تاتار خاں و ملک امیر حاجب یعنی فیروز شاہ غائب ہو گئے ہیں، اور اس کا اُسے علم نہیں کہ یہ سب کے سب مغلوں کے ہاتھ میں

گرفتار ہوئے یا قتل کیے گئے۔

اس کے علاوہ اکثر ملوک نے اس جنگ میں مرتبۂ شہادت حاصل کیا۔

غرضکہ ملیح مذکور نے یہ بیان کیا کہ سلطان محمد کے لشکر میں یہ حادثہ پیش آیا۔

واضح ہو کہ ملیح مذکور مشہور غلام تھا۔ چنانچہ اہل دہلی آج تک اُس کے نام سے واقف ہیں۔

خواجۂ جہاں نے یہ واقعہ سُنا اور سلطان محمد کی وفات اور سلطان فیروز شاہ کی عدم موجودگی پر صف ماتم بچھائی اور بے حد افسوس و رنج کا اظہار کیا۔

واضح ہو کہ خواجۂ جہاں اور سلطان فیروز شاہ میں اس درجہ محبت تھی کہ غیر شخص کو اس رابطۂ اتحاد میں دخل نہ تھا بلکہ خواجۂ جہاں نے فیروز شاہ کو اپنی زبان سے پسر خواندہ کہا تھا۔

خواجہ نے ملیح کو راست گفتار خیال کیا اور اپنی رائے سے اجتہاد کر کے پسر سلطان محمد کو بادشاہ بنایا۔

خدا کی قدرت و حکمت سے خواجۂ جہاں کا یہ فعل غلط ثابت ہوا۔

خواجۂ جہاں نے جب سُنا کہ ملک امیر حاجب زندہ ہے اور اُس نے تخت حکومت پر جلوس کیا ہے۔ تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا

جہاں تک خواجۂ جہاں کا حشم و لشکر کو جمع کرنا اور جنگ کی تیاری کا سوال تھا تو یہ مصلحت ملکی کا تقاضا تھا۔

ظاہر ہے کہ ملکی معاملات و رسوم جہانداری میں کوئی فرد بھی اُس وقت تک اپنی غلطی سے واقف نہیں ہوتا جب تک کہ ہر دو فریق کے درمیان صلح نہ ہو اور جب تک کہ اس خطرۂ عظیم سے نجات نہ حاصل ہو انسان کو فکر و تدبیر سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

غرض کہ خواجۂ جہاں نے بے حد لشکر و حشم جمع کیا اور خلقت کو اپنے حلقۂ ملازمت میں داخل کرنے لگا اور اس طرح تقریباً بیس ہزار سوار اپنے گرد جمع کر لیئے۔

خواجۂ جہان نے اپنے ملازمین کو بے حد مال و زر عنایت کیا۔

اگرچہ اُس زمانے میں خزانہ معمور نہ تھا کیونکہ سلطان محمد نے اپنے ستائیس سالہ عہد حکومت میں بے شمار بخشش و عطا سے کام لیا تھا۔

اس لئے خواجۂ جہاں نے سونا چاندی اور نیز نقرئی وزرّیں آلات واسباب لشکر کو تقسیم کیا۔
نقرہ وزر سے بھی کام نہ چلا تو خواجۂ جہاں نے جواہرات دینے شروع کئے۔
خواجۂ جہان کی جودوعطا کی شہرت سُن کر خلائق ہر چہار جانب سے اُس کے لشکر کی طرف متوجہ ہوئی۔ لیکن طُرفہ ماجرا یہ ہے کہ مخلوق خدا زروجواہر خواجۂ جہاں سے حاصل کرتی اور دل سے فیروز شاہ کی شیدائی اور اُس کے لیے دعاگو تھی۔

چھٹا باب ۶

خواجۂ جہاں کو سُلطان فیروز شاہ کے جلوس کی خبر ہونا

خواجۂ جہاں نے سلطان فیروز شاہ کے جلوس کی خبر سُنی اور اپنی غلطی پر اظہار افسوس کیا۔

ہر دو جانب خلایق مختلف گفتگو کرتی تھی۔
بعض اشخاص نے یہ خبر مشہور کی کہ خواجۂ جہاں کا ارادہ ہے کہ اُن افراد کو جن کے وابستگان دامن فیروز شاہ کے لشکر میں ہیں، بادشاہ کے نواح دہلی میں پہنچتے ہی منجنیق کے پلّے میں رکھ کر لشکر شاہی میں پھینک دے۔
بعض افراد یہ بیان کرتے تھے کہ خواجۂ جہاں کا ارادہ ہے کہ بادشاہ سے جنگ کرے۔

اس کے علاوہ یہ خبر بھی مشہور ہوئی کہ خواجۂ جہاں نے دہلی سے روہتک تک تیس کوس کے تمام قریے اور قصبے ویران وتباہ کر دیئے ہیں۔
غرضکہ یہ تمام خبریں سلطان فیروز شاہ تک پہنچیں اور بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ خواجۂ جہاں نے ایک شخص غیر کو سلطان محمد کا پسر مشہور کرکے بادشاہ تسلیم کرلیا ہے اور یہ اخبار متواتر لشکر تک پہنچے تو تمام خانان ملوک نے بالاتفاق

یہ کہا کہ سلطان محمد کے کوئی فرزند نہ تھا۔
بادشاہ مرحوم کے محل میں سلطان تغلق کے ایّام حکومت میں صرف ایک دختر پیدا ہوئی تھی، خواجہ جہاں نے مرحوم بادشاہ کا فرزند کہاں سے پیدا کیا ہے؟
تمام صاحب عقل و فراست افراد خواجۂ جہاں کی اس غلطی پر حیرت کرتے کہ باوجود اس سن و سال کے، یہ امر بعید کیونکر ظہور پذیر ہوا۔
اس موقع پر سلطان فیروز شاہ اپنی دانائی و فراست سے برابر یہی فرماتا رہا کہ خواجۂ جہاں کی ذات سے اس قسم کی حرکات کا ظاہر ہونا بعید از عقل ہے۔
بادشاہ یہ فرماتا ہوا دہلی کی جانب سفر کر رہا تھا۔
تمام خاص و عام بیدل و پریشان سفر کر رہے تھے اور اس خیال میں تھے کہ دیکھیں کیا پیش آتا ہے۔
سلطان فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم پر تکیہ کر کے اپنی مہمات میں مشغول تھا۔
اور تمام افسران تہ دل سے اُس کے بہی خواہ و دعاگو تھے اور خدا سے اُس کی فتح و نصرت کے لئے مناجات کر رہے تھے۔
اس کے علاوہ دہلی کی تمام مخلوق بھی سلطان فیروز شاہ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔
ہر شخص چشم براہ تھا اور بادشاہ کے لشکر کا حال دریافت کرتا تھا۔
مختصر یہ کہ فیروز شاہ ملتان کے حدود میں داخل ہوا اور بادشاہ نے اُس وقت تک خواجۂ جہاں کی بابت ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا تھا۔
بادشاہ نے ہرگز یہ نہ فرمایا کہ خواجۂ جہاں نے بجائے موافقت کے مخالفت سے کام لیا۔
جو فوج و لشکر کہ سلطان کے ہمراہ ٹھٹھہ میں مقیم تھا اُس نے سفر میں بے حد مشقت اٹھائی تھی اور نہ سلطان محمد کے جود و عطا سے خزانے میں روپیہ نہ تھا اور نیز یہ کہ لشکر مغل کی ایذا رسانی سے فوج کو بے حد نقصان پہنچا تھا اس لئے سلطان فیروز شاہ نے دل میں خیال کیا کہ اگر وہ خواجۂ جہاں کے صحیح حال سے لشکر کو آگاہ کرے گا تو تمام افراد بادشاہ کی گفتگو کو اس امر پر محمول کریں گے کہ اُس کے دل میں خواجۂ جہاں کی طرف سے وہم پیدا ہو گیا ہے۔ غرضکہ باوجود ان مشکلات کے کہ لشکر بے حد خستہ و

ماندہ اور خزانہ خالی تھا اور فوج نے مغلوں کے ہاتھوں کثیر نقصان اٹھایا تھا۔ لیکن فیروز شاہ برابر دہلی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔
بادشاہ قطعاً خاموش تھا اور اُس کو یقین تھا کہ اگر ایک لفظ بھی خواجہ جہاں کی بات زبان سے نکالے گا تو فوج کے اوپر بُرا اثر پڑے گا اور دو جدید خطرات پیدا ہو جائیں گے اوّل یہ کہ بے نوائی و بیچارگی سے جو حالت کہ تباہ و شکستہ ہو گئی ہے اُس میں اور اضافہ ہو گا۔ دوسرے یہ کہ فوج کی بد دلی میں اضافہ ہو گا۔
انھیں وجوہ کی بنا پر سلطان فیروز شاہ نے ملتان کے حدود تک ایک لفظ بھی خواجہ جہاں کی بابت زبان سے نہ نکالا۔

ساتواں باب

سلطان فیروز شاہ کا ٹھٹھے سے دہلی روانہ ہونا

نقل ہے کہ جب سلطان فیروز شاہ نے خدا کے حکم سے ٹھٹھ سے دہلی کا سفر اختیار کیا تو اپنے ہمراہیوں سے سوال کیا کہ ہم کو کس راہ سے دہلی کا سفر اختیار کرنا چاہئے۔ ایک گروہ نے جواب دیا کہ گجرات کی راہ سے سفر کرنا مناسب ہے تاکہ اُس مملکت کا خزانہ بھی ہمارے ہاتھ آ جائے۔
سلطان فیروز شاہ نے جواب دیا کہ میرے عم نامدار سلطان تغلق نے خسرو خاں کو سزا دینے کی غرض سے دیپال پور کی راہ اختیار کی تھی۔
اللہ تعالیٰ نے سلطان مرحوم کو فتح دی اور وہ دہلی پر قابض ہو گئے۔
ہم کو مرحوم بادشاہ کی تقلید میں دیپال پور کی راہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ پروردگار کے لطف و کرم سے امید ہے کہ بادشاہ مرحوم کی تقلید کی برکت سے وہ ہم کو بھی فتح عطا فرمائے گا اور ہم صحیح و سلامت دہلی پہنچ جائیں گے۔
اس رائے پر اتفاق ہوا اور فیروز شاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا روانہ ہوا۔

خلقت دہلی کو معلوم ہوا کہ سلطان فیروز شاہ پیل و لشکر کے ہمراہ ملتان و دیپال پور کی راہ سے دہلی آرہا ہے۔

تمام مخلوق کے دل میں عیش و خوشی پیدا ہوئی اور بعض اُمرا و اعیان دولت خفیہ طور پر فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور فراریوں کی طرح بادشاہ کے دامن میں پناہ لی۔

اس فرار کی انتہا یہ ہوئی کہ اہل غنا و سرود کا طبقہ خواجۂ جہاں سے جدا ہو کر فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

خواجۂ جہاں نے یقین کر لیا کہ تمام مخلوق فیروز شاہ کی جانب مائل ہے اور ہر فرد فیروز شاہ کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ خواجۂ جہاں اس واقعے سے بے حد حیران ہوا لیکن قطعاً خاموش و ساکت رہا اور مخلوق کی اس ادا کو برداشت کرتا رہا۔ اگرچہ خواجۂ جہاں کے ہم خیال و ہم مشرب اصحاب نے اُس سے کہا کہ طرفہ ماجرا ہے کہ مخلوق مال و زر تو ہم سے حاصل کرتی ہے اور پناہ فیروز شاہ کے دامن سے لے رہی ہے۔ اگر بعض اس قسم کے فراریوں کے فرزند و متعلقین سے اس کا تدارک کیا جائے تو یقین ہے کہ خلقت فرار ہونے سے باز رہے گی۔

خواجۂ جہاں یہ تمام تقریر سنتا اور خاموش تھا یہاں تک معاملے نے اس قدر شدّت اختیار کی کہ اہل دہلی میں جو افراد کہ فرار پر قادر تھے اُن کے تو جسم و روح دونوں بادشاہ کے قریب تھے اور جو اشخاص کہ فرار کرنے پر قدرت نہ رکھتے تھے اُن کے قلوب بادشاہ کے قدموں پر نثار تھے، ہر روز فیروز شاہ کے سفر کے حالات دریافت کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشیّت الٰہی بھی عجب پُر اسرار معاملہ ہے جس کی کُنہ سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔

چونکہ کاتبِ تقدیر نے روز ازل دہلی کی حکومت فیروز شاہ کے لئے مقدر فرمائی تھی، بادشاہ کی جہاں داری کے اسباب خود بخود پیدا ہونے لگے۔

اگرچہ فیروز شاہ پریشان حال و خستہ و ماندہ لشکر کے ہمراہ دہلی آرہا تھا اور خواجۂ جہاں کے زیر حکم بیس ہزار سوار موجود تھے اور اہل لشکر کے زن و فرزند و متعلقین حصار

دہلی کے اندر تھے لیکن بر نہیم پروردگار نے بغیر تیغ زنی کے فیروز شاہ کو فتح عنایت کی۔

کیا شان الٰہی ہے، حضرت پیغمبر اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صحیح فرمایا ہے کہ انسان کے قلوب، پروردگار کے قبضۂ اقتدار میں ہیں وہ جدھر مناسب خیال فرمائے اُن کو پھیرتا ہے۔

جب پروردگار عالم اپنے کسی بندے کو تقرّب عنایت فرماتا ہے تو فرشتوں کو مطلع فرماتا ہے کہ میں نے فلاں بندے کو اپنا ولی بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت جبریل کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کی محبت جملہ آبہائے رواں میں جاری کرتا کہ جو شخص یہ پانی پیئے میرے بندے کی دوستی کے نشے سے سرشار ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ قطعاً پروردگار عالم کی قدرت کا ظہور تھا کہ تمام خلقت خدا فیروز شاہ کی بہی خواہ ہو گئی۔

ان افراد نے تمام اپنے اعزہ، اپنے مکان، اپنے زن و فرزند کو ہلاکت میں ڈالا اور اس قدر محنت و مشقت اختیار کی کہ اپنی جیب سے اخراجات کے کفیل ہوئے اور سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

یہ تمام اُمور انسانی سعی و کوشش سے باہر ہیں اور ان کا ظہور محض خدا کے فضل و کرم کا کرشمہ ہے۔

چونکہ پروردگار عالم کی مرضی یہ تھی کہ دارالملک دہلی چالیس سال کامل اسی بابرکت بادشاہ کی حکومت سے بہرہ مند ہو اور خلق خدا ایک مدت تک امن و امان سے زندگی بسر کرے اس لئے تقدیر الٰہی نے تمام اسباب حکمرانی خود بخود پیدا فرما دیئے۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ حدود ملتان میں پہنچا۔

بادشاہ نے آگے قدم بڑھایا ہی تھا کہ بلیح تون تون نام خواجۂ جہاں کا فرستادہ غلام دور سے نمودار ہوا۔ سلطان فیروز نے اُس کو پہچان لیا اور اس موقع پر یہ فرمایا کہ دہلی سے چند سوار آرہے ہیں۔

بلیح قریب تر آیا اور اُس کی گردن میں پسر سلطان محمد کا فرمان آویزاں تھا۔

فیروز شاہ نے ایلچی کو دور سے دیکھا اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ خواجۂ جہاں کا فرستادہ ہے۔ بادشاہ نے اپنی عنانِ دولت اُسی مقام پر روک کر فرمایا کہ شاید خواجۂ جہاں دُنیا میں باقی نہیں ہے۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ ایلچی اُسی مقام پر روک دیا جائے اور اُس سے دریافت کیا جائے کہ خواجۂ جہاں سلامت ہے یا نہیں۔

بادشاہ کے حکم تعمیل کی گئی اور خواجۂ جہاں و دہلی کے باشندوں کا حال دریافت کیا گیا۔

ایلچی نے تمام واقعہ بیان کیا اور اُس کی گفتگو بادشاہ کے حضور میں عرض کی گئی۔

فیروز شاہ نے جواب دیا کہ خدا کا فضل و کرم درکار ہے، خواجۂ جہاں وغیرہ کیا کر سکتے ہیں۔

غرض کہ فیروز شاہ خدا کی عنایت و مہربانی سے ملتان میں داخل ہوا۔

بادشاہ نے شہر کے مشائخ کو انعام و نذر سے ممنونِ احسان بنایا۔

بادشاہ اجودھین روانہ ہوا اور بندگی شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔

فیروز شاہ اجودھین سے روانہ ہو کر قصبۂ سرستی میں مقیم ہوا۔

واضح ہو کہ قصبۂ سرستی دہلی سے نو دکوس کے فاصلے پر آباد ہے۔

اس قصبے کے تمام صراف و بقال جمع ہوئے اور اُنھوں نے چند لاکھ تنگے خدمتی کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔

اس موقع پر بادشاہ نے فرمایا کہ تمھاری رقم خدمتی ہم پر قرض ہے انشاءاللہ تعالیٰ دہلی پہنچ کر روپیہ تم کو واپس کر دیا جائے گا۔

بادشاہ نے رقم عمادالملک بشیر کے حوالے کر دی کہ شہر دہلی میں داخلے کے بعد یہ رقم صرافوں کو واپس کر دی جائے۔ فیروز شاہ نے خدا کی توفیق سے تمام مال حشم و لشکر کو عطا فرمایا جس کی وجہ سے لشکر کو خرچ کی طرف سے گونہ اطمینان حاصل ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان فیروز سے فرمایا کہ ملک ٹھٹھہ سے اس مقام تک دعاگو نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اور حضرت

شاہ مع تمام لشکر کے بخیر و عافیت اس مقام تک پہنچ گئے اب اس مقام سے پیشتر کا حصہ ملک حضرت قطب الانام شیخ قطب الدین منوّر کی ولایت میں داخل ہے اب جو کچھ مناسب ہو حضرت شیخ کو لکھا جائے۔

سلطان فیروز نے یہی الفاظ ہانسی میں حضرت شیخ قطب الدین منوّر کو لکھ کر روانہ کیے۔

بادشاہ نے حضرت شیخ کو لکھا کہ شیخ نصیر الدین محمود نے یہ فرمایا ہے اور اب مجھ کو آپ کے حوالے کیا ہے۔

حضرت شیخ قطب الدین نے جواب دیا کہ چونکہ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے اس ضعیف کے حوالے کیا ہے اس لئے مجھے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ دہلی بھی بادشاہ کے قبضے میں آجائے گی۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے یہ کلام اس لئے فرمایا تھا کہ شیخ قطب الدین منوّر کی بزرگی اہلِ عالم کو معلوم ہو جائے ورگرنہ ان ہر دو بزرگوار میں انتہائی محبت و اتحاد تھا اور نیز یہ کہ ہر دو بزرگ ہم خرقہ تھے اور آخر سِن کو پہنچ چکے تھے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ حضرت شیخ کے جواب سے بے حد مطمئن ہوا اور حضرت کی بشارت کا اُمیدوار ہو کر آگے بڑھا اور منتظر تھا کہ حضرت شیخ کی بشارت کا ظہور ہوا۔

آٹھواں باب

خان جہاں کا فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہونا

منقول ہے کہ ملتان و دیپال پور و سرستی وغیرہ دیگر مقامات کے باشندے تمام و کمال فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے غرضکہ ملوکِ نامدار و فرقۂ اُمراء و پہلوانان جری و بخت آور و لشکر و سوار وغیرہ ہر طبقہ و فرقہ کے اشخاص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور چھتیس ۳۶ راجگی تمام و کمال بادشاہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئیں

اور فیروز شاہ کے گرد کثیر مجمع ہو گیا۔

فیروز شاہ نے ہر شخص سے شیریں کلامی کی اور صاف و صریح طور پر اُن کو عنایت شاہانہ کا امیدوار بنایا۔ بادشاہ ہر شخص سے زبان سے وعدہ کرتا اور دل سے حضرت قطب الدین منوّر کے ارشاد کا منتظر تھا اگرچہ دہلی کے تمام خاص و عام بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے لیکن فیروز شاہ کو اطمینان نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ قوام الملک نے حاضری میں سبقت کی۔

خان جہاں نے بیشتر اپنے حالات کے عرائض فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور اپنی حاضری سے بادشاہ کو اطلاع دی اور بادشاہ کی ہی خواہی میں صدق دل سے ارادہ کر کے اپنی تمنّا کا اظہار کیا۔

قوام الملک نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

فیروز شاہ بھی خان جہاں کو جواب ادا کرتا تھا اور اُس کی تمنّا کے مطابق اُس کی تسکین کرتا تھا شہر دہلی میں شور برپا ہو گیا کہ قوام الملک نے بادشاہ کی خدمت میں عرائض روانہ کیے ہیں اور خود بھی امروز فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔

خواجۂ جہاں نے آشکارا و خفیہ دلائل و نشانات سے معلوم کر لیا کہ قوام الملک فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ ہونے والا ہے اور اُس نے ارادہ کیا کہ اُس کو گرفتار کرے۔

سبحان اللہ عجیب راز ہے کہ جس کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔

ظاہر ہے کہ جب خدا کی مشیّت یہ ہو کہ فیروز شاہ مُلک میں حکومت کرے تو دوسرا کون ہے جو اُسے روک سکتا ہے۔

غرضکہ خدا کی حکمت بالغہ سے قوام الملک نے ارادہ کیا کہ دہلی سے روانہ ہو قوام الملک نے اُس روز مقررہ مکان میں قیام کیا، اور خواجۂ جہاں بالائے ہزار ستون مقیم تھا۔

غرض کہ قوام الملک ہزار ستون کے نیچے آیا اور اُس نے ارادہ کیا کہ کوشک کے اوپر جائے۔

خواجۂ جہان کا ایک ملازم کوشک کے بالائی حصّے سے نیچے آرہا تھا، اُس شخص نے قوام الملک کو دیکھ کر دانت کے نیچے اُنگلی دبائی اور آنکھوں کے اشارے سے کہا

کہ محل کے اوپر جانا مصلحت سے بعید ہے۔
قوام الملک اُس شخص کا مطلب سمجھ گیا اور فوراً بالائی حصے کے پیشِ در میں اپنے کو لنگ بنا لیا۔
قوام الملک نے اپنے ایک شخص کو بھی خواجۂ جہاں کے پاس روانہ کر کے اُس کو اپنی علالت سے آگاہ کیا اور کہا کہ میرے پاؤں میں ورم آگیا ہے اور میں اپنے مکان سے آپ کے آستانے تک بہزار دقت آیا ہوں، لیکن اب بالائے محل آنا میرے امکان سے باہر ہے۔
خواجۂ جہاں نے یہ معلوم کر کے کہ قوام الملک نے الفاظ معذرت خود اپنی زبان سے ادا کئے ہیں، اپنے ایک ملازم کو دوڑایا تاکہ قوام الملک سے کہے کہ مجھ کو تم سے ایک اہم معاملے میں مشورہ کرنا ہے، میرے قریب تک ضرور آؤ۔
جب تک کہ خواجۂ جہاں کا قاصد قوام الملک تک پہنچے، یہ امیر صحن کوشک میں پہنچ گیا۔
خواجۂ جہاں کا ملازم قوام الملک تک پہنچا اور خواجۂ جہاں کا پیغام اُس تک پہنچایا۔
قوام الملک نے جواب دیا کہ میں پاؤں کے درد سے ایسا بے قرار ہوں کہ مجھ کو اپنے سر و پا کا ہوش نہیں ہے، نماز صبح کے اوّل وقت آؤں گا۔
جب تک کہ خواجۂ جہاں کے ملازم قوام الملک کا جواب اُس تک پہنچائیں قوام الملک قبلہ رُخ کے پیش در تک پہنچ چکا تھا۔
سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں قوام الملک کے مکان کا زیرین حصہ قبلہ رُخ تھا قوام الملک اپنے مکان کے زیرین حصے میں آیا اور اُسی وقت اور اُسی مقام چوڈول پر سوار ہو کر اپنے زن و فرزند و مصاحبین و تمام خدم و حشم کے ہمراہ روانہ ہو کر دروازۂ میدان پر آیا۔ دربان نے ارادہ کیا کہ دروازہ بند کرے لیکن تازی جوان دوڑے اور انھوں نے خوں فشاں تلواریں نیام سے نکالیں۔
دربان دروازہ بند نہ کر سکا اور قوام الملک آہستہ آہستہ فیروزشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا اور فیروزشاہ سرستی سے آگے بڑھا۔ قوام الملک نے چند منزل راہ طے کر کے منزل اکدار میں بادشاہ سے ملاقات کی اور سعادت قدم بوسی سے بہرہ اندوز ہوا اُسی روز شاہزادۂ فیروز خاں کے محل میں فرزند پیدا ہوا۔

فیروز شاہ کو اس مقام پر دو خوشی حاصل ہوئیں، ایک قوام الملک کی حاضری، اور دوسرے شاہزادے کے مکان میں تولّد فرزند کی۔

بادشاہ نے اس مقام پہ ایک شہر بزرگ کو بسایا اور اُس کو فتح آباد کے نام سے موسوم کیا۔

فیروز شاہ نے نوزائیدہ فرزند کا نام بھی فتح خاں رکھا۔

اُسی روز قوام الملک بادشاہ کے حضور میں امیدوار مکرمت حاضر ہوا اور فیروز شاہ نے اس امیر کو شاہانہ نوازش سے سرفراز فرمایا۔

نواں باب

ملاقات کی تفصیل

نقل ہے کہ خواجۂ جہاں نے سُنا کہ قوام الملک اُس کی اطاعت سے منحرف ہو کر فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا

مورّخ مصنّف شمس سراج عفیف نے اُن اشخاص کے حوالے سے جو اس موقع پر جمع تھے، بیان کیا ہے کہ خواجۂ جہاں نے یہ معلوم کر کے کہ قوام الملک مرغان ہوائی کی طرح پرواز کر کے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تو یہ امیر صرف ایک پیرہن تن پر اور برہنہ سر، تسبیح ہاتھ میں لیئے ہوئے اور دونوں ہاتھ پیٹھ سے پیچھے باندھے ہوئے نہایت فکر مند و پریشان بالائے ستون ٹہلنے لگا تھا۔

جو اشخاص کہ اس معاملے میں خواجۂ جہاں کے رفیق طریق اور مشیر تھے اُنہوں نے بارِ دگر اس کی گفتگو شروع کی اور اس امیر سے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم قوام الملک کا تعاقب کریں اور دیکھیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

خواجۂ جہاں نے اس تقریر کا کچھ جواب نہ دیا۔

چونکہ خواجۂ جہاں معاملہ فہم، عاقل و کامل وزیر تھا اُس کو یقین ہو گیا کہ حکمت خدائی

وتقدیر الٰہی کا تقاضا یہی ہے کہ سلطان فیروز شاہ تختِ حکومت پر بیٹھ کر دہلی کا مالک و فرماں روا ہو۔

خدا کی اس مشیت کو کون بدل سکتا ہے اور کس انسان و ملک میں یہ قدرت ہے کہ فیروز شاہ کو نقصان پہنچائے۔

چونکہ خواجۂ جہاں کی قسمت میں مرتبۂ شہادت مقدر تھا تمام اسباب شہادت خود بخود مہیا ہو گئے۔

خواجۂ جہاں نے دل ہی دل میں اس معاملے میں غور کیا اور یہ طے کیا کہ میرا یہ فعل حکمت و صداقت سے بعید تھا اور چونکہ معاملے کی حقیقت بھی باطل و غلط ہے، میری کوشش سے اس کا روبراہ ہونا مشکل ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں بھی سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا تدارک و تلافی کروں، اس کے بعد جو منظورِ خدا ہے اُس کے ظہور کا منتظر رہوں۔

مختصر یہ کہ قوام الملک پنجشنبہ کے روز دہلی سے روانہ ہوا تھا اور اُسی روز منزل اسماعیل میں جو دہلی سے چوبیس کوس کے فاصلے پر آباد ہے، فروکش ہوا۔

خواجۂ جہاں جمعہ کے روز دہلی سے روانہ ہو کر حوضِ علائی کے جوار میں مقیم ہوا۔ تمام ملوک و امراء جو خواجۂ جہاں کے رفیق و ہم خیال تھے حوضِ علائی کے قریب اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ ملک حسن و ملک حسام الدین اُزبک وغیرہ خواجۂ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن یہ امیر حیران تھے کہ خواجۂ جہاں نے کس قسم کا ارادہ کیا ہے۔

ان اُمراء نے اس حیرانی کے عالم میں خواجۂ جہاں سے دریافت کیا کہ آپ تو فیروز شاہ سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں، ہماری بابت کیا ارشاد ہوتا ہے۔

خواجۂ جہاں نے ان اُمراء کو جواب دیا کہ آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہے کہ پسر سلطان محمد کو بادشاہ تسلیم کرنے میں میری کوئی ذاتی غرض نہ تھی اس لیے کہ پیشوائی کا مقام تاجدارانِ عالم کا حق ہے اور وزارت کا منصب وزراء کے لئے موزوں ہے۔

اگر تاجدار، وزراء کے منصب کی اور وزراء بادشاہانِ عالم کے مرتبے کی خواہش و آرزو کریں تو قلیل ہی مدت میں مُلک خراب و تباہ ہو جائے گا۔

مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان محمد نے وفات پائی اور مغلوں نے لشکر کو تاخت و تاراج کیا اور اسی ہنگامے میں تاتار خاں اور فیروز شاہ غائب ہو گئے ہیں اس لئے میں نے ملک کا انتظام برقرار رکھنے اور رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے یہ غلط راہ اختیار کی جس میں مجھ سے سہو واقع ہو گیا۔

خلائق نے ہر دو جانب مختلف گفتگو شروع کی ورنہ مجھ کو مرتبۂ سلاطین سے کیا نسبت ہے۔

اس کے علاوہ سلطان محمد کے عہد حکومت میں میں نے فیروز شاہ کو پسر خواندہ بنایا تھا اور میرے تمام متعلقین بے پردہ فیروز شاہ کے سامنے آتے تھے۔

فیروز شاہ خود بھی مجھ کو پدر مہربان کہتا اور خیال کرتا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب خدا کی کیا مشیّت ہے اور پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے۔

تم سب میرے ہمراہ رہو اور مجھ سے جُدائی نہ اختیار کرو۔

میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ فیروز شاہ کی فطرت بے حد نیک ہے اور وہ میرے معروضے کے مطابق تم سب کو امان دے گا۔

خواجۂ جہاں نے یہ رازِ پنہاں اپنے رفقا سے ظاہر کیا اور ہر شخص خواجۂ جہاں کی اس نرمی پر رو دیا۔ اس زمانے میں خواجۂ جہاں کی عمر اسّی سے متجاوز ہو چکی تھی۔

خواجۂ جہاں نے حلقِ سر کر لیا تھا اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کا مُرید ہو چکا تھا۔ مختصر یہ کہ ان اُمرار نے خواجۂ جہاں کی فقر انگیز گفتگو سُن کر عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم بھی اپنی رائے ناقص کا اظہار کریں۔

خواجۂ جہاں نے ان اُمرار کو گفتگو کی اجازت دی اور امیروں نے عرض کیا آئینِ مُلکی و قواعد جہانداری میں پدری و پسری کے تعلقات کو مطلقاً دخل نہیں ہے اور کسی شخص کی غلطی اور اُس کا سہو اُس کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بادشاہوں کے طرز روش کے خلاف ہے۔

فیروز شاہ اگرچہ نیک فطرت ہے لیکن یقین ہے کہ وہ اس معاملے میں روشِ سلاطین کے خلاف نہ کرے گا۔

خواجۂ جہاں نے کہا کہ اگر میں واپس ہو جاؤں اور حصار دہلی میں پناہ اختیار کر دوں تو

ممکن ہے کہ فیروز شاہی لشکر قلعے کا محاصرہ کر کے حصار پر قبضہ کرلے اور مسلمانوں کی مستورات پردہ نشین نااہل افراد کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے عزت ہوں اور میں اس پیرانہ سالی میں قیامت میں جواب دہ ہوں۔

آخر غور کرو کہ میں کب تک زندہ رہوں گا، میں ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور خدا کی مرضی کا پابند، جو اُس کا حکم ہے وہی ہوگا۔

ان اُمراء کو معلوم ہوگیا کہ خواجۂ جہاں ضرور فیروز شاہ کے حضور میں حاضر ہوگا۔

اُمراء میں بعض افراد تو خواجۂ جہاں کے ہمراہ فیروز شاہ سے جاملے اور بعض خواجۂ جہاں سے علیحدہ ہو کر تنہا بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوگئے۔

مختصر یہ کہ قوام الملک فتح آباد میں سلطان فیروز شاہ سے جاملا اور خواجۂ جہاں دھالسور کی منزل میں جدا کر دوہ سے قریب ہے۔ دوسرے روز قوام الملک سے متصل خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

راویان معتبر نے بندۂ ضعیف شمس سراج عفیف سے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ فیروز شاہ نے نماز ظہر کے وقت دربار عام کیا۔

بادشاہ ایک صندلی پر بیٹھا اور رسوم جہاں داری کے موافق تمام ارکان دولت حاضر ہوئے۔

خواجۂ جہاں نے زنجیر آہنی گردن میں آویزاں کی اور دستار اپنے سر سے اُتار کر ایک ٹوپی پہنی اور تیغ برہنہ گردن سے باندھ کر پردۂ شاہی کے متصل بائیں مقام پر استادہ ہوا۔

نماز ظہر کے وقت سراچۂ بارگاہ گرایا گیا اور ایک پرتاب کی دوری سے اُمراء آداب بجالائے، بادشاہ کی نظر خواجۂ جہاں پر پڑی تو اُسی وقت فرمایا کہ خواجۂ جہاں سے دریافت کیا جائے کہ اُس نے اپنی گردن میں زنجیر کیوں آویزاں کی ہے۔

خواجۂ جہاں نے تخت کے روبرو حاضر ہو کر یہ شعر عرض کیا۔

باز آمدہ ام چو خونیاں بر در شاہ ۔۔۔ اینک سر و تیغ آنچہ باید آں کن

فیروز شاہ نے معتبر اشخاص کو روانہ کیا اور ان افراد نے بادشاہ کے حکم سے خواجۂ جہاں کے سر پر پگڑی باندھی اور کہا کہ بادشاہ کا ارشاد ہے کہ مجھ کو ہرگز تمہاری ذات والا صفات

سے بدگمانی نہیں ہے۔

بادشاہ نے اُسی وقت سواریٔ خاصہ کا زرین چڈول روانہ کیا اور اپنی نوازش کا اس طرح اظہار کیا اور یہ حکم نافذ فرمایا کہ خواجہ جہاں کو اس چڈول پر سوار کر کے اور ایک خیمہ وچند سراپردۂ شاہی نصب کر کے خواجہ جہاں کو اُس خیمے میں مقیم کرائیں۔

فیروز شاہ نے خواجہ جہاں کو پیغام دیا کہ میں اُس خیمے میں ملاقات کے لئے آتا ہوں۔

غرضکہ خواجہ چڈول میں سوار ہو کر اُس خیمے میں مقیم ہوا۔

واضح ہو کہ خدا کی امداد و اعانت سے فیروز شاہ کے حق میں حضرت شیخ قطب الدین منوّر رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت درست ہوئی اور جیسا کہ حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ دہلی اس مقام پر دست بستہ حاضر ہو گئی وہی ہوا اور عین راہ میں فیروز شاہ دہلی پر قابض ہو گیا۔

دسواں باب

اہل دربار کی رائے

فیروز شاہ کا ارادہ تھا کہ خواجہ جہاں کو کسی قسم کی مضرت نہ پہنچائے اور اُس کو عہدۂ قدیم یعنی مرتبۂ وزارت پر بحال کر دے۔

فیروز شاہ نے خیال فرمایا کہ فرقۂ وزراء اور نیز اہل دربار کا قاعدہ ہے کہ عمّال کو تکالیف پہنچاتے ہیں اور مال جمع کرنے کے لئے بے حد سعی و کوشش فرماتے ہیں۔

خواجہ جہاں کی رائے غلط ثابت ہوئی لیکن آخرکار وہ معافی کا خواستگار ہوا۔ اب اس کا قصور معاف کرنا مناسب ہے اور اس کو مرتبۂ وزارت عطا کرنا قرین انصاف ہے۔

اس موقع پر بادشاہ دین پناہ نے حضرات صوفیہ کے مسلک پر عمل کرنا مناسب خیال کیا اور ارادہ کر لیا کہ خواجہ جہاں کا قصور معاف فرما دے۔

اہل دربار کو فیروز شاہ کے ارادے سے اطلاع ہوئی کہ خواجہ جہاں کے معاملے میں بادشاہ کرم و رحم شاہانہ سے کام لے کر اُس کے گناہ کو معاف فرما دے گا۔

تمام خانان عظیم الشان و ملوک ایک مقام پر جمع ہوئے اور انھوں نے باہم مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ ملکی معاملات میں غدر کرنا گناہِ عظیم ہے اور ہر ایسے گناہ کی سزا دینی واجب ہے۔

اس قسم کے گناہ کو معاف کرنا پشیمانی و ندامت کا سبب ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اصل و عظیم الشان مضرت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

ان اُمراء نے یہ بھی طے کیا کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر براہِ راست اپنے ارادے سے مطلع کریں۔

غرض کہ یہ اُمراء مجلس مشورہ سے اُٹھ کر بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عماد الملک کو فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔

عماد الملک نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ تمام ملوک و اُمراء درِ دولت پر حاضر ہیں۔ یہ گروہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

فیروز شاہ نے اپنے انوار بصیرت سے دریافت کر لیا کہ امیروں کے دلوں میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور یہ گروہ میرے مُلک حکومت سے برداشتہ خاطر ہوگیا ہے۔

بادشاہ نے اُمراء کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اعیان ملک حاضر ہوئے اور سر زمین پر رکھ کر عرض کیا۔

اس موقع پر شمس عفیف سے بعض معتبر اشخاص نے بیان کیا کہ امراء کو دیکھ کر بادشاہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ غرضیکہ امیروں نے مخلصانہ الفاظ زبان سے نکالے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ خدا کی عنایت و مہربانی سے دہلی فتح ہوگئی اور خواجہ جہاں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوگیا۔

ان واقعات سے رعایا کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوگیا اور رنج و غم ختم ہوئے اور بندگانِ درگاہ کو یکسوئی حاصل ہوگئی۔

ہر مسلم پر تمام عمر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، اگر بادشاہ ارشاد فرمائیں تو ہم بندگان درگاہ خانہ کعبہ میں حاضر ہوکر سعادت حج حاصل کریں۔

فیروز شاہ اُمراء کے ارادے سے واقف ہوا اور اس نے مناسب الفاظ میں تقریر کی۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اگر کسی اہلِ قلم سے قصور سرزد ہو تو سلاطین با اختیار کو اس کی

تقصیر معاف کرنی چاہیئے، جیساکہ فرماں روایان قدیم حالات میں مرقوم ہے۔
امیروں نے اس موقع پر بادشاہ سے عرض کیا کہ سلاطین کے ماتحت افراد کے گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک صغیرہ اور دوسرے کبیرہ۔
بادشاہ گناہ صغیرہ معاف کرسکتے ہیں لیکن گناہ کبیرہ کو معاف کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسے گناہوں کے معاف کرنے سے آخر کار ندامت و پشیمانی ہوتی ہے، خاص کر خواجۂ جہاں ایسے افراد کے معاملے میں اس گناہ کو معاف کرنا ہرگز زیبا نہیں ہے۔
ظاہر ہے کہ اس امیر نے ایک بچے کو فرماں روا تسلیم کیا اور بیشمار نقد و دولت رعایا کو تقسیم کی اور جب روپیہ باقی نہ رہا تو زر نقد کے عوض جواہرات و دیگر الماس لٹائے۔ اور اس طرح تمام خزانہ خالی کردیا۔
آخر میں جب اس امیر نے دیکھا کہ تمام خلقت خدا بادشاہ عالم کی مطیع و بہی خواہ ہوگئی ہے اور ہر فرد نے حضرت کو اپنا مالک و آقا تسلیم کرلیا، تب خواجۂ جہاں نے دیگر وزراء کے طریقۂ کار پر عمل کیا۔ حضرت کو معلوم ہے کہ اگر خدانخواستہ ہمارا پلّہ بھاری نہ ہوتا تو خواجۂ جہاں دستوران پرویز کی طرح عذر نہ کرتا بلکہ ظاہر و باطن ہر طریقے پر ہمارا کام تمام کردیتا اور ہم میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ امیروں نے اس تقریر کے بعد حضور شاہ میں عرض کیا کہ ہماری عقل ناقص میں جو آیا ہم نے عرض کردیا، آئندہ جیسی رائے عالی ہو۔
فیروز شاہ کو معلوم ہوگیا کہ تمام اُمراء اپنی ذاتی فراست و دانشمندی کی وجہ سے خواجۂ جہاں کی ہلاکت کے درپے ہیں اور اس امیر کو قتل کرنے کے تمام اُمرائے دربار متفقہ معروضہ پیش کر رہے ہیں۔
فیروز شاہ کا رنگ اس فکر و اندیشہ سے زرد ہوگیا۔ چند روز اسی رنج و غم میں بسر ہوئے اور شبانہ روز انتہائی غور و فکر میں گذرے۔
غرضیکہ بے حد غور و فکر کے بعد بادشاہ نے عماد الملک کو خلوت میں طلب کرکے رازِ نہاں سے اُس کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ اُمراء سے جاکر کہو کہ خواجۂ جہاں کے معاملے کو میں نے تمھارے سپرد کردیا، جو تم مناسب خیال کرو اُس پر عمل کرو، میں نے اس امیر سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔
بادشاہ نے اُمراء سے یہ گفتگو کی اور خواجۂ جہاں پر ہر دم تازہ مرحمت و شفقت کرنے لگا۔
غرضیکہ فیروز شاہ اور اُمراء میں یہ گفتگو ہوئی اور بادشاہ نے خواجۂ جہاں کا معاملہ اُنہی

کے حوالے کر دیا۔

اُمرار نے بادشاہ کی طرف سے خواجۂ جہاں کو یہ پیغام دیا۔

"تم اب ضعیف و بوڑھے ہو گئے ہیں سامانہ تمھاری جاگیریں عطا کرتا ہوں تم اپنی جاگیر کو جاؤ اور وہیں یادِ الٰہی میں زندگی کے بقیہ دن تمام کرو۔"

پروردگار کی مشیّت کے بھی عجیب اسرار ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تقرّب وسعادت کی برکات سے مستفید فرماتا ہے تو بلا مشقّت و محنت اُس کے لئے تمام اسبابِ نعمت موجود ہو جاتے ہیں۔

خدائے کریم نے خواجۂ جہاں کو تمام دینی و دنیوی نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا تھا اب آخر عمر میں اُس کو سعادتِ شہادت بھی نصیب فرمائی۔

مؤرّخ عفیف مغل حادثے کے بیان کے ضمن میں چند سطریں مرتبۂ شہادت کی بلندی و عظمت کے بارے میں معرضِ تحریر میں لائے گا تاکہ ناظرین اس مرتبے کی برکات سے بخوبی آگاہ ہو جائیں۔

غرض کہ خواجۂ جہاں سامانہ روانہ کیا گیا اور اس امیر نے ہنوز چند منزل راہ طے کی تھی کہ شیر خاں بھی اس مقام پر آیا۔ شیر خاں نے خواجۂ جہاں سے ملاقات نہ کی اور ایک دوسرے مقام پر فروکش ہوا۔

ان واقعات کی اطّلاع خواجۂ جہاں کو ہوئی اور اُس کو اطلاع دی گئی کہ شیر خاں آپ کے لئے فرمان مرحمت لایا ہے اور یقین ہے کہ آپ کو واپس لے جائے گا۔

خواجۂ جہاں نے جواب دیا کہ شیر خاں فرمان کرم لے کر نہیں حاضر ہوا ہے بلکہ وہ میری ہلاکت کا مژدہ لایا ہے۔ اگر میرے حق میں فرمان رحم صادر ہوتا تو شیر خاں کی مجال نہ تھی کہ بغیر مجھ سے ملاقات کئے ہوئے دوسرے مقام پر فروکش ہوتا۔

شیر خاں کے طرزِ عمل سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اُس کے پاس فرمان رحم و کرم نہیں ہے۔

سبحان اللہ اس وزیر خوش تدبیر کی عقل و فراست کا کیا کہنا، جس نے محض قرائن سے اصل حقیقت کا پتا لگا لیا۔ مختصر یہ کہ روز دیگر خواجۂ جہاں نے شیر خاں سے چند سراچے طلب کئے اور اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ سراچے صحرا میں نصب کریں اور صحن کو

صاف و ہموار بنائیں۔

خواجۂ جہاں اس مقام پر لایا گیا اور اس امیر نے پریشانی کے عالم میں پانی طلب کیا۔

خواجۂ جہاں نے دوبارہ وضو کیا اور حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کلاہ سر پر رکھی اور حضرت کی دستار مبارک باندھ کر شمشیر زنی کی طرف متوجہ ہوا اور اُس سے کہا کہ تمھاری تلوار تیز ہے۔

خواجۂ جہاں کا ایک دست گرفتہ موجود تھا۔ اس امیر نے اپنے مصاحب کو وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمائش کی کہ دوگانہ نماز ادا کر کے تیغ رانی کرے۔

یہ مصاحب نماز سے فارغ ہوا اور خواجۂ جہاں نے سجدے میں سر جھکایا۔

اس امیر نے رنج انگیز لہجے میں کلمۂ طیبہ پڑھا اور اُس مصاحب نے تلوار گلے پر پھیری اور اُسی دم سر تن سے جدا ہو گیا۔

سبحان اللہ کیا مقام عبرت ہے جس کا سبق انگیز منظر پروردگار عالم دنیا میں ظاہر فرماتا ہے۔

اہل اسلام و ایمان کا فریضہ ہے کہ ان واقعات سے عبرت حاصل کر کے طلب آخرت میں سعی و کوشش کریں۔

گیارھواں باب ۱۱

شہر ہانسی میں آمد

پروردگار کے لطف و کرم سے بادشاہ کو فتح دہلی کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا اور بادشاہ جاہ و جلال و نعمت و سعادت کے ہمراہ کرودہ سے شہر کو روانہ ہوا۔ چند منزل طے کر کے ہانسی پہنچا اور حدود شہر میں قیام اختیار کیا۔

معتبر و راست گفتار راویوں نے مورّخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ فیروز شاہ نے حضرت قطب الدین منوّر سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا۔

بادشاہ حصار میں داخل ہوا اور اُس وقت حضرت شیخ نماز جمعہ کے لئے خانقاہ سے باہر تشریف لائے تھے اور اپنی خانقاہ کے دروازے پر استادہ تھے۔

فیروزشاہ حضرت کی خانقاہ میں پہنچا۔

حضرت شیخ نے اُس وقت اپنے جدّ امجد حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کا جُبّہ مبارک زیب تن فرمایا تھا اور جدّ بزرگوار کی شان فقر میں جلوہ نما تھے۔

واضح ہو کہ یہ جبّہ مبارک بیحد کہنہ تھا۔

مختصر یہ کہ فیروزشاہ حضرت قطب الدین کی ملاقات کو حاضر ہوا، خان اعظم تاتار خاں بادشاہ کے ہمرکاب تھا۔

بادشاہ دیندار نے حضرت شیخ سے مصافحہ کیا۔

حضرت شیخ نے مصافحے کے بعد فیروزشاہ سے فرمایا کہ فقیر نماز جمعہ کی نیت سے خانقاہ سے باہر آیا تھا. لیکن بادشاہ کو تشریف لاتے دیکھ کر حیران ہوا کہ اب کیونکر اپنے مکان کو واپس جائے۔

اس تقریر کا مقصد یہ تھا کہ سلاطین کو قبل نماز جمعہ فقرا کی ملاقات کو نہ آنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضرت شیخ منوّر رحمۃ اللہ علیہ نے چند کلمے بطور وعظ و نصیحت کے فرمائے۔

حضرت شیخ نے بادشاہ سے فرمایا کہ دعاگو نے سُنا ہے کہ بادشاہ کو بادہ خواری سے بیحد شوق ہے اور اس شغل کی وجہ سے اہل حاجت کی کاربراری میں رخنہ پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ پروردگار عالم نے چند مسلمانوں کے حقوق کا آپ کو محافظ مقرر کیا ہے۔

مسلمان جو ہمیشہ پریشان خاطر رہتے ہیں اُن کے حال سے غافل رہنا مصلحت و دور اندیشی سے بعید ہے۔

فیروزشاہ نے فرمایا کہ انشاء اللہ اب میں شغل میکشی نہ کروں گا۔

حضرت شیخ نے فرمایا الحمد للہ علےٰ ذالک۔

پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ دعاگو نے سُنا ہے کہ بادشاہ صید افگنی کے حد سے زیادہ شائق و حریص ہیں۔

شکار کے لئے ایک عالم کو پریشان و سرگرداں کرنا اچھا شغل نہیں ہے اور ایک

بے زبان جان دار کو بلا کسی ضرورت کے بے جان کرنا زیبا نہیں ہے۔
شکار اُسی قدر کرنا جائز ہے جس قدر کہ ضرورت ہو، بے حاجت جانوروں کو شکار کرنا مصلحت نہیں ہے۔
اس موقع پر فیروز شاہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس مشغلے سے باز رکھے۔
حضرت شیخ نے بادشاہ کے جواب میں فرمایا "سبحان اللہ ہماری دعا کا منکر ہوا" اور اس کے بعد بلند معنیٰ کلمات فرمائے۔
حضرت شیخ نے مکرر یہ فرمایا کہ "ہماری دعا کا منکر، یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کرلی ہے"۔
جناب شیخ نے یہ فرمایا اور فوراً مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔
فیروز شاہ اس مقام سے واپس ہوا اور حضرت شیخ مسجد میں داخل ہوئے۔
بادشاہ لشکر گاہ کو واپس آیا اور نماز جمعہ کے لئے حصار شہر کی مسجد میں داخل ہوا۔
فیروز شاہ ملوک خانے میں بیٹھا اور حضرت شیخ علیحدہ مقام پر رونق افروز ہوئے جو حضرت کے اسلاف کرام کے لئے ہمیشہ کے لئے مخصوص ہے۔
بادشاہ نے ملوک خانے سے حضرت کو دیکھا اور ایک استری لبادہ جس میں سیاہ و لال دھاریاں تھیں حضرت کے لئے بطور تحفہ روانہ کیا۔
اُس زمانے میں حضرت کے فرزند رشید شیخ الاسلام قطب الانام برگزیدۂ حضرت علام شیخ نور الحق والشرع والدین، اس مؤرخ ضعیف کے پیر و مرشد نے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا کہ بادشاہ نے حضرت کے لئے ایک لبادہ روانہ کیا ہے۔
جناب شیخ نے دریافت کیا کہ لبادے کا کپڑا شرعاً مباح ہے یا حرام، اور آپ سے عرض کیا گیا کہ کپڑا غیر مشروع ہے۔ جناب شیخ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ، اگر اس کپڑے کا پہننا حرام ہے تو یہ لبادہ فقیر کے کس کام کا ہے۔
حضرت شیخ منور نماز سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور حضرت بندگی نور الحق کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ فعل بادشاہ کو ناگوار نہ ہو۔
حضرت بندگی نور الحق نے دو اشخاص کو لبادے کی ہر دو آستین ہاتھ میں دے کر حکم دیا جب تک کہ جناب شیخ مسجد سے باہر آئیں، حضرت شیخ کے عقب میں راہ طے کریں، اس لئے

کہ بادشاہ ملوک خانے سے برابر دیکھ رہا تھا۔
یہ اشخاص لبادہ ہاتھ میں لے کر حضرت شیخ منوّر کے عقب میں روانہ ہوئے۔
بادشاہ نے اس منظر کو دیکھتے ہی اپنے ملازمین روانہ کیے اور الفاظ معذرت میں مخدوم زادے کو پیغام دیا کہ اگر حضرت شیخ لبادے کو غیر مشروع خیال فرما کر اُس کے پہننے سے انکار فرماتے ہیں تو اُن کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے۔
یہ حضرات دین کے بادشاہ ہیں غیر مشروع لباس کیونکر پہن سکتے ہیں۔
سبحان اللہ ہانسی میں کس قدر پاکیزہ نفوس بزرگان دین اور اُن کی اولاد امجاد آرام فرما ہیں جن کے قدوم کی برکت سے خلائق شہر مغلوں کی غارت گری سے محفوظ ہے۔
اگر خدا نے چاہا تو اہل ہانسی کے اس آفت سے محفوظ رہنے کی تفصیل مناسب موقع پر معرض تحریر میں آئے گی اس لئے کہ مؤرخ عفیف نے اس تاریخ کی تالیف میں ایک مقصد یہ بھی ملحوظ رکھا ہے۔

بارھواں باب ۱۲

شیخ نصیر الدین کی شیخ قطب الدین سے ملاقات

سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے ہمراہ ٹھٹھ لے گیا تھا۔ سلطان محمد نے ٹھٹھ میں وفات پائی اور فیروز شاہ اُن کی بجائے تخت حکومت پر متمکن ہوا اور حضرت چراغ دہلوی بادشاہ کے ہمراہ واپس ہوئے۔
حضرت شیخ نصیر الدین ہانسی پہنچے اور بندگی شیخ قطب الدین منوّر سے ملاقات کرنے اُن کی خانقاہ کو تشریف لے گئے۔
واضح ہو کہ یہ ہر دو بزرگوار حضرت شیخ الاسلام نظام الدین محبوب الٰہی کے مُرید و خلیفہ ہیں اور ایک ہی روز حضرت شیخ نے ہر دو بزرگ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا ہے۔
منصب ارشاد عطا فرمانے کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے ان دونوں بزرگوں سے

فرمایا کہ تم دونوں کو مثل دینی بھائیوں اور نیک اندیش دوستوں کے بغلگیر ہونا چاہئے اور باہم نہایت محبت و اُلفت کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ پیرو مرشد کے فرمان کے مطابق دونوں بزرگو دں نے برادران جانی و دوستان دو جہانی کی طرح اس عالم فانی میں سلوک کیا۔

ان ں بزرگواروں کی محبت اس درجہ ترقی کر گئی تھی کہ اگر کوئی طالب ارادت ہانسی کو جاتا او حضرت شیخ قطب الدین منوّر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضرت شیخ اُس سے دریافت فرماتے کہ تم کو کس بزرگ سے ارادت ہے۔

اگر یہ شخص عرض کرتا کہ میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا مُرید ہوں تو حضرت قطب الدین منوّر اُس شخص سے فرماتے کہ آؤ اور میرے قریب بیٹھو اس لئے کہ تم میرے برادر زادے ہو، اور حضرت اُس شخص پر بے حد نوازش و کرم فرماتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے دہلی حاضر ہوتا اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی قدمبوسی کو حاضر ہوتا تو حضرت شیخ دریافت فرماتے کہ یہ شخص ں بزرگ سے ارادت رکھتا ہے اور اگر وہ جواب میں عرض کرتا کہ حضرت شیخ قطب الد منوّر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہے تو حضرت شیخ اُس شخص پر بیحد عنایت فرماتے اور اُس غوش شفقت میں لے کر مہربانی فرماتے اور اُس کو اپنی خانقاہ میں رہنے کی اجازت د تھے۔

اگر یہ مورخ عفیف جو بزرگان دین کا خادم و کفش بردار ہے ان دونوں بزرگوار کے اتحاد و موافقت کو تفصیل سے بیان کرے تو اُس کے لئے ایک جداگانہ دفتر درکار ہوگا۔

مختصر یہ کہ ان دونوں بزرگوار کا آخری وقت آچکا تھا اس لئے حضرت شیخ نصیر الدین محمود ہانسی پہنچے تو حضرت قطب الدین منوّر کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔

حضرت قطب الدین منوّر کو جب معلوم ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے روبرو آگئے ہیں تو شیخ منوّر برہنہ پا دوڑے اور شیخ نصیر الدین سے ملاقات کی۔

دونوں بزرگ باہم بغل گیر ہوئے اور شیخ قطب الدین نے اپنا ہاتھ حضرت نصیر الدین کے قدموں کی طرف بڑھایا اور حضرت نصیر الدین محمود نے شیخ قطب الدین منوّر کے قدم لینے کا ارادہ کیا۔

غرضکہ ایک لمحے تک دونوں بزرگ تواضع میں مصروف ہوئے اور اس کے بعد

بے حد محبّت و اتحاد کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر خانقاہ میں تشریف لائے۔

دونوں بزرگ ایک ہی مقام پر رونق افروز ہوئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کو یاد کرکے بے حد روئے۔

اس کے بعد غیب سے قوال پہنچ گئے اور دونوں بزرگوار سماع میں منہمک ہو گئے۔

چند روز دونوں مجلس سماع میں تشریف فرما رہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی طرح مجلس سماع میں کسی شخص کو یہ مراتب عالیہ بہت کم عطا ہوئے ہوں گے۔

اِس معاملے میں حضرت شیخ کمال الدین ہانسویؒ حضرت قطب الدین منوّر کے جدامجد نے فرمایا ہے ؎

بر تارک دل سماع چوں تاج بود　　بر دوشش دل حزیں دیباج بود

غرضکہ دونوں بزرگوار سماع سے فارغ ہوئے اور عالم سُکر سے مقامِ صحو میں نزول فرمایا۔

ظاہر ہے کہ علمائے شریعت و بزرگان طریقت میں سماع کے مسئلے میں بیحد اختلاف ہے، لیکن صحیح قول یہی ہے جس پر سب کو اتفاق ہے کہ السماع مباح لاھلہ لیکن مرتبۂ اہلیت میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت شیخ کمال الدین ہانسوی فرماتے ہیں۔ ؎

تا حکم سماع را بدانی در حال　　در حرمت وحل اگر سخن گفت جمال

ارباب نفوس را حرام ست حرام　　اربابِ قلوب را حلال ست حلال

سماع سے فارغ ہونے کے بعد نماز عصر کا وقت آیا اور اذان کی آواز بلند ہوئی۔

عصر کی سنّت نماز سے فارغ ہوکر حضرت شیخ قطب الدین منوّر سے جو اہل مکنت وولایت تھے، طالب جنّت یعنی شیخ نصیر الدین محمود کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ آپ کو امامتِ نماز کرنی چاہیئے

حضرت شیخ نصیر الدین نے جناب قطب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ امامت آپ کو زیبا ہے۔

غرضکہ قلیل مدّت تک ان دونوں بزرگوں میں امامت نماز کے لئے لطیف گفتگو ہوئی اور اس کے بعد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا کہ اگرچہ ہمارے پیر و مرشد حضرت نظام الدین محبوب الٰہی نے ہم برادرانِ طریقت کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا فرمایا ہے، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت عطا کی اور مجھ کو نماز ظہر کے وقت اس شرف سے سرفراز فرمایا۔

چونکہ حضرت شیخ نے خود خرقۂ خلافت عطا فرمانے میں ایک قسم کا فرق مراتب پیدا فرما دیا ہے، اس لئے امامت کے لئے آپ ہی کو سبقت کرنی چاہیئے۔

پیر و مرشد کا حوالہ سُن کر شیخ قطب الدین منوّر امامت کے لئے آگے بڑھے۔ سبحان اللہ کیا مبارک وقت تھا۔ جب یہ دونوں عارفان حق ایک جا جمع ہوئے، گویا فرش زمین پر قران السعدین ہوا تھا۔ ادائے نماز کے بعد دونوں بزرگ جُدا ہوئے اور وداع آخری کر کے اپنے مقام عبادت گاہ کو واپس آئے اور یہیں آرام فرما ہوئے۔

غرضکہ چند روز کے بعد ان بزرگان دین نے رحلت فرمائی۔

اوّل حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ رمضان المبارک کو رحلت فرمائی اور اس کے بعد حضرت قطب الدین منوّر نے اٹھائیس ذی قعدہ کو روضۂ رضواں کی راہ لی۔

دونوں بزرگان دین کے وصال میں صرف دو ماہ اور چند روز کا فرق رہا۔

ظاہر ہے کہ تمام عالم طلب دُنیا میں عمر بسر کرتا ہے یا طلب آخرت میں، لیکن اہل محبت طالب دوست ہیں اور اس سعی و کوشش میں جان دیتے اور سر فروشی کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اس قدر محنت شدید کے اپنی ذاتی استعداد و قابلیت پر لحاظ کر کے ہر وقت اُن کے دل دوست کی ملاقات و وصال سے نا امید رہتے نہیں۔

مورّخ عفیف ان بزرگان دین کے حالات لکھ کر اپنے اصل مقصد کی طرف توجہ کرتا ہے۔

تیرھواں باب ۱۳

دھلی میں آمد

فیروز شاہ دہلی وارد ہوا اور شہر میں ہر طرف طبل شادیانہ بجے اور تمام شہر آراستہ کیا گیا اور ہر قسم کے نفیس و لطیف کپڑے آویزاں ہوئے اور قبّے بنائے گئے۔

غرضکہ تمام شہر آئین شاہی کے مطابق آراستہ کیا گیا

معتبر روایت ہے کہ تمام شہر میں چھ قبّے بنائے گئے تھے اس لئے کہ شہر فیروز آباد

اُس وقت تک آباد نہ ہوا تھا۔ ہر قبّے کے نیچے ایک روز مجلس جشن منعقد رہی اور ہر قبّے پر ایک لاکھ تنگے صرف ہوئے

مجلس جشن عام تھی اور طعام و شربت و پھول بے حد کثرت کے ساتھ مہیا اور ہر شخص کے لئے عام تھے۔ تمام شہروں سے مخلوق قبّوں کو دیکھنے جمع ہوئی۔

ایام جشن میں جو شخص تماشے کے لئے دہلی آتا تھا اُس پر شاہی نوازش ہوتی تھی۔
بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر تماشاہی اپنی خواہش کے مطابق خوان نعمت سے سرفراز کیا جائے۔
قبّے لکڑی کے بنائے گئے تھے جو بے حد بلند تھے اور جن کی پوشش لکڑیوں کی تھی۔
قبّوں میں ہر رنگ کے کپڑے لپیٹے گئے تھے اور ہر قبّے کے نیچے مجلس رقص و سرود گرم تھی۔
غرضکہ فیروز شاہ کے عہد معدلت میں اکیس روز تمام خلائق شہر نے عیش و نشاط میں بسر کیا۔
سبحان اللہ یہ فرمانروا بھی کس قدر مقبول و برگزیدۂ الٰہی تھا کہ اُس کے عہد حکومت میں عالم میں اس درجہ خوشی و خرّمی کا دور دورہ ہوا۔
غرضکہ فیروز شاہ کے دہلی آنے سے اور فتحمند و بامراد ہونے سے تمام خلقت خدا خوش و خرّم ہوئی۔
ہر شخص عیش و نشاط کے قصر میں بیٹھا اور نشاط انگیز بادۂ خوش گوار کا دور ہر مجلس میں چلنے لگا
تمام شہر میں خوشی و خرّمی کا بول بالا ہوا اور ہر فرد مسرّت و نشاط کے ترانے گانے لگا۔

چودھواں باب ۱۴

اہل دہلی کو انعام و اکرام سے سرفراز کرنا

روایت ہے کہ فیروز شاہ ساعت سعید و یوم مبارک میں شہر دہلی میں داخل ہوا۔
بادشاہ نے اپنے دست کرم سے تمام مخلوق کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔
خلائق دہلی جو قحط و وبا کی وجہ سے بے حد پریشان ہو چکے تھے اور غلّہ و پارچہ کی کمی سے بے انتہا تکلیف و مصیبت کے عالم میں تھے، بادشاہ کی اس داد و دہش سے مطمئن و مسرور ہوئے۔

فیروز شاہ نے تمام عالم پر جس میں شریف و اعلیٰ طبقہ، آزاد و غلام، تمام اشخاص داخل ہیں، ابر باراں کی طرح گہر باری کی۔

تمام عالم بوستان بن گیا اور بادشاہ نے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرمائے۔

بادشاہ نے ہر شخص کو اُس کی التماس و خواہش سے دُگنی رقم عطا فرمائی اور حقیقت یہی ہے کہ اس قسم کے فعل کو عطائے جزیل کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ عطائے جزیل اُس انعام کو کہتے ہیں کہ جس شخص کو عطیہ عنایت ہو وہ اس کے اُٹھانے سے عاجز ہو۔

فیروز شاہ کے عطیہ و احسان اس حد کو پہنچ گئے کہ جو رقم قدیم بادشاہوں کے عہد میں رعایا کے دوش پر بار تھی اُس سے مخلوق قطعاً سبکدوش ہو گئی۔

جو محاصل کہ رعایا کے ذمّے واجب الادا تھے فیروز شاہ نے وہ بھی معاف فرما دیئے، اور رعیت پر بے حد نوازش فرمائی، چنانچہ تمام رعیّت و مخلوق نے رفاہ و آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کی۔

فیروز شاہ نے گزشتہ افراد کے رسوم و قانون قطعاً منسوخ کر دیئے اور غریب و مسافر و مقیم ہر طبقہ آسودہ و خوش حال ہوا اور تمام جہان میں از سر نو تازگی پیدا ہوئی۔

اس زمانے میں خواجہ فخر شادی مجموعہ دار اعیان جنگ و وزیر تھا۔

سلطان محمد نے اپنی حیات میں دولت آباد سے آنے کے بعد ممالک دہلی کو آباد کرنے کے لیئے دو کروڑ مال بطور سوندھا خلائق دہلی کو عطا کیئے تھے۔

اس عطیّہ کا مقصود یہ تھا کہ وہ قصبات و قریات جو قحط کے زمانے میں خراب و ویران ہو گئے ہیں، آباد و معمور کیئے جائیں۔

اس کی مفصل کیفیت مورخ عفیف سلطان محمد کے حالات میں ہدیۂ ناظرین کر چکا ہے۔ لیکن وہ تمام مال رعایا کے پاس باقی تھا۔ اس کے ساتھ خواجہ جہاں نے سلطان محمد کی وفات کے بعد جدید نوکر رکھے اور اہل دہلی روپے کی طمع میں اُس کے گرد جمع ہو گئے۔

خواجۂ جہاں نے بھی بیشمار جواہر و الماس خلق کو تقسیم کیئے۔

یہ تمام جواہرات و رقم سوندھار خواجہ فخر شادی کے دفتر میں مختلف جماعت کے نام مندرج تھے۔

خواجہ فخر شادی نے یہ تمام رقوم خزانے سے برآمد کر کے فیروز شاہ کے حضور میں پیش کیں۔

اس موقع پر بادشاہ کو تعجب ہوا اور اُس نے خان جہاں یعنی قوام الملک سے یہ راز بیان کیا۔

بادشاہ نے جواہر و رقم سوندھار خان جہاں کو دے کر اس کی بابت سوال کیا کہ آیا یہ چیزیں رعایا سے طلب کر لی جائیں؟ اس موقع پر قوام الملک نے کیا خوب جواب دیا اور عرض کیا کہ جب ایک بادشاہ صاحب شوکت دُنیا سے رحلت فرماتا ہے اور اسکی بجائے دوسرا فرماں روا تخت حکومت پر جلوس کرتا ہے تو یہ جدید حکمراں اپنی عطا و کرم سے خاص دعام کو فیضیاب کرتا اور صغیرہ و کبیرہ گناہ خلق کے معاف فرماتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی خیانت کی وجہ سے جلاوطن کر دیا جاتا ہے تو اس شخص کو باز دگر وطن میں آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قدیم حکم منسوخ کر دیئے گئے۔

چونکہ سلطان محمد نے مصلحت وقت کے لحاظ سے سوندھار میں مال خلقت کو عطا کیا اور خواجۂ جہاں نے محض اپنی ذاتی غرض کی بنا پر خلائق کو جواہر تقسیم کیئے ایسی حالت میں اس قسم کے مال کا رعایا سے طلب کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے رعایا فقیر و بے نوا ہو جائے گی اور گداگری کی وجہ سے اُن کی کمر ٹوٹ جائے گی اور حد سے زیادہ حیرانی کی وجہ سے خانہ خراب ہو کر آوارہ وطن ہو جائیں گے۔

ان جواہرات و رقم میں سے ایک دانگ بھی بغیر مداخلت و بدنامی کے حاصل نہیں ہوسکتا، ایسی حالت میں اس رقم و جواہر کے طلب کی ابتدا کرنا مصلحت سے قطعاً بعید ہے۔

قوام الملک نے مثل ناصحان شفیق کے یہ گفتگو بادشاہ کے روبرو کی اور فیروز شاہ کو یہ تقریر سُن کر قلبی مسرّت حاصل ہوئی۔

قوام الملک نے یہ بھی عرض کیا کہ یہ تمام دفاتر سوندھار و جواہر بے شمار بادشاہی دربار کے روبرو مخلوق کو بخش دیئے جائیں اور یہ رقم معاف فرمائی جائے تاکہ مخلوق کے قلب سے خوف و حزن دور ہو۔

سبحان اللہ کیسا خوش کردار فرماں روا تھا اور کیسا خوش گفتار وزیر تھا۔

مختصر یہ کہ تمام دفاتر مال وجواہر بے شمار دربار شاہی کے روبرو خلائق معاف کیے گئے۔
اسی روز سلطان فیروز شاہ نے قوام الملک کو سند عطا کی اور چتر کے عطیے سے سرفراز فرما کر وزیر کل مقرر کیا۔
فیروز شاہ نے محصول بندی کا آغاز کیا اور بندگی خواجہ حسام الدین جنیدی رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت پر مامور ہوئے۔
بندگی مذکور نے چھ سال کامل تک تمام بلاد میں گشت لگائی اور محصول بندی کی خدمت انجام دی۔
غرضکہ چھ کروڑ پچھتر لاکھ تنگے تمام مملکت کی جمع قرار پائی۔
فیروز شاہ کے چہل سالہ عہد حکومت میں دہلی کی جمع یہی برقرار رہی۔

پندرھواں باب ۱۵

جدید قوانین نافذ کرنا

فیروز شاہ نے خلقت کو بے شمار وجہ معاش عطا فرمائی اور اس فریضے کو انجام دینے کے لئے دست احسان اس قدر دراز کیا کہ تمام خلق خدا کو اطمینان نصیب ہوا۔
ایک عالم اس طمع کا بندہ ہو کر بادشاہ کے گرد جمع ہو گیا۔
فیروز شاہ نے بعض اشخاص کو دس ہزار اور بعض کو پانچ ہزار تنگے اور بعض کو دو ہزار غرض کہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق وظائف عطا فرمائے۔
بادشاہ نے تمام حشم ولشکر کو تنخواہ دار مقرر کیا۔
یہ وضع بھی خاص طور پر فیروز شاہ کے لیے مخصوص تھی جو ہندوستان میں اُس کے نام کو تازہ کرتی ہے اس لئے کہ قدیم سلاطین وفرماں روایان دہلی کے عہد حکومت میں یہ قانون نہ تھا۔
کوئی موضع تنخواہ کی مد میں نہ دیا جاتا تھا اور اس راز سے کہ موضع کا عطا کرنا رائج نہ تھا،

کسی شخص کو بھی آگاہ نہیں کیا جاتا تھا۔

معتبر راویوں نے اس مورخ عفیف سے یہ نقل بیان کی ہے کہ سلطان علاء الدین نے بارہا اس معاملے میں یہی فرمایا ہے کہ تنخواہ کی مد میں مواضعات نہ دینے چاہئیں، اس لئے کہ ہر موضع میں تقریباً دو سو تین سو افراد آباد ہوتے ہیں اور اس طرح یہ تمام افراد ایک وجہ دار کے ماتحت ہو جائیں گے۔

اگر اس قسم کے چند وجہ دار غرور و فسق و فجور کی وجہ سے ایک جا جمع ہو جائیں اور کسی خیال پر متفق ہوں تو اندیشہ ہے کہ اُن کے قلوب میں فتنہ و فساد کا خیال پیدا ہو جائے گا۔

یہی وجہ تھی کہ سلطان علاء الدین نے کسی فرد کو بھی مد تنخواہ میں موضع نہیں عطا کیا، بلکہ لشکر کو ہر سال خزانہ شاہی سے رقم تنخواہ عطا کی جاتی تھی۔

فیروز شاہ کا عہد حکومت آیا اور چونکہ یہ فرماں روا اولیاء اللہ میں داخل تھا، اس بادشاہ نے چالیس سال کامل مُلک پر حکومت کی اور تمام خلقت کو اپنے انعام و احسان سے شاد و مطمئن کیا۔

بادشاہ نے اس قسم کے تمام خطرات دل سے دور کر کے خدا کے رحم و کرم پر تکیہ کیا اور مسلمانوں کے نفع رسانی کے لئے تمام قریات و قصبات لشکر کو مد تنخواہ میں تقسیم کر دیئے۔

چونکہ بادشاہ دل و جان سے خدا کا بندۂ مقرب تھا، اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کامل اُس کے قصر دولت کو مستحکم و برقرار رکھا اور اسی کے انوار سے مُلک روشن و منور ہو گیا۔

بادشاہ نے اس قاعدے کی بنا پر مُلک کو اہل حشم میں تقسیم کر کے دوسرا آئین مرتب کیا اور وہ یہ کہ اگر اہل حشم میں کوئی شخص فوت ہو تو اس کی وجہ معاش اُس کے فرزند پر منتقل کیا جائے اور اگر اولاد نرینہ نہ ہو تو داماد وارث ہو۔ اگر فرزند و داماد دونوں موجود نہوں تو میّت کا غلام اُس کا وارث تسلیم کیا جائے۔ اگر متوفی غلام بھی نہ رکھتا ہو تو اُس کے دیگر اعزہ کو میراث پہنچے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مستورات میّت وارث قرار پائیں۔

بہر نوع فیروز شاہ کے چہل سالہ دور حکومت میں ہر شخص مطمئن و خوش حال رہا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز نبسۂ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ یعنی شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے اور وجہ معاش وغیرہ کا ذکر ہو رہا تھا۔

اس موقع پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ رحلت کے وقت بندۂ مومن کے قلب پر درد رنج و الم

طاری ہوتے ہیں، ایک اندوہ دینی اور دوسرا رنج دُنیاوی۔
اندیشۂ دینی سے یہ مُراد ہے کہ آخر وقت بندۂ مومن اپنی خصلت و کیفیت کے مطابق رنج وغم میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایسے نازک وقت میں اُس کو نجات کی بشارت ہوتی ہے یا عذاب آخرت کی، اس لیے کہ کسی شخص کو حسن خاتمہ کی خبر نہیں ہے اور بہ خبر انبیا علیہم السلام و نیز عشرۂ مبشرہ کے کوئی فرد عصمت ایمان کا مرتبہ نہیں رکھتا۔
دوسرا اندوہ جو بندۂ مومن کے قلب پر طاری ہوتا ہے وہ دنیاوی رنج والم ہے۔ ہر شخص سکرات کے عالم میں اسی فکر و الم میں مبتلا ہوتا ہے کہ اُس کے بعد اُس کے زن و فرزند و خرد سال بچے کس عالم میں زندگی بسر کریں گے۔
جہاں پناہ نے اپنے عہد معدلت میں ہر مومن کو دُنیاوی فکر و رنج سے نجات دے دی ہے یعنی یہ کہ بادشاہ نے یہ حکم صادر فرمادیا ہے کہ اہل حشم میں جو شخص وفات پائے اُس کی وجہ معاش وارثاں پر منتقل کردی جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کی وجہ معاش ہر حال میں اُس کے لیے برقرار رہے۔
جہاں پناہ کا یہ فعل بے حد معنی خیز و احسن ہے اور اس حکم میں مخلوق کے لیے بے حد فوائد اور خود حضرت کے لئے بیشمار ثواب ہیں اس لیے کہ جب جہاں پناہ نے جو مخلوق کا درجہ رکھتے ہیں، بندۂ مومن کے قلب کو دُنیاوی رنج وغم سے نجات دلوادی تو پروردگار عالم جو خالق مطلق ہے اور جس کا رحم و کرم بے شمار و لامحدود ہے، بندے کو دینی فکر سے بھی مطمئن فرمادے گا اور ایماں کی سلامتی کے ساتھ دار السلام میں جگہ دے گا۔
اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو ایمان نصیب کرے۔
غرضکہ جس روز کہ شیخ الاسلام نے الہام ربانی سے مستفید ہو کر بادشاہ دیں پناہ سے یہ تقریر فرمائی اور اس طرح کے نصائح کیے تو تمام حاضرین دربار نے سر بسجدہ ہو کر دعا مانگی۔
اس موقع پر خود فیروز شاہ نے چشم پُر آب ہو کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ شیخ الاسلام! آپ کو معلوم ہے کہ قدیم سلاطین نے صرف چند روز دُنیا میں حکمرانی کی اور اس کے بعد دنیا سے چل بسے، ہم بھی ایک روز جہان فانی سے سفر کر جائیں گے۔ بادشاہ نے یہ کہا اور مندرجۂ ذیل شعر فرمایا:۔

چوں بزم ملیہیی خالی زما گوئی روزے دریں محلت غوغا زدے حسابی

سولھواں باب ۱۶

رعایا پر نوازش

نقل ہے کہ فیروز شاہ کو خدا کی توفیق و امداد سے رعیت پروری کا بے حد خیال تھا بادشاہ نے اس بات کی بیحد کوشش کی اس لئے کہ قدیم سلاطین کے عہد میں بے شمار قوانین جاری تھے جن کی عدم خوبی سے تمام ممالک کی رعایا اور خلقت خدا ہلاک و تباہ ہوتی تھی۔

بعض معتبر راویوں نے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ قدیم سلاطین کے عہد میں رعیت کے لئے یہ قاعدہ مقرر تھا کہ اگر ایک عامل رعایا کے لئے ایک مادہ گائے چھوڑ دیتا تھا تو دوسرا اُس کو بھی ضبط کر لیتا تھا۔

سُلطان فیروز شاہ نے اپنے عہد معدلت میں شریعت اسلام کو اپنا راہنما بنا کر رحم و کرم سے کام لیا اور تمام غیر مشروع امور کو قطعاً منسوخ کر دیا۔

بادشاہ نے حکومت کے جائز مطالبات حاصل کرنے کی بھی کمی کر دی۔

فیروز شاہ نے دیوانی کے تمام مطالبات کے وصول کرنے میں یہ قاعدہ جاری فرمایا کہ ایک تنگے کے عوض دو جیتل وصول کئے جائیں۔

اگر کوئی عامل بادشاہ کے مقرر کردہ محصول سے زیادہ وصول کرتا تو اُس کا فوری تدارک کیا جاتا تھا، اگر اسباب و اجناس وغیرہ کارخانوں میں خرید کئے جاتے تھے تو انصاف و عدل کے قوانین کا لحاظ کر کے اُن کو قیمت واجبی و کامل ادا کی جاتی تھی۔

اہل بازار بیحد خوش تھے اور جس مقام پر بھی عمدہ اسباب و نفیس اشیا موجود ہوتیں اُن کو کارخانوں کے لئے فراہم کر لیتے تھے۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر نرخ میں بے اعتدالی پیدا ہو اور مال ایک ہی وقت میں خریدار کے حوالے کریں تو ہر شخص مطمئن و شاد ہو۔

سلطان فیروز شاہ محض خدا کے خوف سے عمّال پر تاکید کرتا تھا کہ کسی شخص پر طمع و حرص

کی وجہ سے جبر و ظلم نہ ہونے پائے۔ بادشاہ کی اس تاکید و حکم سے رعایا کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ہر شخص آسودہ و مطمئن ہو گیا۔

رعایائے سلطنت میں اس درجہ اضافہ ہوا اور آبادی میں اس قدر ترقی ہوئی کہ ہر قطعہ اور ہر ملک اور ہر پرگنے میں ہر چار کوس پر ایک گاؤں آباد ہو گیا۔

رعایا کے مکان میں اس قدر غلّہ و مال و اسپ و اسباب فراہم ہو گئے کہ ان کی تفصیل حدّ بیان سے باہر ہے۔ ہر شخص کے پاس زر و نقرہ بے شمار جمع ہو گیا۔ حد یہ کہ رعایا میں کوئی عورت بھی بغیر زیور کے نظر نہ آتی تھی۔

ہر رعایا کے مکان میں پاکیزہ بستر و عمدہ پلنگ غرض بے شمار اسباب راحت و مال موجود تھا ہر شخص کثیر مال و اسباب کا مالک ہوا اور تمام مملکت دہلی کا ہر فرد خدا کے فضل و کرم سے ہنسی و خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔

سترھواں باب[۱۷]

خسرو ملک اور خداوندزادہ کی غدّاری

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ خدا کی مدد و عنایت سے شہر دہلی میں استحکامِ حکومت و آئین سیاست کے نافذ کرنے میں مشغول تھا۔

خداوندزادہ دختر سلطان تغلق و خسرو ملک، اُس کا پسر اور داور ملک اس کا شوہر تینوں افراد حرم شاہی میں خوش و مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔

فیروز شاہ نے یہ قاعدہ مقرّر کیا تھا کہ ہر جمعے کو نماز کے بعد خاص طور پر خداوندزادہ سے ملاقات کرنے کے لئے جاتا تھا۔

فیروز شاہ جب خداوندزادہ کو دیکھتا تو بے حد تواضع و تعجیل کے ساتھ کھڑا ہو جاتا اور اُس کی خدمت گزاری کرتا تھا۔ فیروز شاہ اور خداوندزادہ دونوں اراکین شاہی جامہ خانے میں بیٹھتے تھے اور داور ملک خداوندزادہ کے پسِ پشت بیٹھتا۔

قاعدہ تھا کہ اس طریقۂ نشست کے بعد باہم دگر قدرے گفتگو ہوتی اور اس کے بعد خداوندزادہ فیروز شاہ کو پان دیتا اور اس کے بعد بادشاہ رخصت ہوتا تھا۔

فیروز شاہ کا قاعدہ تھا کہ ہر جمعے کو اس طرح خداوندزادہ سے ملاقات کرتا اور اتحاد و محبت کی گفتگو کے بعد واپس ہوتا تھا۔

چونکہ انسان کی سرشت میں حسد کا مادہ موجود ہے خسرو ملک اور خداوندزادہ نے بادشاہ کے خلاف سازش کی اور یہ طے کیا کہ اب باطنی عداوت کو ظاہر کریں۔

خداوندزادہ و خسرو ملک دونوں نے بادشاہ کے قتل کرنے پر کمر ہمت باندھی۔

اس مقام پر ایک سقف خانہ تھا جس کے پہلو میں دو حجرے بھی تھے۔

خسرو ملک نے ان حجروں اور سقف خانہ میں چند افراد زرہ پوش جو سر سے پاؤں تک زرہ باندھے ہوئے تھے۔ خفیہ طور پر چھپا دیئے اور ان افراد سے وعدہ لیا کہ جس وقت خداوندزادہ اشارہ کرے، یہ زرہ پوش گروہ باہر آ کر فیروز شاہ پر تیغ زنی کرے اور اس کا سر تن سے جدا کر دے۔

بے وفا خسرو ملک نے چند افراد زرہ پوش دروازوں کے تختے کے عقب میں بھی چھپا دیئے کہ اگر بادشاہ اندرون خانہ سے سلامت نکل کر باہر جائے تو یہ اشخاص دروازے پر بادشاہ کا کام تمام کر دیں۔

خسرو ملک نے ان افراد کو یہ فہمائش کر دی کہ بادشاہ کے دروازے سے برآمد ہوتے ہی یہ گروہ برق کی طرح فیروز شاہ پر گر پڑے اور اس کا سر تن سے جدا کر دے۔

غرضکہ اس قرارداد کے موافق خسرو ملک اور خداوندزادہ اپنے کام میں مصروف ہوئے اور فیروز شاہ نے نماز جمعہ کے بعد حسب دستور خداوندزادہ سے ملاقات کی۔

ملاقات کے بعد فیروز شاہ اور خداوندزادہ سقف خانہ سے نیچے اترے اور حسب قاعدہ داور ملک بادشاہ کے عقب میں بیٹھا۔

معتبر راویوں نے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ خسرو ملک، داور ملک کے صلب سے نہ تھا بلکہ خداوندزادہ کے دوسرے شوہر کا نطفہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ داور ملک اس غداری و مکاری سے پرہیز کرتا تھا۔

غرضکہ اس موقع پر داور ملک سعید ازلی نے بادشاہ کو دیکھتے ہی حیرت سے انگلی دانت

کے نیچے دبائی اور آنکھوں سے اس امر کا اشارہ کیا کہ اس مقام سے جلد چلا جانا اور دربار آراستہ کرنا مناسب ہے۔ غرضیکہ فیروز شاہ الہام الٰہی سے اُسی وقت کھڑا ہو گیا۔

ہرچند خداوندزادہ نے اصرار کیا کہ پان آنے تک توقف کرنا لازم ہے۔ لیکن بادشاہ نے یہ جواب دے کر "فتح خاں کا مزاج ناساز ہے میں نہیں رُک سکتا، انشاءاللہ روز دیگر آؤں گا اور دیر تک بیٹھ کر کلمہ و کلام کروں گا" جلد سے جلد واپس ہوا۔

فیروز شاہ خداوندزادہ کے مکان سے صحیح وسالم واپس آیا اور زرہ پوش گروہ جو پہلو کے حجروں میں پنہاں تھا اس گفتگو سے قطعاً بے خبر رہا۔

فیروز شاہ صحیح وسالم مکان سے باہر آ گیا اور وہ گروہ جو دروازے کے تختوں کے عقب میں پنہاں اور بادشاہ کے مکان میں داخل ہونے سے آگاہ تھا، فیروز شاہ کے باہر نکل آنے سے واقف نہ ہوا اور فیروز شاہ خدا کے لطف وکرم سے صحیح وسالم خداوندزادہ کے مکان سے باہر نکل آیا۔

بادشاہ ان بدبختوں کے مکان سے صحیح وسالم باہر آ گیا اور بآوازِ بلند ہر ہی خواہ کو طلب کیا۔ چونکہ یہ جمعے کا دن تھا ملوک و امراء میں ہر شخص اپنے مکان کو واپس جا چکا تھا اُس وقت رائے بھیرو بھٹی حاضر تھا اور فیروز شاہ نے شاہانہ آواز میں اُس سے کہا کہ بھیرو، جو تلوار تیرے ہاتھ میں ہے مجھ کو دے۔

بھیرو نے عرض کیا کہ "خداوندِ عالم تشریف لے چلیں، فدوی تیغ کشیدہ حضرت کے عقب میں آئے گا" اور حضرت شاہ بدولت واقبال قصرِ شاہی کو روانہ ہوں"۔

فیروز شاہ نے یہ معروضہ قبول نہ کیا اور بھیرو کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور تلوار کو نیام سے نکالا۔ قصر کے درمیان پہنچ کر سلطان محمد کی حرم کے ہمراہ قصر کے بالائی حصے میں پہنچ گیا۔

بادشاہ نے اُسی وقت تمام ملوک وخوانین کو طلب کیا۔

ان امیروں نے خسرو ملک وخداوندزادہ کے مکان کو گھیر لیا اور زرہ پوش گروہ کو بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔

اس جماعت سے حقیقت حال کا استفسار کیا گیا اور اُنھوں نے ہر شے کو تفصیل وار بیان کر دیا۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے ان زرہ پوشوں سے سوال کیا کہ تم کو میرے حال سے واقفیت ہوئی تھی یا نہیں۔ اس جماعت نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل و چشم پر پردے ڈال دیئے، ہم کو بادشاہ کے مکان میں داخل ہونے کا تو حال معلوم ہے لیکن حضرت کے باہر تشریف لانے سے ہم قطعاً بے خبر رہے۔

غرضکہ اس واقعے کے ثبوت کے بعد سلطان فیروز شاہ نے خداوندزادہ کا وظیفہ مقرر کر کے اُس کو گوشہ نشین ہونے کا حکم دیا۔

خداوندزادہ کے قبضے میں بے شمار مال تھا جو تمام و کمال ضبط کر کے خزانۂ شاہی میں داخل کیا گیا۔

واضح ہو کہ خسرو ملک نے اسی خزانے کی قوت پر بادشاہ کے مقابلے میں غداری کا ارادہ کیا تھا۔

خسرو ملک جلاوطن کیا گیا اور قانون جہانداری و روش شہریاری کی بنا پر داور ملک کی بابت حکم ہوا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ بارانی اوڑھ کر اور کفش پہن کر بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوا کرے۔

یہ امر قطعاً صحیح ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے حفظ و امان میں رکھے اُس کو کس کی طاقت ہے کہ نقصان پہنچائے۔

اٹھارھواں باب

نماز کے خطبے میں قدیم سلاطین کا ذکر

یہ امر تمام مورخین کی رائے میں صحیح و متفق علیہ ہے کہ فیروز شاہ نے چالیس سال کا آئین جہانداری و قوانین شہریاری کو منور و روشن کیا۔

تمام مورخین کو اتفاق ہے کہ سلطان فیروز شاہ پر رسوم تاجداری کا خاتمہ ہوا۔

اس کے علاوہ فیروز شاہ نے آئین فہم و فراست سے اپنے عہد حکومت میں سلاطین قدیم

کے اسمار خطبے میں داخل کئے اور تقریباً چالیس سال اسی پر عملدر آمد ہوتا رہا۔

بادشاہ نے چالیس سال کے عہد حکومت میں اکیس[۲] سکے جو تاجداری کے آثار ہیں اور اکتیس[۳] علامات و آداب جہاں داری کو روشن و منور کیا۔

مؤرخ عفیف جس نے چالیس سال کامل فیروز شاہ کو دیکھا اور جو اکثر اوقات اصحاب دیوان و وزارت کے ہمراہ آداب گاہ میں حاضر ہو کر سعادت مجرئی سے سرفراز ہوا حال و استقبال کے دستور کے لئے اُن سکہ جات و آداب کو تین اقسام میں مفصّل بیان کرتا ہے۔

ذکر اوّل۔ بادشاہ کا سلاطین قدیم کے اسمار کو جمعہ و عیدین میں اختیار کرنا

یہ امر زمانۂ قدیم سے مقرر تھا کہ سلاطین دہلی کے عہد میں جمعہ و عیدین کے خطبوں میں صرف فرماں روائے موجودہ کا نام پڑھا جاتا تھا۔

قدیم سلاطین کا ذکر خطبوں میں قطعاً نہ ہوتا اور نہ اُن کے لئے دعا کی جاتی تھی۔

سلطان فیروز شاہ پہلا فرماں روا ہے جس نے خدا کی توفیق و امداد سے اس میں ترمیم کی۔ واضح ہو کہ سلطان فیروز شاہ نے تخت حکومت پر جلوس کیا اور وہ وقت آیا کہ بادشاہ کے نام کا خطبہ جاری ہوا۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ اس کے نام کا خطبہ پڑھنے سے یہ مُراد نہیں ہے کہ قدیم بادشاہوں کا نام خطبے سے نکال دیا جائے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اوّل قدیم سلاطین کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور بعدہٗ اُس کا تذکرہ ہو، جیسا کہ حضرت شیخ سعدی نے گلستاں بوستاں میں ذکر فرمایا ہے کہ اُس شخص کو بزرگ نہیں کہتے جو بزرگوں کا نام عزّت سے نہ لے۔

فیروز شاہ نے تمام سلاطین ماضیہ میں سے جو تخت دہلی پر متمکن ہوئے، اور جن بادشاہوں کے نام خطبے میں اختیار فرمائے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت شہاب الدین محمد بن سام (۲) حضرت سلطان شمس الدین التمش (۳) حضرت سلطان ناصر الدین محمود (۴) حضرت سلطان غیاث الدین بلبن۔ (۵) حضرت سلطان جلال الدین (۶) حضرت سلطان علاء الدین (۷) حضرت سلطان قطب الدین (۸) حضرت سلطان غیاث الدین تغلق (۹) حضرت سلطان محمد تغلق (۱۰) حضرت سلطان فیروز شاہ

فیروز شاہ کے بعد دو بادشاہوں کے نام اور خطبے میں داخل کیئے گئے۔ اوّل سلطان محمد بن فیروز شاہ۔ دوم سلطان علاء الدین سلطان محمد شاہ۔

غرضکہ تمام دور فیروز شاہی میں ان تاجداران نامدار کے اسماء خطبوں میں پڑھے جاتے تھے۔ اور خطیب و شیریں کلام واعظ ان حضرات کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہِ دیں پناہ فیروز شاہ نے الہام الٰہی و فراست و دانائی کی بنا پر وہ کام کیا کہ اس کا نام نیک تا قیامِ قیامت زندہ رہے گا۔

اب مورّخ سکّہ ہائے تاجداران کا حال معرض تحریر میں لاتا ہے۔

ذکر دوّم در بیان سکّہ ہائے سلاطین

تمام جہان و اہلِ جہاں کو معلوم ہے کہ فیروز شاہ نے الہام الٰہی کی بنا پر بمناسبت ملک و طریقۂ جہاں داری ۔ اکیس ۲۱ سکّے وضع کیئے۔

مورّخ عفیف ان کے اسما تفصیل کے ساتھ ذیل میں درج کرتا ہے تاکہ ناظرین اُس سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ اکیس ۲۱ سکّے حسب ذیل ہیں،

خطبہ۔ تخت۔ صندلی۔ مہرِ عقیق۔ طغرا۔ رفیع۔ تبلیغ۔ مگس راں۔ بانگ پاس۔ درعہ غاشیہ پارہ سلاح بروقت۔ زنجیر پیش زراخول۔ در محل نوبت در سواری میحا۔ کلاہ ملک چتر سیاہ۔ ترکش سفید کتابت تواریخ بار بر پیلاں۔ آمدن ملوک در سرا اوّل وقت۔ بانگ جرس بوقت برآمد۔ دُرّہ بید کوش

مختصر یہ کہ یہ اکیس سکّے قانون آئینِ تاجداری میں داخل ہیں۔

فیروز شاہ نے اپنے عہد میں دو سکّے اپنے ادراکِ صحیح سے اور ایجاد کیئے۔

ایک طاس گھڑیال جو ٹھٹھہ سے واپسی کے بعد وضع کیا گیا اور دوسرا انثار چتر جس کو فیروز شاہ نے بعد میں وضع کیا۔

غرض کہ فیروز شاہ تخت حکومت پر متمکن ہوا اور اُس نے امن و امان کے قواعد جاری کر کے تمام عالم کو مطمئن و مسرور کیا۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ سلاطین و غیر سلاطین کے چتر میں فرق ہونا چاہئے اس لیئے کہ چتر میں بہترین رموز جاہ و جلال کے اسرار مضمر ہیں۔

درگاہ فیروز شاہ کی بلندی و مراتب کا کیا کہنا جس نے نثار چتر کی رسم الہام الٰہی کی بنا پر وضع کر کے تمام ممالک دہلی کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

۲
حصہ دوم
لکھنوتی کے حالات

۱
پہلا باب
لکھنوتی کی طرف روانگی

اوّل مرتبہ بادشاہ نے اپنی سواری کے ہمراہ سنجری روانہ کیا اور ایک ہزار کشتیاں رواں ہوئیں جو بند کشا کہاروں کے دوش پر روانہ ہوئیں۔

اس مقام پر صادق البیان و راست گفتار راوی نقل کرتے ہیں کہ بادشاہ نے بے حد شان و شوکت کے ساتھ سفر کیا۔

ان راویوں نے مورّخ عفیف سے بیان کیا کہ خانان و ملوک دریا کی ستر سواریاں تیّار ہوئیں اور اس طرح پر بادشاہ ان اُمراء کے ہمراہ نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بنگالہ روانہ ہوا۔

فیروز شاہ اس سفر میں بار بار اُمراء و مقرّب اہل دربار کی طرف متوجہ ہوتا اور اپنی محاسن پر ہاتھ پھیر کر اُن کو یہ شعر سُناتا تھا۔

همیں گویم و باز گویم همیں مجنباں مرا تا نہ جنبد زمیں

مختصر یہ کہ فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم سے لکھنوتی پہنچا اور خان جہاں دہلی میں مقیم رہا۔

دوسرا باب

شہر کا محاصرہ

نقل ہے کہ فتح مند بادشاہ تمام ممالک کی سیر کرتا ہوا بے حد جاہ و جلال کے ساتھ بنگالہ پہنچا۔

سلطان شمس الدین کا لشکر بھی ساحل دریا پر بے حد شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوا۔

دریائے سرہ و گنگ و کوسی کے ساحل پر لشکر نے مقام کیا۔

فیروز شاہی لشکر بند کشا کشتیوں میں ستارۂ پروین کی طرح تھا اور پہلوان و تیر انداز شیر گیراں و دُر فشاں سنان کے ساتھ کشتیوں میں نمودار ہوئے اور دشمن کو تیروں اور تیر کے بے نظیر ناوک کے زخموں سے پسپا کرنے لگا۔

فیروز شاہ اپنے لشکر کے ہمراہ دریائے کوسی کے ساحل پر پہنچا اور بادشاہ نے قدرے آرام کیا۔ کیونکہ دریائے دوم کے کنارے سلطان شمس الدین بے شمار لشکر کے ہمراہ استادہ تھا اور اس دریا کو عبور کرنا بے حد مشکل تھا۔

فیروز شاہ دریائے کوسی سے سو کوس کے فاصلے پر پہنچا۔

جس مقام پر کہ دریائے کوسی کا دہانہ پہاڑ سے نکلا ہے اس مقام پر دریا پایاب تھا راست گفتار اشخاص نے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ اس مقام پر پانی زور سے رواں تھا۔ دریا اس قدر زور پر تھا کہ پانچ سو من کا پتھر سفال کی طرح سطح آب پر غلطاں بہتا تھا۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے حکم دیا کہ پایاب مقام کے فرو دست و بالا دست دونوں سروں پر ہاتھی استادہ کیے جائیں تاکہ مخلوق آسانی کے ساتھ دریا کو عبور کر سکے۔

بالا دست اس لئے استادہ کیے گئے تاکہ پانی کا زور کم ہو جائے۔

ان جانوروں کے جسم میں طنابیں باندھی گئیں اور فرو دست کی جانب اس غرض سے

استادہ کیئے گئے کہ اگر اہل لشکر میں کوئی شخص غرق ہونے لگے تو جانوروں کی طناب پکڑ کر اپنے کو محفوظ رکھ سکے۔

غرضکہ سلطانی لشکر نے خدا کی عنایت و مہربانی سے دریائے کوسی کو عبور کیا اور کوہِ گراں کی طرح سلطان شمس الدین کی طرف بڑھا۔

سلطان شمس الدین کو معلوم ہوا کہ لشکر بالا دست دریائے کوسی کے ساحل پر پہنچ گیا تو شمس الدین پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ حاکم بنگالہ مع اپنے بے شمار لشکر کے اکدالہ روانہ ہو گیا۔

بعض راویوں نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ جس وقت بادشاہی لشکر دریا کو عبور کر رہا تھا فیروز شاہ نے رائے جیارمن کو چتر عطا کیا۔

غرض کہ سلطان شمس الدین نے شہر پنڈوہ کو خالی کر کے اکدالہ میں پناہ گزیں ہوا اور سلطان فیروز نے اس کا تعاقب کر کے بیحد اہتمام کے ساتھ اکدالہ کا محاصرہ کر لیا اور اپنے لشکر کے اردگرد کنگرے تیار کرائے اور خندق کھدوائے۔

سلطان شمس الدین کی فوج ہر روز اکدالہ سے باہر آ کر نمودار ہوتی تھی اور اس جانب سے فیروز شاہی فوج تیروں سے حریف کو پسپا و پامال کرتی تھی۔

سلطان شمس الدین باوجود لایعنی و غرور آمیز کلام کے بیحد اضطراب و خوف کی وجہ سے جزائر اکدالہ کے اندر مقید ہو گیا۔

راؤ و رایان و زمینداران بنگالہ فیروز شاہ کے حضور میں حاضر ہو کر امان کے طلبگار ہوتے تھے اور اس طرح بنگالے کے باشندوں کا بہت بڑا حصہ فیروز شاہ کے لشکر کا جزو بن گیا طرفین سے ہر روز فوج کا ایک حصہ نمودار ہو کر اپنی اپنی قوت و جرأت کا اظہار کرتا تھا۔

مختصر یہ کہ چند روز دونوں بادشاہ اسی طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوتے رہے یہاں تک کہ آفتاب برج سرطان میں داخل ہوا۔

سلطان فیروز شاہ نے اپنے امرا و اہل دربار سے مشورہ کیا اور بے حد قیل و قال کے بعد امرائے دربار نے عرض کیا کہ سلطان شمس الدین حصار بند ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزائر اکدالہ کے گرد تمام پانی ہی پانی ہے۔

سلطان شمس الدین نے یہ طے کیا ہے کہ موسم برسات آ جائے گا اور تمام بنگالہ سیلاب سے

گھر جائے گا اُس وقت فیروز شاہ مجبور ہو کر اس مُلک سے واپس جائے گا۔ اِس وقت یہ مناسب ہے کہ ہم اپنی فرودگاہ سے چند کوس عقب میں ہٹ جائیں اور دیکھیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور دبیرانِ قضا کا کیا منشا ہے۔

فیروز شاہ نے اُمراو مقربان بارگاہ کی رائے کو پسند کیا۔

دوسرے روز بادشاہ نے دہلی کی سمت کوچ کیا اور سات کوس کے فاصلے پر مقیم ہوا اور چند قلندروں کو اکدابہ کی جانب روانہ کیا۔

بادشاہ نے قلندروں کو فہمائش کردی کہ اگر تم کو حریف گرفتار کر کے شمس الدین کی بارگاہ میں لے جائے اور حاکم بنگالہ تم سے ہمارا حال دریافت کرے تو تم یہ جواب دینا کہ فیروز شاہ فراریوں کی طرح مع تمام لشکر وحشم کے بھاگ رہا ہے۔

قلندران مذکور اکدابہ پہنچے اور حریف کے ملازم اُن کو گرفتار کر کے سلطان شمس الدین کے حضور میں لے گئے۔ ان قلندروں نے بیان کیا کہ فیروز شاہ نے مع تمام لشکر و فوج کے راہ فرار اختیار کی ہے۔

سلطان شمس الدین نے قلندروں کی گفتگو کو راست خیال کیا اور حاضرین مجلس سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ فیروز شاہ فراریوں کی طرح بھاگ رہا ہے اس کا تعاقب کرنا اور مثل شاہانِ عالی مرتبہ کے اُس کو قہر و ظلم سے زیر کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

سلطان شمس الدین نے یہ طے کیا اور اپنے جرار لشکر کے ساتھ اکدابہ سے باہر آیا

۳ تیسرا باب

سُلطان شمس الدّین سے جنگ

نقل ہے کہ سلطان شمس الدین کو معلوم ہوا کہ فیروز شاہ نے دہلی کی سمت راہِ فرار اختیار کی اس موقع پر بعض اشخاص نے شمس الدّین سے بیان کیا کہ فیروز شاہ نے تمام اسباب و سامان کو چھوڑ دیا اور بعض نے بیان کیا کہ بادشاہ نے لشکرگاہ میں آگ لگا دی اور دہلی واپس ہوا

غرضکہ سلطان شمس الدین دس ہزار سواروں اور دو لاکھ پیادوں اور پچاس ہاتھیوں کے ہمراہ اکدالہ سے باہر نکلا اور فیروز شاہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

فیروز شاہ اپنی فوج کے ہمراہ سات کوس کے فاصلے پر مقیم تھا اور حریف کی آمد کا انتظار کر رہا تھا اس مقام پر جہاں کہ ساحلِ دریا غرقاب تھا اور راب پایاب ہو چکا تھا۔ فیروز شاہ نے دریا کو عبور کیا تھا کہ ناگاہ سلطان شمس الدین حاکم بنگالہ پہنچا اور بغیر ساعت و وقت کا انتظار کئے ہوئے فیروز شاہی لشکر کی طرف دوڑا۔

فیروز شاہ کو اس واقعے سے اطلاع ہوئی اور اخبار رساں افراد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شمس الدین الوندی کا رئیس بے شمار لشکر و بے انتہا سواروں اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ہمراہ مثل افسر رہزنان کے نمودار ہوا ہے۔

فیروز شاہ نے مثل تاجداران عالی مرتبہ کے اپنے لشکر کو درست و آراستہ کیا اور دشمن سے مقابلہ کرنے پر تیار رہا۔

بادشاہ نے بھی .... اس معاملے میں سعی بلیغ کی اور اپنی فوج کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ میمنے پر ملکِ دیلان میر شکار کو تیس ہزار سواروں کے ہمراہ مقرر کیا اور میسرے کو مع تیس ہزار سواروں کے ملک حسام نور کے سپرد کیا اور قلب لشکر میں تاتار خاں کو تیس ہزار نامور و بہادر سواروں کے ہمراہ متعین کیا۔

فیروز شاہ نے خود اپنی فوج کے ہر حصے میں گشت لگایا اور ربادشاہوں کی طرح اہل لشکر سے کلمات تحسین بیان کیے۔

اس فوج میں ہر شخص زرہ پوش تھا اور ہر حصہ لشکر میں پیلانِ مست بھی استادہ تھے اور تمام نشانات ظاہر و نمودار تھے۔

تمام خانان و ملوک دربار اُس روز فیروز شاہ کے برابر جمع تھے اور اسی طرح پانچسو نشان بادشاہ کے گرد جمع ہو گئے۔

اُس وقت فیروز شاہ نے عالی مرتبہ سلاطین کی طرح ہتھیار باندھے اور چتر شاہی کو اپنے سے دور کر دیا۔ غرض کہ تمام طبل و دمامے یکبارگی بجائے گئے اور دونوں لشکروں میں شور برپا ہو گیا۔

سلطان شمس الدین نے فیروز شاہی لشکر کو دیکھا کہ سمندر کی طرح لہریں لے رہا ہے

اور اس جرار و عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر بے حد خوف زدہ ہوا اور اپنے ملازمین سے کہا کہ ان قلندروں نے ہم کو دھوکا دیا اور فریب سے ہم کو حصار سے باہر لے آئے، لیکن اب کیا ہوتا ہے، خدا کا جو حکم ہوگا وہی ظاہر ہوگا۔

شمس الدین نے تقدیر الٰہی پر تکیہ کر کے جنگ آزمائی شروع کی اور ملک جام نوا اور اہل بنگالہ میں لڑائی شروع ہوئی۔

میسرے سے ملک ویلان نے بھی قدم آگے بڑھایا اور سواروں نے ہتھیار ہاتھ میں لیے اور لڑائی کا بازار گرم ہوا، شمسی فوج اور ملک جام نوا کے لشکر میں آویزش شروع ہوئی تھی کہ میمنہ کی جانب سے ملک جام نوا نے بھی جنگ کا ارادہ کیا۔

غرضکہ ہر شخص نے اہل غزا کی طرح کمر ہمت باندھی اور دشمن کو قتل کرنے پر مستعد ہوا۔

خدا کے حکم سے فریقین میں شدید و خوں ریز معرکہ آرائی ہوئی۔

جنگ آزمائی کا یہ عالم تھا کہ تلوار کے بیکار ہونے کے بعد چاقو سے کام لینے لگے اور ہر فریق نے دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسی طرح آویزش کی۔ میدان کارزار نمونۂ قیامت بن گیا۔

جنگ و جدال کی انتہا نہ رہی اور عین معرکۂ کارزار میں تاتار خاں نے فیروز شاہ سے عرض کیا کہ مشیت الٰہی نے بدخواہ دشمن کو حضرت کی فتح کے لیے ہمارے روبرو پیش کر دیا ہے

فیروز شاہ نے جواب دیا کہ اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ شمس الدین اسی وقت ہمارے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے گا۔

غرضکہ بے شمار قتال و خوں ریزی کے بعد شمس الدین نے راہِ فرار اختیار کی اور سیدھا اپنے ملک کو روانہ ہو گیا۔

صحیح روایت یہ ہے کہ جب قلب گاہ سے خانِ اعظم تاتار خاں نے غلبہ کیا اور میمنہ و میسرہ سے ملک جام نوا اور ملک ویلان نے حملہ کیا تو بنگالے کا لشکر پنڈوا سے اکدالہ تک تمام و کمال فرار ہو گیا۔

تاتار خاں نے اہل بنگالہ کا تعاقب کیا۔

ہر چند تاتار خاں بہ آواز بلند یہ کہتا تھا کہ اے شمس سیاہ رو کہاں جاتا ہے، مرد کو چاہیے کہ پشت نہ دکھائے، ایک لمحہ توقف کر کہ تجھ کو فیروز شاہی خدام کی جرأت و قوت کا اندازہ ہو جائے، لیکن سلطان شمس الدین ایسا فرار ہوا کہ اُس نے ایک نہ سُنی۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ خدا کی عنایت و کرم سے فتح مند ہوا اور تمام خانان و ملوک نے بادشاہ کی درازی عمر و اقبال کی دعا کی۔

اس معرکے میں سینتالیس ہاتھی فیروز شاہ کے ہاتھ آئے اور تین جانور مارے گئے شاہ بنگالہ باوجود قوت و شوکت کے فرار ہوا اور صرف سات سواروں کے ہمراہ بھاگا اور اُس کا بقیہ لشکر پراگندہ ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ اس ساحل دریا پر جہاں کہ فیروز شاہ مقیم تھا اور جو اکدابہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع تھا فیروز شاہی فوج نے حریف کا تعاقب کیا۔

شاہ بنگالہ بے حد دقت و خرابی کے ساتھ فرار ہوا اور اُس کے سوار و پیادے اس قدر قتل کیے گئے کہ خرمن غلہ کی طرح کشتوں سے میدان بھر گیا بلکہ بعض راویوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس قدر افراد قتل کیے گئے کہ میدان کارزار کی زمین نظر نہ آتی تھی۔ اس کے علاوہ سلطان شمس الدین فرار ہو کر حصار کے نیچے آیا اور کوتوال حصار نے بے حد کوشش کے ساتھ دروازۂ حصار کھولا۔

شہر اکدابہ کے اندر فیروز شاہ کا خیمہ نصب کیا گیا۔

اس مقام پر صحیح روایت یہ ہے کہ تمام مستورات نے جو اندرون حصار مقیم تھیں فیروز شاہ کی آمد کی خبر سُنی اور بالائے حصار پہنچ کر بادشاہ کے دیکھنے کے لئے اپنے سروں سے آنچل کو اُٹھایا اور سر برہنہ ہو کر بے حد پریشانی کے عالم میں آہ و زاری شروع کی۔

فیروز شاہ نے مستورات کو اس قدر پریشان و مضطر دیکھ کر اور اُن کی گفتگو کو سن کر فرمایا کہ میں نے تسلیم کیا کہ میں شہر کے اندر داخل ہوگیا اور چند مسلمانوں کو گرفتار بھی کیا اور اس مُلک کو فتح کر کے اپنے نام کا خطبہ بھی جاری کر دیا، لیکن جب میں حصار کے اندر داخل ہوں گا اور اہلِ قلعہ کو جو تمام و کمال مسلمان ہیں زیر کر لوں گا تو یہ پردہ نشین نااہل افراد کے ہاتھ میں گرفتار ہو کے بے عزت ہوں گی، ایسی حالت میں میرے اور مغلوں کے درمیان کیا فرق باقی رہے گا اور میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

بادشاہ کی تقریر سُن کر تاتار خاں نے عرض کیا کہ فتح شدہ مُلک سے دست بردار ہونا مناسب نہیں ہے۔ فیروز شاہ فرشتہ خصلت نے فرمایا کہ اکثر سلاطین دہلی اس مُلک پر حملہ آور ہوئے اور اُنھوں نے بنگالے کو فتح کیا لیکن ان میں سے کسی شخص نے اپنی فراست کی وجہ سے اس

سرزمین میں قیام نہ کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ بنگالے کا ملک رذیلوں کی بستی ہے اور یہاں کے تمام اُمراء اپنی سعی و کوشش سے جزائر کے اندر رہتے ہیں اس لئے سلاطین دہلی کی رائے و تقلید کی مخالفت کرنا مصلحت سے بعید ہے۔

فیروز شاہ الہام الٰہی کی وجہ سے اسی اندیشے پر واپس ہوا اکدابہ کو آزاد پور کے نام سے موسوم کیا. اس مقام پر خان اعظم تاتار خاں سے اور فعل ایسے سرزد ہوئے کہ اُن کی وجہ سے فیروز شاہ خان اعظم سے بے حد خوش ہوا۔

کہتے ہیں کہ خان اعظم نے شیر کی طرح سلطان شمس الدین کا تعاقب کیا اور اس امر میں بے حد سعی کی کہ حریف تک جلد پہنچ جائے۔

سلطان شمس الدین نے تاتار خاں کے خوف سے راہ فرار اختیار کی' اور خان اعظم نے حریف کے سر پہ پہنچ کر ارادہ کیا کہ اُس پر تلوار کا وار کرے۔

خانِ اعظم کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور اُس نے سلطان شمس الدین پر تلوار نہ چلائی اور اُس کے تعاقب سے دست بردار ہو گیا۔

جنگ کے بعد فیروز شاہ نے تاتار خاں سے دریافت کیا کہ تم نے حریف پر اس قدر قابو پا کر تلوار نیام سے نکالی لیکن عقل کام نہیں کرتی کہ بغیر تلوار کا وار کئے تم کیوں واپس ہوئے تاتار خاں نے بے حد خوب و عمدہ جواب دیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ خیال کیا کہ تاجداران عالم پر مجھ کو تلوار چلانا مناسب نہیں ہے اور اس خیال و فعل کے اسرار و آثار کو واضح کرنا میرے ذمّے ہے. غرضکہ تاتار خاں نے اپنے فعل و خیال کو توضیح سے بیان کیا جس کو فیروز شاہ نے بے حد پسند کیا۔

چوتھا باب

دہلی واپس آنا

فیروز شاہ نے خدا کی مدد سے بنگالے کو فتح کیا اور ہر خاص و عام کو راحت نصیب ہوئی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ بنگالے کے تمام مقتول افراد کے سر جمع کیے جائیں۔

فیروز شاہ نے وعدہ کیا کہ جو شخص مقتول بنگالیوں کے سر لائے گا- فی سر ایک تنگہ نقرہ انعام

پائے گا۔ اس حکم کی بناپر تمام لشکریوں نے اس حکم کی تعمیل میں کمر ہمت باندھی اور کشتوں کے سر لاکر انبار کرنے لگے۔ ان سروں کا شمار کیا گیا اور معلوم ہوا کہ ایک لاکھ اسی ہزار سر بلکہ اس سے زیادہ جمع ہوئے اس لئے کہ سات کوس کے فاصلے تک یہ کوشش جاری رہی۔

فیروز شاہ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ انبار کے قریب تھا اور ان سروں کا ملاحظہ کر رہا تھا بادشاہ بچشم عبرت ان سروں کو دیکھتا اور اپنے مقرب اہل دربار سے رو کر اور آہ بھر کر کہتا تھا کہ ان غریبوں نے تعلق نان کی وجہ سے یہ روز سیاہ دیکھا اگر شکم کا تعلق اور اہل و عیال و اطفال کا خیال نہ ہوتا تو اس روز بد میں گرفتار نہ ہوتے۔

اس واقعے کے بعد بادشاہ بے حد شان و شوکت کے ساتھ دار الملک دہلی واپس ہوا۔

بادشاہ پنڈوا پہنچا اور اس شہر میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

فیروز شاہ نے پنڈوا کو فیروز آباد کے نام سے موسوم کیا۔

چونکہ فیروز شاہ نے اکدالہ کو آزاد پور اور پنڈوہ کو فیروز آباد کے نام سے موسوم کیا اس لئے اب تک ان شہروں کے سلاطین یمن و برکت کے لحاظ سے ان ممالک کو انہی ناموں سے یاد کرتے ہیں اور سرکاری دفاتر میں اب تک یہی لکھتے ہیں آزاد پور عرف اکدالہ اور فیروز آباد عرف پنڈوہ۔

فیروز شاہ دریائے کوسی کے کنارے پہنچا کہ برسات کا موسم آگیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہی لشکر مثل جیش شاہ فغفور کے بند کشا کشتیوں میں دریا کو عبور کرے۔

غرض کہ تمام حشم و خدام نے بند کشا کشتیوں کے ذریعے دریا کو عبور کیا۔

سلطان شمس الدین اکدالہ میں داخل ہوا اور اس کوتوال کو جس نے شہر کا دروازہ بند کر دیا تھا قتل کیا۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ فتحمند واپس آیا اور فتح نامہ دہلی روانہ کیا۔

اس زمانے میں خواجہ جہاں مقبول یعنی وزیر پُر تدبیر دہلی میں نائب غیبت تھا اور شہر کی حفاظت میں بے حد کوشش کر رہا تھا۔

یہ فتح نامہ دہلی پہنچا اور خان جہاں و تمام اہل دہلی کو دو دو مسرتیں حاصل ہوئیں، ایک خوشی تو فتح بنگالہ کی اور دوسری اس امر کی کہ فیروز شاہ صحیح و سالم واپس آرہا ہے۔

فتحمند لشکر نے دہلی میں اکیس ۲۱ روز طبل شادیانہ بجوائے۔

اس درمیان میں فیروز شاہ دہلی کے قریب پہنچا اور خان جہاں نے بے شمار اسباب خدمتی مہیا کیے۔ شہر میں چھپتے بنائے گئے اس لیے کہ اب تک فیروز آباد ذ آباد و معمور نہ ہوا تھا۔
جس روز کہ بادشاہ دہلی میں داخل ہوا اس قدر بیرق جمع ہوئیں کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ واضح ہو کہ بیرق بھی فیروز شاہ کی ایجاد ہے، سلاطین گزشتہ کے عہد میں اس کا نام و نشان نہ تھا۔
بادشاہ شہر میں داخل ہوا اور سینتالیس ہاتھی جو لکھنوتی میں حاصل ہوئے تھے اس طرح لشکر کے آگے آگے تھے کہ جانور مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے تھے اور اُن پر زرمینہ کی عماری اور جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔
بادشاہ کے داخلے کے وقت ہر صغیر و کبیر نے فیروز شاہ کا استقبال کیا اور ہر مرد و عورت جوان و ضعیف فیروز شاہ کی ترقیِ عمر و اقبال کے لیے دعا کر رہا تھا۔
معتبر اشخاص نے مورخ عفیف سے روایت کی ہے کہ فیروز شاہ گیارہ ماہ لکھنوتی کی طرف رہا اور اس مدت کے بعد دہلی واپس آیا۔

پانچواں باب

شہر حصار فیروزہ کی بنیاد

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ خدا کی عنایت سے شہر میں آیا اور چند سال متواتر شہر دہلی میں مقیم رہا۔
بادشاہ لکھنوتی سے واپس ہو کر ڈھائی سال حصار فیروزہ کی طرف رہا اور ملک کے انتظام میں اُس نے بیحد کوشش کی اور تمام عالم کو اپنے احسان سے شاد و مطمئن کیا۔
اس زمانے میں بادشاہ نے حصار فیروز آباد کی بنیاد رکھی۔
جب کبھی کہ فیروز شاہ شہر میں آتا تو چند روز تو پایۂ تخت میں قیام کرتا اور بعد اس کے حصار فیروزہ کو واپس جاتا۔

بادشاہ کے دل میں حصار فیروزہ آباد کرنے کا خیال ہوا اور اس مقام پر جہاں کہ اب فیروزآباد واقع ہے پہلے ہی دو بڑے مواضع آباد تھے۔

یہ مواضع کداس بزرگ و کداس خرد کے نام سے مشہور تھے۔

کداس بزرگ میں پچاس کھڑک اور خرد میں چالیس داخل تھے، اس لئے کہ اس ملک میں کوئی موضع ایسا نہیں ہے جس میں کھڑک موجود نہ ہو۔

فیروز شاہ نے کداس بزرگ کی زمین کو بے حد پسند کیا اور یہ فرمایا کہ کیا خوب ہوتا کہ اس مقام پر ایک عمدہ شہر آباد ہو اس لئے کہ خدا کی مشیت و حکمت سے یہ مقام بے آب تھا، بلکہ موسم گرما میں جب کہ عراق و خراسان سے راہرو اس مقام پر آتے تو ایک کوزۂ آب کی قیمت چار جیتل ادا کرتے تھے۔

فیروز شاہ نے اس مقام پر فرمایا کہ مجھ کو خدا کے رحم و کرم سے امید ہے کہ جب مسلمانوں کے نفع رسانی کے لئے اس مقام پر جدید شہر آباد کروں گا تو خداوند کریم بھی اپنے رحم و کرم سے اس سرزمین کو پانی سے سیراب فرما دے گا۔

فیروز شاہ نے اس سرزمین میں قیام فرمایا اور اس کام میں بے حد سعی و کوشش کر کے شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ فیروز شاہ چند سال تمام خانان و ملوک درگاہ کے ہمراہ اس کار خیر میں مصروف رہا اور پتھروں کو کوہ نرمے سے لاکر پختہ چونہ کھور سنگ میں ملاکر ایک بے حد طویل و عریض و بلند حصار تعمیر کرانا شروع کیا بادشاہ کے تمام اعوان و انصار کے لئے اس شہر میں خاص خاص فرودگاہیں تجویز کی گئیں اور ہر امیر اپنی فرودگاہ میں بے حد سعی و کوشش کے ساتھ پختہ و جدید عمارت تعمیر تیار کرنے میں مصروف ہوا۔

غرض کہ حصار مرتّب ہوگیا اور ایک مدّت اس کی تکمیل و تعمیر میں صرف ہوئی اور بادشاہ نے اس حصار کو فیروزآباد کے نام سے موسوم کیا۔

حصار کے مرتّب ہونے کے بعد خندق کھودنا شروع کی۔

خندق اس طرح کھودا گیا کہ اُس کی تہ اور بازو سے ریختہ اُٹھایا گیا اور خندق کے بازوؤں کے اوپر کنگرہ باندھا گیا۔

اس کے علاوہ ایک بے نظیر حوض حصار کے اندر بنایا گیا جس کا پانی خندق میں گرتا تھا۔

حصار کے اندر ایک کوشک بھی تیار کیا گیا۔ یہ کوشک ایسا بے نظیر تھا کہ باوجود جد و سعی و

کوشش کے اس کی نظیر دریافت نہ ہو سکتی تھی۔

اس کوشک میں بے شمار محل تعمیر کئے گئے اور ہر محل میں بے حد تکلف و آراستگی پیدا کی گئی اور ان میں بے شمار حکمتیں رکھی گئیں۔

اس کوشک میں ایک حکمت یہ تھی کہ اگر کوئی صاحب فہم و فراست شخص کوشک کے محل کے اندر آتا تو اگرچہ محل کی سیر کرتا تو اسی کوشک کے درمیان پہنچ جاتا۔

کوشک کا زیرین حصہ قطعاً تاریک تھا کہ اگر نگہبان راہنمائی نہ کرے تو اس تاریکی سے باہر آنا محال ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک فراش تنہا اس مقام پر آیا اور چند روز غائب رہا، بعد اس کے نگہبان بھی اس مقام پر پہنچے اور فراش کو تاریکی سے باہر لے آئے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے شاہان عالی مرتبہ کی طرح حصار فیروز آباد تعمیر کیا اور ایسا کوشک عجیب و پراسرار تیار کیا۔

اس کے بعد حریم شہر میں حصار فیروز آباد واقع تھا اور اس کے اطراف میں تمام خانان وملوک و امراو اعیان دولت نے اپنے اپنے مکان تعمیر کئے اور بے حد نفیس و عمدہ محل و قصور تیار ہو گئے۔ فیروز شاہ کو معلوم تھا کہ یہ مقام بے آب ہے۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ یہاں پانی پہنچائے۔ بادشاہ نے خود اس کام میں کوشش کی اور دریا کے ساحل سے نہر حصار فیروزہ میں لے آیا۔ ایک نہر دریائے جمنا اور دوسری دریائے ستلج سے۔

دریائے جمنا کے ساحل سے جو نہر لائی گئی وہ نہر شاہ نہر رجیواہ والغجانی کے تھی۔

ان دونوں نہروں کا دہانہ کرناں کے سنگم سے نکالا گیا اور اسّی کوس کے فاصلے تک حصار فیروزہ میں لایا گیا۔

مورخ عفیف کے والد نے جو اس زمانے میں بادشاہ کے مخصوص اہل دربار میں داخل اور عہدۂ شب نویسی پر ممتاز تھے خاکسار مؤلف سے بیان کیا۔ حضرت فیروز شاہ نے حصار فیروزہ کی تعمیر میں ڈھائی سال صرف کئے اور بادشاہ کے ساتھ تمام رعایا و خلقت نے بھی اس کام میں بے حد کوشش کی۔ فیروز شاہ نے بے حد خوشی و مسرت کے ساتھ حصار میں باغات و اشجار لگائے چنانچہ ان باغات میں ہر قسم کے میوے پائے جاتے ہیں۔

سدا پھل و خیری و نارنگ اسکندر پولی اور ہر قسم کے پھول و نیشکر بے شمار اقسام جنس

کہ اس باغ میں پائے جاتے ہیں۔
نیشکر سیاہ و پونڈا دونوں قسم کے اس باغ میں پائے جاتے ہیں اور یہ نیشکر اسقدر عمدہ و نرم تھے کہ اگر کوئی شخص ان میں دانت لگاتا اور ان کا چھلکا دانتوں سے چباتا تو ایکبارگی سرے سے اخیر تک چھلکا علحدہ ہو جاتا۔ یہ امر البتہ تھا کہ حصار فیروزہ میں فصل خریف تو عمدہ ہوتی لیکن فصل ربیع خوب نہ ہوتی اس لئے کہ گندم بغیر پانی کے پیدا نہیں ہوتا۔

فیروز شاہ کے ان نہروں کے حصار میں لے جانے سے دونوں فصل عمدہ ہونے لگیں۔ اس سے قبل سلاطین گزشتہ کے عہد حکومت میں اس حصے کو مُلک کے دفاتر سرکاری میں شق ہانسی تحریر کرتے تھے، لیکن جب حصار فیروزہ آباد ہوا تو اس تاریخ سے اس نواح کو شق فیروز آباد لکھنے لگے اور ہانسی و اگروہہ و فتح آباد و سرستی و سامورہ و خضر آباد و دیگر اقطاعات تک تمام و کمال حصار فیروز آباد کی شق میں داخل ہو گیا۔

غرض یہ ایک عظیم الشان شہر بن گیا جس میں آبادی و زراعت کی کثرت ہوئی۔

حصار فیروزہ کی شق داری ملک دیلان کے سپرد ہوئی۔

جب پانی کی کثرت ہوئی اور متعدد نہریں حصار میں آگئیں تو بے شمار پانی جمع ہو گیا، اور ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق باغ و کھیت کے قریب کنواں کھود سکتا تھا۔

پانی اس قدر کثرت سے جمع ہو گیا کہ اگر چار گز زمین کھودی جاتی تو پانی برآمد ہو جاتا تھا۔

چھٹا باب

شاہی املاک

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے دونوں شہر بر و بحر کے طریقے پر آباد کئے، ایک فتح آباد جس کی بابت حصہ اول میں تذکرہ ہو چکا اور دوم حصار فیروزہ جس کا بیان ابھی تحریر کیا گیا۔

ان دونوں مقامات میں بے شمار و بکثرت نہریں جاری کی گئیں اور تمام نہریں اتنی یا

نوے کوس تک جاری ہوئیں۔

نہروں کے درمیان تمام تر قصبات و قریات آباد تھے، چنانچہ قصبۂ جنید و قصبۂ دھاترتھ و شہر ہانسی و تغلق پور عرف بیدم وغیرہ حصۂ ملک ان نہروں سے سیراب ہوتے تھے۔

ہر قصبہ و موضع میں نہریں جاری تھیں اور ان نہروں کے پانی سے رعایا و خلقت کو بے شمار نفع حاصل ہوتا تھا۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے فرمایا کہ ممالک محروسہ کے تمام علماء و مشائخ کو جمع کیا جائے اور اُن سے یہ فتویٰ طلب کیا جائے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی کوشش اور ذاتی مال کے صرف سے آب غرقاب کے کنارے سے پانی کی نہریں جاری کرے اور یہ نہریں حدود و قصبات و قریات میں جاری ہوں اور ان مقامات کے باشندے ان نہروں سے نفع حاصل کریں تو آیا اس جاری کرنے والے کو بھی حق سعی حاصل ہے یا نہیں۔

علماء نے جواب دیا کہ سعی کنندہ کو حق شرب حاصل ہے یعنی یہ کہ قریات و قصبات کی آمدنی میں دسواں حصہ اس شخص کا ہے۔

اس کے بعد فیروز شاہ نے ان نہروں کا حق شرب اپنی املاک میں داخل کیا۔

اسی طرح بادشاہ دین پناہ نے بے شمار مردہ زمین کو آباد کر کے اُن کے محاصل اپنی املاک میں شامل کئے۔ بادشاہ نے ان مقامات کی آمدنی علما و مشائخ کے نام مقرر کی اور اُس کو بیت المال سے خارج تصور فرمایا۔

بادشاہ نے ان رقوم کو سہام یعنی حصّوں میں تقسیم کیا۔

واضح ہو کہ اُس زمانے میں دو چیزیں املاک میں داخل تھیں؛ ایک حاصل حق شرب اور دوسرے آباد قصبات کے محاصل، اور اس طرح تقریباً دو لاکھ ٹنکے فیروز شاہ کی مِلک قرار پائے تھے۔

سبحان اللہ جس قدر املاک فیروز شاہ کے قبضے میں تھیں کسی بادشاہ دہلی کو میسّر نہ ہوئی ہوں گی۔ شاہی املاک کی کثرت اس درجہ پہنچ گئی کہ املاک خاص کے عہدہ دار علیحدہ مقرر کیے گئے اور اس کا خزانہ جُدا قائم کیا گیا۔

اگر برسات کا موسم آتا اور بارش شدید ہوتی تو بادشاہ اپنے بعض مخصوص اہل دربار کو

اس امر پر مقرر کرتا کہ یہ امراء ہر نہر کے دہانے کا دورہ کریں اور بادشاہ کو مطلع کریں کہ سیلاب کس مقام تک پہنچ گیا ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مورخ عفیف کے پدر و برادر اس امر کی تشخیص کے لئے دربارِ شاہی سے مقرر کئے گئے ہیں کہ نہروں کے گرد سفر کر کے اس امر کا اندازہ لگائیں کہ سیلاب کہاں تک پہنچا ہے۔

اگر بادشاہ کو معلوم ہوتا کہ سیلاب نے ایک بہت بڑے حصۂ ملک کو سیراب کر دیا ہے اور نہروں کا پانی مشرق سے مغرب تک پہنچ گیا ہے تو بادشاہ بے حد خوش ہوتا، اور اپنے جامے میں پھولا نہ سماتا۔ اگر کوئی قریہ یا قصبہ ویران و تباہ ہو جاتا تو اس مقام کے عہدہ داروں سے شدّت و سختی کے ساتھ بازپرس کی جاتی تھی۔

ساتواں باب

مورّخ کے پیر و مرشد سے ملاقات

نقل ہے کہ فیروز شاہ حصار فیروزہ سے خاص کر مورّخ کے پیر و مرشد سے ملاقات کرنے کے لئے ہانسی حاضر ہوا۔ واضح ہو کہ اس زمانے میں حضرت شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز مورّخ کے مرشد کے پیر و مرشد نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی، اور مورخ کے پیر و مرشد سجادۂ طریقت پر رونق افروز تھے۔

فیروز شاہ حضرت کی خانقاہ کے قریب پہنچا اور جناب شیخ نے ارادہ کیا کہ بادشاہ کی تعظیم کے لئے سجادۂ ارشاد پر کھڑے ہوں، لیکن فیروز شاہ نے حضرت کو قسم دے کر اس تعظیم سے منع فرمایا۔

ملاقات کے بعد مصافحہ ہوا اور دونوں بادشاہ برگزیدۂ خلائق ایک ہی جگہ بیٹھے اور حضرت شیخ نے قاعدے کے مطابق وعظ و نصیحت شروع کی۔

مقررہ گفتگو کے بعد فیروز شاہ نے شاہانہ انداز میں کلام شروع کیا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ میں نے محض بندگانِ خدا کی آسایش و امن کے لئے اور اہلِ اسلام کو راحت پہنچانے

کی غرض سے حصار فیروزہ تعمیر کیا ہے، اگر جناب شیخ بھی رحمت و شفقت کے لحاظ سے اس حصار میں قیام فرمائیں تو بے حد مناسب ہوگا۔

حضرت کے قیام کے لیئے خانقاہ تعمیر کردی جائے گی اور مصارف خانقاہ کے لیئے ہر صادر و وارد کے لحاظ سے اخراجات مقرر کردیئے جائیں گے۔

حضرت شیخ اگر حصار میں قیام فرمائیں گے تو امید ہے کہ حضرت کے قدوم کی برکت سے اہل حصار تمام بلیات و گردش روزگار سے محفوظ رہیں گے۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ دعاگو کا حصار میں قیام کرنا فرمان شاہی خیال کیا جائے گا یا خود دعاگو کا اختیاری فعل ہوگا۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ خدا ایسا نہ کرے کہ میں حضرت کو کسی قسم کا حکم دوں، اگر حضرت شیخ خود قیام اختیار فرمائیں تو حصار کی سعادت اور اہل حصار کی خوش قسمتی ہوگی۔

جناب شیخ نے فرمایا کہ دعاگو کا اختیاری مقام یہی شہر ہانسی ہے جو دعاگو کے جد و پدر کا مسکن ہے اور حضرت شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمۃ و حضرت محبوب الٰہی نے اسلاف کو یہ مقام عطا فرمایا ہے۔

فیروز شاہ نے حضرت شیخ کے جواب کو بے حد پسند فرمایا اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ حضرت اسی شہر ہانسی میں قیام فرمائیں۔

اللہ تعالی کے رحم و کرم سے امید ہے کہ حضرت کی برکات سے حصار فیروزہ تمام آفات ارضی و سماوی سے محفوظ و آباد و معمور رہے گا۔

سبحان اللہ جو کلمہ کہ فیروز شاہ کی زبان پر جاری ہوا آخر میں اسی کا ظہور ہوا یعنی اسی دور میں جب کہ سنگ دل گروہ نے خدا کی مشیت کے مطابق دہلی کو تاخت و تاراج کیا اور اہل اسلام و ذمی افراد کا مال و اسباب تباہ و برباد ہوا تو حضرت شیخ کے قدوم کی برکت سے اہل ہانسی قطعاً محفوظ رہے بلکہ حصار فیروزہ کا وہ حصہ بھی جو حصار ہانسی کے مضافات میں داخل ہو چکا تھا تمام بلیات سے محفوظ و مامون رہا۔

انشاء اللہ تعالی شہر ہانسی کا تمام حوادث سے محفوظ رہنا اور حضرت شیخ کی کرامت سے اہل شہر کا محفوظ رہنا، جس کا مفصل بیان اس تصنیف کا ایک اہم ترین مقصد ہے آخر کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ مورخ عفیف کا ایک مقصد اس تاریخ کی تالیف سے یہ ہے کہ اس واقعے کو مفصل بیان کرے۔

آٹھواں باب

فیروز آباد کا آباد کرنا

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ کو خیال پیدا ہوا کہ شہر فیروز آباد بسائے۔ بادشاہ نے اس امر کے لئے کوشش شروع کی اور دہلی کے جوار میں اکثر مقامات کی محض انتخاب کی غرض سے سیر کی۔

آخر کار بادشاہ نے دریائے جمنا کے ساحل پر ایک قطعۂ زمین انتخاب فرمایا۔

واضح ہو کہ فیروز آباد کی بنا بادشاہ کے بار دوم لکھنوتی روانہ ہونے سے قبل کی گئی۔

مختصر یہ کہ منتخبہ زمین میں کوشک کی تعمیر شروع ہوئی اور عمارت کے عہدہ دار و ماہر و تجربہ کار کاریگر تعمیر میں مصروف ہوئے۔

تمام خانان و ملوک بارگاہ نے بھی اس کوشک میں اپنے محل تعمیر کرائے۔

کہتے ہیں کہ فیروز آباد کی بنا میں اٹھارہ مواضع کی زمین شہر میں داخل ہو گئی، چنانچہ قصبۂ اندرپت و سرائے شیخ ملک یار پرانی و سرائے شیخ ابو بکر طوسی و زمین موضع کادین و زمین کمیشواڑہ و زمین اندھاولی و زمین سرائے ملکہ و زمین مقبرۂ سلطان رضیہ و زمین بھاری و زمین مہرولہ و زمین سلطان پور وغیرہ مواضع شہر میں داخل ہو گئے۔

فیروز آباد میں خدا کی عنایت و مہربانی سے اس قدر آبادی میں اضافہ ہوا کہ قصبۂ اندرپت سے کوشک شکار تک تمام حصۂ ملک آباد و معمور ہو گیا۔

واضح ہو کہ اندرپت سے کوشک شکار تک پانچ کوس کا فاصلہ ہے جس میں ایک کوس سے دوسرے کوس تک مسلسل آبادی پائی جاتی ہے۔

مخلوق نے شہر میں گچ کے پختہ مکانات تعمیر کرائے اور اس قدر کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔

شہر میں ہر قسم کے طویل بازار قائم ہوئے اور یہاں کے باشندے خوش حال و فارغ البال ہو گئے۔

اسی طرح شہر میں آٹھ مساجد تعمیر کی گئیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک مسجد خاص، مسجد نائب باربک، مسجد ملک بجر شحنہ بھہنی، مسجد ملک نظام الملک مسجد جمعہ در کوشک شکار۔ مسجد اندر پت۔

یہ آٹھوں مسجدیں بیحد بزرگ اور اس قدر بڑی تھیں کہ ہر مسجد میں دس ہزار نمازی عبادت کر سکتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ کے چہل سالہ دور حکومت میں شہر دہلی و فیروز آباد میں ہمیشہ پانچ کوس کا فاصلہ رہا۔

خلائق شہر اپنی ضروریات کے پورا کرنے اور نیز اپنے دیگر تعلقات کی وجہ سے دہلی سے فیروز آباد آتے اور اسی طرح فیروز آباد سے دہلی جاتے تھے۔

غرضکہ اس پانچ کوس کی مسافت میں جو دہلی و فیروز آباد کے درمیان میں تھی۔ خلائق کی آمد و رفت شبانہ روز مور و ملخ کی طرح جاری تھی۔

آمد و رفت کے لئے بیگاریوں کا گروہ، سواریاں و جانور اور گھوڑے تیار رہتے تھے۔

جس وقت بھی کوئی شخص دہلی سے فیروز آباد، فیروز آباد سے دہلی کی روانگی کا ارادہ کرتا تو گاڑی، بیل یا گھوڑا، جو سواری وہ پسند کرتا، اختیار کر کے چند جیتل مقررہ کرایہ ادا کرتا تھا اور ایک ہی وہلہ میں اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتا تھا۔

اس کے علاوہ کہاروں کا ایک گروہ ڈولہ لیئے ہوئے ہر وقت حاضر رہتا تھا اور جو شخص چاہتا ڈولے پر سوار ہوتا تھا۔

فی کس کرایہ گاڑی کا چار جیتل اور بیل کا چھ جیتل اور گھوڑے کا بارہ اور ڈولے کا نیم تنگہ مقرر تھا۔ غرضکہ اسی طریقے پر چالیس سال کامل یہ راہ جاری رہی اور مزدوروں کا ایک گروہ شہر سے نزدیک و دور کرائے میں مشغول ہوتا تھا۔ اور اُن کی زندگی بخوبی بسر ہوتی تھی۔

سبحان اللہ ایسا آباد و معمور شہر جو آسمان کبود کے نیچے دار الملک دہلی کے نام سے مشہور ہے، خدا کی مشیت اور اُس کے حکم سے اس درجہ تباہ و برباد ہو گیا اور اس شہر کی خلقت و رعایا مرضی و تقدیر الٰہی کے مطابق مغلوں کے ہاتھ سے تباہ و تاراج ہوئی اور باقی ماندہ اطراف میں آوارہ وطن ہو گئی۔ سچ یہ ہے کہ خدا کی مشیت و مرضی میں دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔

نواں باب ۹

ظفر خاں کی فریاد رسی

فیروز شاہ حصار فیروزہ کی تکمیل میں حد سے زیادہ کوشش کر رہا تھا کہ خان اعظم ظفر خاں سنار گاؤں سے قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔

اس امیر کی حاضری کا قصہ معتبر روایت کے مطابق یہ ہے کہ شمس عفیف سے راست گفتار اشخاص نے یہ بیان کیا کہ ظفر خاں بادشاہ سنار گاؤں مسمی سلطان فخر الدین کا داماد تھا۔ واضح ہو کہ سنار گاؤں تخت گاہ پنڈوہ سے قبل کا آباد کیا ہوا ہے، اور اس لئے فاصلے پر ہے۔ فیروز شاہ کی اوّل واپسی کے بعد سلطان شمس الدین کشتی میں سوار ہو کر چند روز میں سنار گاؤں پہنچا۔

سلطان فخر الدین جس کو عام اشخاص فخرا کہتے ہیں سنار گاؤں میں مطمئن زندگی بسر کر رہا تھا۔ سلطان شمس الدین نے فخر الدین کو گرفتار کیا اور پھر قتل کر ڈالا۔ اور سنار گاؤں پر قابض ہو گیا۔

سلطان فخر الدین ان حوادث میں مبتلا ہوا اور اُس کے اعوان و انصار متفرق و پراگندہ ہو گئے۔ ظفر خاں اس زمانے میں تمام عمال کے کارناموں کی تحقیقات اور تحصیل مال کے لئے مملکت سنار گاؤں میں دورہ کر رہا تھا۔

ظفر خاں نے یہ داستان سُنی تو بید کی مانند خوف سے لرزنے لگا۔

خان مذکور سنار گاؤں سے فرار ہو کر جہاز میں سوار ہوا اور دریا کی مشکل و خطرناک راہ طے کر کے ایک مدت کے بعد بہزار دقت و خرابی ٹھٹھ میں وارد ہوا اور ٹھٹھ سے دہلی پہنچا۔

مختصر یہ کہ ظفر خاں نے بادشاہ کی قدمبوسی حاصل کی اور اس امیر کے حالات کا معروضہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا

فیروز شاہ اُس زمانے میں حصار فیروزہ میں مقیم تھا۔

بادشاہ نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ دربار عام آراستہ کیا، اور ہر شخص کو باریابی عطا کی۔

تمام خان وملوک بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ہر شخص اپنے مناسب مقام پر استادہ ہوا۔

مؤرخ عفیف نے ظفر خاں کی حاضری وپائے بوسی کا قصہ اپنے والد ماجد کی زبان سے سنا جو اُس زمانے میں بادشاہ کے خادم خاص تھے۔

مؤرخ کے والد ماجد نے بیان کیا کہ ظفر خاں بادشاہ کے حضور میں لایا گیا اور خان مذکور نے محل حجاب سے آداب بجالایا۔

ظفر خاں آداب بادشاہی ورُعب دربار سے بے ہوش ہو گیا، اس لیے کہ اُس نے لکھنوتی میں کبھی ایسا دربار نہ دیکھا تھا۔ غرضکہ ظفر خاں نے ایک خدمتی سبیل بادشاہ کے حضور میں پیش کیا اور شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔

مختصر یہ کہ بادشاہ دیں پرور نے رحم وکرم سے کام لیا اور ظفر خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تم مطمئن رہو اور کسی طرح کا اندیشہ وخوف دل میں نہ لاؤ۔ اگرچہ تم نے بے حد شدائد برداشت کیے اور بے انتہا خوف وخطر کی وجہ سے تم پر خواب وخور حرام رہا ہے لیکن خدا کا شکر ادا کرو کہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے، تمھاری سنار گاؤں کی املاک سے دوچند تم کو یہاں عطا کی جائیں گی۔

غرض کہ ظفر خاں نے خاص بندگان بادشاہی کی طرح سر زمین پر رکھا اور فیروز شاہ کی تعریف میں چند کلمات عرض کیے۔ ظفر خاں نے عرض کیا کہ بندۂ مسکین اپنے وطن میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتا اور اہل اسلام کی حفاظت کر رہا تھا کہ سلطان شمس الدین زیدی نے جو بادشاہ کا ضرب خوردہ طمانچہ زدہ ونیز امیران بادشاہ سے شکست خوردہ ہے، مکاری سے کام لیا اور یکایک سنار گاؤں میں وارد ہو کر سلطان فخر الدین کو زندہ گرفتار کر لیا۔ پروردگار عالم نے اس بندۂ پروردگار کو دشمنوں کے شر سے نجات دی۔

فدوی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ سلطان شمس الدین سے میرا انتقام دُنیا کا کوئی تاجدار نہیں لے سکتا صرف اگر خداوند عالم وبادشاہ گیتی پناہ توجہ فرمائیں تو ممکن ہے کہ فدوی اپنی مُراد کو پہنچے۔

یہ بندہ تمام عالم میں سرگرداں و پریشان پھر کر خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے تاکہ حضرت شاہ اپنی مہابت بادشاہی سے اس مظلوم و مغموم کا انتقام دشمن سے لے لیں اور انصاف فرمائیں۔

ظفر خاں نے اپنی تقریر ختم کی اور بادشاہ نے نہایت عزت و جاہ کے ساتھ جواب دیا کہ تم مطمئن رہو اور دیکھو کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔

ظفر خاں اور اُس کے رفقاء نے شرف قدم بوسی حاصل کیا اور اُن کو زردوزی و زربفت خلعت عطا ہوئے۔

ظفر خاں کو اوّل ہی روز بادشاہ نے بصیغۂ جامہ شوئی تیس ہزار تنگے مرحمت کیے اور آئینِ سلطانی کے مطابق اُس کو ظفر خاں کا خطاب بھی عطا کیا۔

فیروز شاہ نے ظفر خاں اور اُس کے اعوان و انصار کے لئے چار لاکھ کی رقم بطور انعام مقرّر کی۔

ظفر خاں کے ہمراہ ہزار سوار اور بے شمار پیادے تھے۔

خان مذکور کو نائب وزیر کا عہدہ بھی عطا ہوا لیکن آخر میں یہ امیر مرتبۂ وزارت پر فائز ہوا، جیسا کہ مورّخ عفیف اس سے پیشتر تحریر کر چکا ہے۔

غرض کہ ظفر خاں بادشاہ کے حضور سے بے حد خوش و کامیاب واپس آیا اور فارغ البال و مرفہ الحال اپنے مقام پر زندگی بسر کرنے لگا۔

دوسرے روز آفتاب اُفق مشرق پر طلوع ہوا اور فیروز شاہ نے بے حد شان و شوکت کے ساتھ دربار عام کیا۔ ظفر خاں غمگین و رنجیدہ حاضر ہوا اور بے حد پریشانی کے عالم میں اُس نے تین بار زمین ادب کو بوسہ دیا۔

فیروز شاہ نے ظفر خاں کو دیکھ کر اُس سے دریافت کیا کہ میں تجھ کو تمام حاضرین میں زیادہ فکر مند پاتا ہوں۔ ظفر خاں نے بار دگر زمین ادب کو بوسہ دیکر عرض کیا کہ بادشاہ کو معلوم ہے کہ اہلِ غم سکون سے عاری اور مظلوم صبر سے مبرّا ہوتے ہیں اور ضبط و ثبات کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر بادشاہ اپنی عنایت خاص سے اس بندے پر رحم و کرم فرمائیں اور میرے احوال پر متوجّہ ہو کر فریاد رسی کریں تو البتّہ میری خاطر پریشان کو تسلّی ہو سکتی ہے۔

ظفر خاں نے بادشاہ کے حضور میں یہ تقریر کی اور فیروز شاہ نے اُس سے کہا کہ تم اس وقت

دہلی میں خان جہاں کے پاس جاؤ ہم بھی تمہارے عقب میں روانہ ہوتے ہیں۔ اور خدا کے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔

ظفر خاں نے بادشاہ سے رخصت ہو کر خانِ جہاں سے ملاقات کی اور اس امیر نے بھی خان مذکور پر نوازش فرما کر بے حد تسکین و تشفی کی۔

خانِ جہاں نے ظفر خاں کو چتر سبز میں جو علائی بارہ کا مقام تھا فروکش ہونے کی دعوت دی۔

چند روز کے بعد فیروز شاہ بھی دہلی سے برآمد ہوا اور خان جہان سے ظفر خاں کے متعلق گفتگو کی۔

فیروز شاہ نے خان جہاں سے کہا کہ ظفر خاں اپنا انتقام لینے ہمارے پاس حاضر ہوا ہے اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

خان جہاں نے عرض کیا کہ سلطان شمس الدین بادشاہ دین پناہ سے خائف ہوا اور چونکہ یہ فرماں روا صاحب قوت و شوکت تھا، اُس نے خیال کیا کہ جزائر اکدار میں قیام کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس فرماں روا نے یہ طے کر کے کہ سنار گاؤں تمام ممالک بنگالہ کے مقابلے میں قلب میں واقع ہے اس لئے اسی شہر میں قیام کرنا اور دشمن سے اپنے کو محفوظ رکھنا بہتر و مناسب ہے۔

اس خیال کی بنا پر شمس الدین نے سنار گاؤں پر حملہ کر کے اُس مُلک کو فتح کیا اور شہر پر خود قابض ہو گیا۔

سنار گاؤں کی رعایا پریشان و آوارہ وطن ہو کر بادشاہ عالم پناہ کی درگاہ میں فریاد رسی کے لئے حاضر ہوئی۔

اگر حضرت شاہ ملک بنگالہ میں تشریف لے جا کر اس ظالم کو سزا دیں گے تو حضرت کا نام نیک دُنیا میں باقی رہے گا اور تمام مخلوق ہمیشہ یہی کہے گی کہ فریاد رس فیروز شاہ نے مظلوم افراد کی فریاد رسی فرمائی۔

وزیر نے اپنی رائے عرض کی۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ تم خدا کی عنایت پر بھروسہ کر کے بنگال کے سامان و سفر کا انتظام کرو۔

دسواں باب ۱۰

دوسری بار لکھنوتی کی طرف روانگی

سلطان فیروز شاہ نے بار دوم لکھنوتی کا سفر کیا۔

اس مرتبہ بادشاہ نے آئین جہاں داری و مراسم بادشاہی کے مطابق حشم و لشکر کو انعام و اکرام سے مالامال کیا اور ہر خاص و عام پر نوازش فرمائی۔

غرض کہ بادشاہ کے جود و عطا سے ہر شخص رنج و غم سے آزاد ہو کر مطمئن سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔

پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اسی ہزار سوار و بے شمار پیادے اور چار سو ستر ہاتھی اور بند کشا کشتیاں فیروز شاہ کے ہمراہ تھیں۔

اس کے علاوہ اس مرتبہ بادشاہ کی سعی و کوشش سے بے حد اشخاص دہلی میں جمع ہوئے اور یہ گروہ بھی لکھنوتی کی مہم پر روانہ کیا گیا۔

اسی طرح دو دہلیز اور دو بارگاہ دو خوابگاہ، دہلیز مطبخ و مراتب اور ایک سو اسی نشان ہر قسم کے اور شتری و خری وا پچی چوراسی دمامہ اور طبل بادشاہ کے ہمراہ تھے۔

غرض کہ بادشاہ اس شان و شوکت و جاہ و جلال کے ساتھ روانہ ہوا، اور اس کے ہمراہ جرار لشکر جس میں نامور و مشہور جنگجو و بہادر سپاہی شامل تھے، بنگالے کے سفر میں ساتھ ہو گئے۔

خان جہاں جو صاحب فہم و فراست وزیر تھا، بادشاہ کی نیابت میں دہلی میں مقیم رہا۔

خان اعظم تاتار خاں چند منزل بادشاہی نشان کے ہمراہ سفر کرتا رہا اور اس کے بعد بادشاہ نے اس کو حصار فیروزہ کی جانب واپس کر دیا۔

اس زمانے میں مورخ عفیف کے والد نے جو بادشاہ کے مقرب ملازم و اہل دربار تھے خاکسار عفیف سے بیان کیا کہ تاتار خاں کو واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فیروز شاہ آغاز جلوس میں گاہ گاہ شغل شراب کرتا تھا اور اس بادہ نوشی میں احتیاط برتتا تھا۔

اتفاق سے ایک روز نماز صبح کے بعد بادشاہ کے لئے شراب لائی گئی۔
یہ عجیب وغریب شراب تھی۔
یہ شراب مختلف رنگ کی ہوتی اور زعفرانی ولال وسپید ہر طرح کا بادہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوتا تھا، جس کا مزہ بے حد شیریں و خوش گوار ہوتا تھا۔
بادشاہ کی طرح شاہی اُمراء و اہل دربار بھی مختلف قسم کی شراب استعمال کرتے تھے۔
فیروز شاہ نے نماز و وظائف سے فراغت حاصل کرکے بادہ نوشی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس وقت پاسبان نے تاتارخاں کی حاضری کی اطلاع دی۔
فیروز شاہ تاتارخاں کی آمد سے بے حد ناخوش ہوا اور شہزادہ فتح خاں کو روانہ کیا کہ تاتارخاں سے معذرت کرکے اُس کو واپس کردے۔
فتح خاں نے ہر چند اصرار کیا کہ تاتارخاں واپس ہو لیکن اس امیر نے واپسی سے انکار کیا۔ تاتارخاں بارگاہ شاہی کے روبرو بیٹھ گیا اور کہا کہ مجھ کو ایک ضروری معروضہ پیش کرنا ہے میری حاضری ضروری ولابدی ہے۔
فیروز شاہ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی۔
بادشاہ اُس وقت شیر کی طرح پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن تاتارخاں کو اپنے حضور میں طلب کرنے کے بعد پلنگ سے اُترا اور ہنا نیچے پر بیٹھ گیا اور شراب کے ظروف پلنگ کے نیچے پوشیدہ کردیئے اور پلنگ پر ایک چادر بچھادی۔
تاتارخاں حاضر ہوا اور اُس نے پلنگ کے نیچے نظر کی اور دیکھا کہ علامات بادہ خواری موجود ہیں۔
خان مذکور اپنے دل میں بے حد فکرمند ہوا اور کچھ دیر تک سرِ در گریباں بادشاہ کے روبرو بیٹھا رہا۔
اس مدت میں نہ بادشاہ نے ایک لفظ کہا اور نہ تاتارخاں نے کچھ عرض کیا۔
تھوڑی دیر کے بعد تاتارخاں نے مُہرِ سکوت توڑی اور بہی خواہوں کی طرح عرض کیا کہ ہم اس وقت حریف سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں، اس وقت خلوص قلب سے توبہ کرنا لازم ہے۔
یہ وقت توبہ واستغفار کا ہے، اس محل برکات سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے اور

ہر لمحہ خدا کی بارگاہ میں دعا کرنا مناسب و یقینی ہے۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ شاید میری ذات میں تم نے ناپسندیدہ اوصاف ملاحظہ کیے ہیں جو اس قسم کی تقریر کر رہے ہو، ورنہ اس موقع پر اس گفتگو کا کیا محل ہے۔

تاتار خاں نے عرض کیا کہ بندے کو پلنگ کے نیچے علامات مے خواری نظر آتے ہیں۔

فیروز شاہ نے جواب دیا کہ ظفر خاں مجھ کو گاہ گاہ مے نوشی کا خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا شغل کرتا ہوں۔

تاتار خاں نے بار دگر عرض کیا کہ یہ موقع توبہ و استغفار کا ہے۔ اس وقت ان مکروہات میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے تاتار خاں سے فرمایا کہ میں بقسم عہد کرتا ہوں کہ جب تک تم لشکر شاہی میں رہو گے میں ہرگز مے نوشی نہ کروں گا۔

تاتار خاں نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے واپس آیا۔

فیروز شاہ نے تاتار خاں کو رخصت کرنے کے بعد اس گفتگو پر غور کیا۔

بادشاہ کو خیال ہوا کہ تاتار خاں نے شاہی رعب و داب و بادشاہی عظمت و جلال کا لحاظ نہ کیا اور بے ادبانہ گفتگو کی۔

غرضکہ چند روز اس گفتگو کو گزرے اور فیروز شاہ نے کہا کہ چونکہ حصار فیروزہ دور ہے اور اس نواح میں اشرار کا مجمع بہت ہے، اس لئے اس حصۂ ملک کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔ بادشاہ نے تاتار خاں کو حصار فیروزہ پر متعین کیا تاکہ وہاں کی مخلوق اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اور تاتار خاں بادشاہ سے رخصت ہو کر حصار فیروزہ روانہ ہوا۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ خدا کی اعانت و کرم سے بہرہ اندوز ہو کر اودھ اور قنوج کے درمیان سفر کرتا ہوا جون پور پہنچا۔

اس زمانے تک جونپور آباد نہ ہوا تھا۔ بادشاہ اس مقام پر پہنچا اور خوشگوار مقامات و دل نشین صحرا دیکھ کر فیروز شاہ نے ارادہ کیا کہ اس مقام پر ایک عالی شان شہر آباد کرے۔

فیروز شاہ نے چھ ماہ یہاں قیام کیا اور دریائے گومتی کے کنارے پر شہر آباد کیا اور سلطان محمد بن تغلق شاہ کے نام پر شہر کو موسوم کیا۔

چونکہ سلطان محمد کا نام جونا بھی تھا، شہر بھی جونان پور مشہور ہوا۔

بادشاہ نے خان جہاں کو دہلی میں اس واقعے سے اطلاع دی اور شہر کی حکومت خواجۂ جہاں یعنی سلطان الشرق کو عطا کی۔

مورخ خواجۂ جہاں کے ابتدائی و انتہائی حالات سلطان محمد کے تذکرے میں معرض بیان میں لائے گا۔

غرض کہ فیروز شاہ نے چھ ماہ کے بعد جون پور سے بنگالے کا رُخ کیا اور متواتر کوچ کرتا ہوا جلد سے جلد بنگالہ پہنچا۔

اس زمانے میں سلطان شمس الدین نے وفات پائی اور اس کا فرزند سلطان سکندر باپ کا جانشین ہوا۔ سلطان سکندر نے فیروز شاہ کی آمد کی خبر سنی اور بادشاہی لشکر و حشم کے خوف سے مع اپنی تمام فوج کے جزائر اکدابہ کے درمیان روپوش ہو گیا۔

فیروز شاہ نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ تمام جزیرے کا محاصرہ کر لیا۔

بادشاہ تمام لشکر کو آراستہ کر کے جنگ و جدل کا منتظر تھا اور بے حد ہوشیاری کے ساتھ فوج و حشم کی حفاظت کر رہا تھا۔

گیارھواں باب

سلطان سکندر کی حالت

نقل ہے کہ فیروز شاہ بنگالے میں پہنچا ہوا اور حاکم بنگالہ بادشاہ کے خوف سے جزائر اکدابہ میں پناہ گزیں ہوا۔

فیروز شاہی لشکر نے جزیرے کا محاصرہ کر لیا اور جنگ و قتال کا انتظار کرتا رہا۔

ہر جانب سے عرادہ و منجنیق کے ذریعے سے حصار کے روبرو تیر و ناوک کی بارش ہونے لگی۔

غرضکہ فریدون و گیو کے مانند ہر روز متواتر جنگ ہونے لگی۔

چونکہ سلطانی لشکر حصار کے اندر سے باہر نہ آسکتا تھا' اس لیے شب و روز جانبین کے جنگ جو سپاہی قتال کا انتظار کر رہے تھے۔

تقدیر الٰہی سے ایک روز حصار اسکندریہ کا ایک بُرج گرا جس کی وجہ یہ تھی کہ بالا حصار کے پناہ گزیں افراد بہ کثرت جمع تھے' جن کا بار برج نہ سنبھال سکا اور گر پڑا۔

برج حصار کے گرتے ہی فیروز شاہی فوج درمیان میں آ گئی اور دونوں لشکروں میں شور برپا ہو گیا۔

طرفین نے جنگ کی تیاری کر کے معرکہ آرائی کا ارادہ کیا۔

اس شور و بے شمار غوغے کی آواز فیروز شاہ کے کان تک پہنچی اور اس نے حاضرین درگاہ کی طرف نظر کی۔ اس درمیان میں شاہزادہ فتح خاں نے عرض کیا کہ ممکن ہے کہ بنگالے کا لشکر ہماری فوج پر حملہ آور ہوا ہو۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ شاہی جامہ لائیں اور بادشاہ خود سوار ہو گا۔

غرضکہ فیروز شاہ نے جامہ و چہالیس پہر کالہ اسلحہ جسم پر لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شور گاہ کی طرف چلا۔ اس اثنا میں میدان کارزار کا شیر یعنی حسام الملک ابن نوا دور سے نمودار ہوا اور جلد سے جلد بادشاہ کے قریب پہنچ گیا۔

اس امیر نے عرض کیا کہ خلائق کی کثرت کی وجہ سے حصار کا شہ بُرج گر گیا ہے اگر بادشاہ ارشاد فرمائیں تو ہماری فوج فوراً بالائے حصار پہنچ کر حریف پر غالب آئے اور اس کو تباہ و تاراج کرے۔

فیروز شاہ نے یہ سُن کر تامل کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ حسام الدین بغیر ہمارے لشکر کے حصار میں داخل ہونے کے یہ قلعہ فتح ہو جائے تو بہتر و مناسب ہے اس لیے کہ اہل حصار کو تاراج کرنے میں اس امر کا احتمال ہے کہ ہزار ہا باعفت و پردہ نشین خواتین بدکار و ناہل افراد کا شکار ہوں گی' تم آج کے دن صبر کرو اور خدا کے حکم کے منتظر رہو۔

اُس روز تمام فوج سلطانی بالائے حصار جانے کی منتظر تھی' لیکن بادشاہ کا حکم سُنتے ہی ہر شخص اپنے مقام پر رُک گیا۔

غرض کہ دن تمام ہوا اور شب کے وقت ماہتاب طلوع ہوا اور اہل حصار نے

شاباش باہم دگر محنت و مشقت کر کے برج کو درست کر لیا اور کارزار کے لئے مستعد ہوئے معتبر و راست گفتار راویوں نے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ حصار اکدا بہ گلبن قلعہ تھا جس کے اوپر برج تیار کیا گیا تھا اور جانبین کا لشکر جنگ و جدال میں مشغول تھا۔

غرض کہ چند روز دونوں فریاں ردا معرکہ آرائی میں مصروف رہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن آخر میں حصار کے اندر چارہ و غلہ کم ہوا اور اہل بنگالہ کو فکر لاحق ہوئی۔

ادھر فریقین کے بہادر سوار و پیادے جنگ و جدال سے تنگ آئے، لیکن آخر میں اللہ تعالیٰ نے صلح کی راہ پیدا فرمائی جیسا کہ خواجہ نظامی نے فرمایا ہے۔

بارھواں باب ۱۲

سلطان سکندر کا فیروز شاہ سے صلح کرنا

نقل ہے کہ سلطان سکندر محاصرے سے بے حد پریشان ہوا اور اپنی جان سے بیزار ہو گیا۔

سکندر شاہ نے اپنے مآل کار پر غور کیا اور وزراء سے مشورہ طلب کیا۔

سکندر شاہ نے کہا کہ ہماری رعایا سخت مشکل میں گرفتار ہے۔ ایسی حالت میں غور و فکر سے کام لے کر اس اژدہے کو ملک سے باہر کرنا چاہئے۔

سکندر کے اہل دربار نے عرض کیا کہ عالم اسباب کا مقررہ قاعدہ ہے کہ زیردست کبھی بالادست افراد پر غالب نہیں آئے اور ظاہر ہے کہ خدا کی مشیت و پروردگار کی مرضی کا تقاضا یہی ہے۔ اگر بادشاہ ارشاد فرمائیں تو ہم کسی معتبر شخص کو وزرائے فیروز شاہی کے دربار میں گفتگوئے صلح کے لئے روانہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو نرمی و نصائح سے خلقت کو محفوظ رکھیں۔

سلطان سکندر نے اس تقریر کا جواب نہ دیا اور خاموش ہو رہا۔
وزرائے سکندری بادشاہ کے دربار سے رخصت ہوئے اور باہم مشورہ کیا۔
ان وزرار میں یہ طے پایا کہ بادشاہ نے اگرچہ صراحۃً ہماری تقریر کا جواب نہیں دیا ہے لیکن ہماری گفتگو سن کر سکوت فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ سکوت نیم رضامندی کی علامت ہے۔

غرض کہ سلطان سکندر کے وزیروں نے ایک صاحب فہم و فراست شخص کو وزرائے فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ کر کے نہایت نرم و نصیحت آمیز پیام سے صلح کی گفتگو ان الفاظ میں شروع کی کہ ہماری عقل میں نہیں آتا کہ اس جنگ و جدال کا جس میں طرفین سے اہل اسلام قتل و ہلاک ہوں، سبب کیا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر بادشاہان صاحب جاہ کینہ پروری یا کسی دوسرے سبب سے دشمن سے معرکہ آرائی کریں اور اس جنگ و جدال میں مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وزرائے صاحب عقل کا فریضہ ہے کہ اپنی فہم و فراست و نیز خوبی سیاست سے بادشاہ کو ایسی معرکہ آرائی سے باز رکھیں۔

ظاہر ہے کہ سلطان فیروز شاہ نے دیگر سلاطین جہاں کشا کی تقلید کی اور اس ملک پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ کے حملہ کرتے ہی شمشیر زنی شروع ہوئی اور اہل اسلام و ذمّی و آفاقی، غرض کہ ہر گروہ کو شدید مضرت و نقصان پہنچنا شروع ہوا۔

آپ حضرات کو، جو فیروز شاہ کے وزرا و ندیم ہیں، لازم ہے کہ بادشاہ کو نصائح کر کے اس ملک سے واپس فرما دیں۔ ہم یہ بھی عرض کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ سلطان سکندر ماسوا خیال صلح کے اور دوسرا ارادہ نہیں رکھتا۔

غرضکہ شاہ بنگالہ کے وزرا نے فیروز شاہی مقرب اہل دربار کو ان الفاظ میں اور مثل دوستان ہی خواہ کے نصیحت کی اور فیروز شاہی وزرا مثل نیک خواہ احباب کے ایک مقام پر جمع ہوئے اور اپنی فہم و فراست و عقل و سیاست کی بنا پر اس رائے پر متفق ہوئے کہ عقل و ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سلطان سکندر کے وزرا کی نصیحت اور ان کے پیغام صلح کو مناسب الفاظ میں عرض کر کے انتظار کریں۔

غرض کہ وزرا و مقرب اہل دربار فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

سلطان سکندر کے وزرار نے بادشاہ کے جاں نثار گروہ کو پیغام دیا ہے۔ اگر بادشاہ کا حکم ہو تو ہی خواہ دولت پیغام مذکور حضرت کے حضور میں عرض کریں۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ ضرور بیان کرو اور حتی الوسع راست گفتاری سے کام لو۔

وزرار نے عرض کیا کہ حریف نے عاجزانہ طریقہ اختیار کیا ہے اور بے حد منت وزاری کی ہے، ایسی حالت میں اس کے عجز کا لحاظ رکھنا مناسب ہے اور اُس کے الفاظ و پیغام کو قبول کرنا ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ سلطان سکندر صلح کا خواہاں ہے اور اگر حضرت شاہ بھی جنگ سے کنارہ کشی فرمائیں تو اہل اسلام کے درمیان جو جنگ و جدال ہو رہی ہے وہ قطعاً موقوف ہو جائے۔

فیروز شاہ یہ تقریر سُن کر خاموش ہوا اور غور و فکر کرنے لگا۔

بادشاہ نے بے حد تامل کے بعد فرمایا کہ تم وزرار کی رائے معاملات سلطنت و اُمور جہاں داری میں عین میری رائے ہے، اس لئے کہ تم سلطنت کے ویسے ہی ہی خواہ ہو جیسا کہ ہیں۔ لیکن صلح کی شرط یہ ہے کہ خان اعظم ظفر خاں کو سنار گاؤں کا تخت حکومت عطا کیا جائے۔

فیروز شاہ نے مشروط صلح کو منظور فرمایا اور مقربان شاہی بادشاہ سے رخصت ہوئے اور اُنھوں نے مشروط صلح سے وزرائے سلطان سکندر کو اطلاع دی۔

سکندری وزرار نے بے حد عاجزی کے ساتھ تحریر کیا کہ ایک معتبر شخص بطور قاصد روانہ کیا جائے تاکہ دونوں فرماں رواؤں کے درمیان صلح بخوبی طے پا جائے۔

غرضکہ اس جانب سے خان اعظم ہیبت خاں بطور قاصد صلح کا پیغام لے کر شاہ بنگالہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

ہیبت خاں نے پیشتر سلطان سکندر کے وزرار سے ملاقات کی اور تمام وزرار جمع ہو کر خان مذکور کو سکندر خاں کے حضور میں لے گئے۔

اگرچہ سکندر خاں کو جانبین کے وزرار کی گفتگو کا بخوبی علم تھا لیکن قصداً اپنے کو بے خبر ظاہر کیا۔

ہیبت خاں نے سلطان سکندر کے حضور میں حاضر ہو کر بے حد فصیح و شیریں الفاظ میں

بادشاہ کی تعریف کی اور زمین خدمت کو بوسہ دے کر ایلچیوں کی طرح مؤدب استادہ ہو گیا۔
صحیح روایت ہے کہ ہیبت خاں خود بھی بنگال کا باشندہ تھا اور اُس کے دو فرزند سکندر خاں کے ملازم تھے۔

ہیبت خاں نے بے حد عقل و فراست کے ساتھ صلح انگیز و محبت خیز گفتگو کی۔
اس موقع پر سلطان سکندر نے کہا کہ حضرت فیروز شاہ میرے مخدوم و ولی نعمت و میرے عم بزرگوار ہیں، میری یہ مجال نہ تھی کہ میں ممدوح کے مقابلے میں معرکہ آرائی کروں۔
ہیبت خاں نے قاصدانہ انداز میں جو کچھ بادشاہ سے عرض کیا بے حد مناسب و برمحل تھا خان مذکور نے نرم و گرم ہر قسم کے الفاظ میں تقریر کی۔
ہیبت خاں نے یہ معلوم کر کے کہ سلطان سکندر نے بھی الفاظ صلح انگیز میں تقریر کی، عرض کیا، سلطان فیروز شاہ کے اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ سنارگاؤں کی حکومت ظفر خاں کو عطا فرمائیں۔
اس تقریر میں سلطان سکندر نے اور زیادہ محبت انگیز جواب دیا اور فرمایا کہ اگر عم نامدار کا یہ منشا ہے تو میں بھی اُس کو قبول کرتا ہوں اور سنارگاؤں ظفر خاں کو عطا کرتا ہوں۔
اگر حضرت شاہ کا صرف یہی مقصد تھا تو اس کے لئے اس قدر مشقت کیوں گوارا فرمائی، حضرت شاہ دہلی سے اس مضمون کا فرمان صادر فرماتے اور حضرت کے حکم کی تعمیل میں سنارگاؤں ظفر خاں کے حوالے کر دیا جاتا۔
ہیبت خاں بے حد خوش و مطمئن واپس ہو کر سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان سکندر کی گفتگو حرف بحرف بادشاہ سے عرض کی۔
فیروز شاہ نے دریافت کیا کہ سنارگاؤں کے بارے میں سکندر خاں نے کیا گفتگو کی۔
ہیبت خاں نے عرض کیا کہ سلطان سکندر نے جواب دیا ہے کہ اگر حضرت شاہ کی مرضی یہی ہے کہ ظفر خاں سنارگاؤں کی حکومت پر فائز ہو، تو مجھ کو کوئی عذر نہیں ہے حضرت اسی وقت ظفر خاں کو سنارگاؤں کی حکومت عطا فرما سکتے ہیں۔
فیروز شاہ اس تقریر سے بے حد خوش ہوا اور فرمایا کہ آج کے بعد سے خدا کے فضل و کرم سے ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کن نہ ہوگی۔
فیروز شاہ نے فرمایا کہ سلطان سکندر میرا برادرزادہ ہے اور امید ہے کہ ہم دونوں

فرماں رواؤں کے دائرۂ حکومت میں خدا کے فضل و کرم سے ہمیشہ امن وسکون رہے گا۔
غرضکہ ہیبت خاں فیروز شاہ کے حضور میں واپس آیا اور راز کی گفتگو شروع کی اور عرض کیا کہ حضرت شاہ کے رعب و جلال سے سلطان سکندر بے حد مضطر و پریشان ہے۔ اگر حضرت شاہ شاہان نیک نام کی تقلید فرما کر کوئی شئے بطور انعام عطا فرمائیں تو مناسب ہے۔ سلطان سکندر خود ایسی عنایت و مہربانی کا طالب ہے، اور اُمیدوار ہے کہ حضرت کی ایسی شاہانہ نوازش کے معاوضے میں سلطان سکندر بھی حضرت کی خدمت بجالائے گا۔
فیروز شاہ نے ایک بندۂ درگاہ مسمی ملک قبول کو جو تورا باند کے عرف سے مشہور تھا حصار اکدالہ میں روانہ کیا۔
بادشاہ نے تورا باند کی معرفت ایک کلاہ دولت قیمتی اسی ہزار تنگہ جو مرصع و جواہر نگار تھی، اور پانچ اسپ تازی بطور تحائف روانہ کیئے۔
فیروز شاہ نے ملک قبول کو ہدایت کردی کہ سلطان سکندر سے کہہ دے کہ آیندہ سے ہمارے اور اُس کے درمیان تلوار نہ چلے گی۔
غرض کہ سلطان فیروز شاہ نے سفر کر کے دو منزل پر قیام کیا۔
ملک قبول حصار کے اندر گیا اور معتبر روایت کے مطابق خندق حصار کے کنارے جس کا عرض بیس گز تھا کھڑا ہوا۔
اس موقع پر ملک قبول نے اپنی حیرت کا اظہار کیا اور بے حد سعی و کوشش سے اپنے گھوڑے کو کاوادے کر چابک ماری تو گھوڑا کود کر خندق کے اُس پار آگیا۔
ملک قبول کے اس فعل سے تمام اہل بنگالہ حیران و متعجب ہوئے۔
مختصر یہ کہ ملک قبول شاہ بنگالہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور زمین بوس ہو کر سات مرتبہ اُس کے تخت کے گرد گھوما اور کلاہ دولت جو فیروز شاہ نے روانہ کی تھی سلطان سکندر کے سر پر رکھی اور خلعت پہنایا۔
ملک قبول نے عرض کیا، آپ اور سلطان فیروز دونوں نیک نفس تاجداروں میں کیونکر دشمنی ہوسکتی ہے اس لئے کہ فیروز شاہ آپ کا عم نامدار اور آپ اُس کے برادر زادہ ہیں۔ اگر بادشاہ اپنی تاثیر محبت سے آپ کے ملک میں بطور مہمان تشریف لائے تو

کیا مضائقہ ہے۔
جو شخص آپ حضرات کے درمیان کسی قسم کی عداوت و مخالفت کی گفتگو کرے اُس کا چنداں اعتبار نہیں ہے۔ اور آپ دونوں فرماں رواکو باہم دگر جنگ و جدال نہ کرنا چاہیئے
سلطان سکندر نے سوال کیا کہ تمھارا کیا نام ہے ؟ ملک قبول نے ہندی میں جواب دیا کہ مجھ کو تورا باندا کہتے ہیں۔ سلطان سکندر نے کہا کہ تمھارے ایسے کس قدر غلام اُس کے دربار میں موجود ہیں۔ ملک قبول نے عرض کیا کہ میرا مرتبۂ غلامی دویم ہے۔ میرے ایسے دس ہزار بندگان دولت تیغ دار دوم مرتبہ کے موجود ہیں۔
سلطان سکندر اس گفتگو سے حیران ہوا اور اس صلح سے بے حد خوش ہوا اور اُس کو اطمینان قلب حاصل ہوگیا۔
سکندر شاہ نے چالیس عدد ہاتھی اور دیگر بے شمار قیمتی اسباب بطور تحفہ روانہ کرکے یہ پیغام دیا کہ حضرت یقین رکھیں کہ اگر اس برادر زادے پر بادشاہ اسی طرح شفیق و مہربان رہیں تو ہر سال تحائف روانہ کرنے کی رسم جاری رکھی جائے۔
سبحان اللہ جب تک دونوں بادشاہ زندہ رہے کلاہ دولت و نیز ہر قسم کے تحائف ارسال کرنے کا طریقہ جانبین سے جاری رہا۔ چنانچہ اس واقعے سے دونوں مملکتوں کی رعیت واقف و آگاہ ہے۔
غرض کہ سلطان سکندر نے چالیس ہاتھی مع دیگر نفائس کے روانہ کرکے اپنے حالات سے اطلاع دی۔ یہ تحائف فیروز شاہ کی خدمت میں پہنچے اور بادشاہ بے حد خوش ہوا اور ایک ہاتھی ملک قبول کو عطا کیا۔ فیروز شاہ ان تحائف کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور ملک قبول نے عرض کیا کہ سلطان سکندر نے عرض کیا ہے کہ اگر بادشاہ ظفر خاں کو سنار گاؤں روانہ فرمائیں تو میں اُس ملک سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔
فیروز شاہ نے ظفر خاں کو طلب فرما کر اُس کو حقیقت حال سے اطلاع دی اور فرمایا کہ اگر تم مصلحت خیال کرو تو میں مع اپنے تمام لشکر کے ان حدود میں قیام کروں اور تم سنار گاؤں روانہ ہو۔
ظفر خاں نے اپنے یارانِ مجلس سے مشورہ کیا اور ہر شخص نے یہ جواب دیا کہ اگر آپ اس زمانے میں سنار گاؤں روانہ ہوں گے تو وہاں قیام کرنا مشکل ہو جائے گا اس لیئے کہ

خیل خانے کے تمام آشنا و بیگانہ افراد تلف ہو گئے ہیں۔
ظفر خاں نے فیروز شاہ سے عرض کیا کہ خداوند عالم کی خدمت میں ہیں اور میرا تمام خیل خانہ دہلی میں اس قدر آرام و آسائش سے ہے کہ جانور سے سنارگاؤں تک تمام حصہ ملک قلوب سے فراموش ہو گیا ہے۔
یہ بندۂ درگاہ قطعاً مطمئن ہے۔ ہر چند کہ فیروز شاہ نے اصرار کیا لیکن ظفر خاں نے انکار کیا اور سنارگاؤں نہ گیا۔
فیروز شاہ اس مقام سے اپنے ملک کو واپس ہوا اور فرمان مرحمت و پروانہ جات شفقت، خان جہاں کے نام ارسال فرمائے۔ چند روز کے بعد فیروز شاہ جون پور پہنچا اور جون پور سے جاج نگر کی طرف روانہ ہوا۔
اسی زمانے میں لکھنوتی سے چالیس ہاتھی پہنچ گئے اور بادشاہ تمام ہاتھیوں کے ہمراہ جاج نگر روانہ ہو گیا۔

۱۳ تیرھواں باب
جون پور سے جاج نگر کی طرف روانگی

فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم سے بنگالے سے جون پور روانہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اب جاج نگر روانہ ہو۔
بادشاہ نے از سر نو لشکر مرتب کیا اور اُس کے ارادے سے واقف ہو کر تمام عمال درگاہ و خدام دولت نے سامان سفر درست کیا۔
ہر اہل لشکر نے تیاری و درستی سامان میں بے حد سعی و کوشش کی۔
فیروز شاہ نے بنگاہ کڑہ میں چھوڑی اور خود کڑہ سے جاج نگر روانہ ہوا اور بہار کا ملک طے کر کے جاج نگر پہنچا۔
ولایت جاج نگر بے حد خوش حال مُلک و معمور ہے اور یہاں کی رعایا مطمئن اور

خوش حال ہے۔

بادشاہ کے اس سفر میں مورّخ کے والد ماجد ہم رکاب تھے اور ممدوح نے اس ملک کا حال اور یہاں کی نعمتوں کی تفصیل مورّخ سے اس طرح بیان کی ہے کہ ملک جاج نگر تعجب خیز دیلے حد سرسبز ہے۔

اس ملک میں غلہ و میوہ اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ تمام لشکر و جانور سیر و آسودہ ہوگئے۔

جاج نگر میں وارد ہوتے ہی لشکر کی تمام ماندگی و خستگی رفع ہوگئی اور بادشاہ نے نہایت اطمینان و مسرّت کے ساتھ بنارسی قیام کیا۔

اُس زمانے میں ادسیر (ادایہ) نام رائے جاج نگر نے کسی مصلحت ملک کی بنا پر بنارسی کی سکونت ترک کرکے کسی دوسرے شہر میں سکونت اختیار کی تھی

فیروز شاہ نے بنارسی میں قیام کیا۔

معتبر راویوں نے مورّخ ضعیف شمس سراج عفیف سے اس طرح بیان کیا ہے کہ حصار بنارسی کا دور تیس کوس ہے۔

جاج نگر کے راجاؤں نے، جو قوم کے برہمن تھے، اس امر کو بطور فال نیک اختیار کیا تھا کہ ہر جدید فرماں روا اس حصار کے دور میں اضافہ کرے۔

غرض کہ ہر رائے جو تخت حکومت پر قدم رکھتا حصار بنارسی کی عمارت میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ کرتا تھا جس کی وجہ سے یہ قلعہ ایک بزرگ حصار بن گیا تھا۔

راجہ جاج نگر کو معلوم ہوا کہ فیروز شاہی لشکر اُس کے ملک میں آگیا اور راجہ نے خائف ہوکر خچار کی سواری اختیار کی اور درمیان کے درمیان ایک مقام قلب میں پناہ گزیں ہوا۔

راجہ کی تمام ولایت پراگندہ ہوئی اور اُس کی رعایا کا بیشتر حصّہ اسیر ہوا اور بعض نے پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کی اور بردے اور جانور بطور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

کہتے ہیں کہ اس قدر جانور تمام قسم کے جمع ہوئے کہ کوئی شخص اُن کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

ایک بردہ کی قیمت ایک جیتل تک پہنچ گئی اور جانور تمام قسم کے جمع ہوئے کہ کوئی شخص اُن کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

مویشی اس قدر کثرت سے جمع ہو گئے کہ اُن کا شمار مشکل ہو گیا۔ ہر منزل میں جہاں کہیں کہ قیام ہوتا اہل لشکر گوسفند لاتے اور اُن کو ذبح کرتے اور جس قدر جانور باقی رہتے اُن کو فرودگاہ میں چھوڑ دیتے۔

دوسری منزل میں دوسرے جانور دستیاب ہو جاتے تھے۔

ان سطور کے تحریر میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی حکمت سے اُس سرزمین میں نعمت دُنیاوی کی اس درجہ کثرت تھی کہ حدِ بیان سے باہر ہے۔

معتبر راویوں نے مورّخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ اس ملک کی رعایا کے مکانات اس قدر وسیع و کشادہ تھے کہ احاطۂ مکان میں باغات تھے جن میں بکثرت میوے پیدا ہوتے تھے۔

غرضکہ اندرون خانہ کشت و زراعت بھی کرتے تھے اور جائے سکونت مکان و کشت و باغ و ہر قسم کی زمین نظر آتا تھا۔ سُبحان اللہ کیسی پر نعمت و سرسبز زمین تھی کہ اس کی تعریف محال ہے لیکن تقدیر الٰہی سے اس سرزمین میں ایک مسلمان کا بھی وجود نہ تھا اور تمام اہل ملک غیر مسلم تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قیدخانہ اور غیر مسلم کے لئے باغ ہے۔

اگر بندۂ مومن تاج شاہی سر پر رکھ کر نعمت بادشاہی سے بھی بہرہ اندوز ہو تو بھی یہ تمام دولت و آرام جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں ہیچ ہے اور اگر غیر مسلم نانِ شبینہ کو بھی محتاج ہو تو دُنیا اُس کے لئے بہشت ہے کیونکہ عذاب آخرت جو روزِ قیامت میں نصیب ہو گا اُس کے مقابلے میں تکالیف دُنیاوی کی کوئی ہستی نہیں ہے نہ کہ مومن کو دُنیا میں فقر و فاقہ نصیب ہو اور غیر مسلم طرح طرح کی نعمتوں سے مالامال ہو۔

غرض کہ مومن کے لئے دُنیا خوب و بہتر نہیں ہے بلکہ اس کے لئے آخرت ہی نیک و باقی ہے۔ اور دُنیا فانی و چندروزہ ہے۔

غرضکہ فیروز شاہ نے رائے بیراج نگر کے تعاقب کے ارادے سے بنارسی سے

کوچ کیا۔

راجہ خوف و خطر کی وجہ سے اس سے قبل ہی فرار ہو چکا تھا اور دریا کے درمیان پناہ گزین تھا۔

راجہ نے ایک مست ہاتھی اپنے دربار کے روبرو چھوڑ دیا تھا کہ خلق اس تماشے میں مصروف ہو کر اس کے عقب میں نہ آسکیں۔

یہ ہاتھی اس قدر مہیب تھا کہ کوئی دوسرا ہم جنس جانور اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

تین روز فیروز شاہی لشکر نے اس ہاتھی کو گرفتار کرنے میں محنت و مشقت برداشت کی چونکہ اس جانور کو زندہ گرفتار کرنا ممکن نہ تھا، تین روز کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاتھی ہلاک کیا جائے۔

اس جانور کے ہلاک ہو جانے کے بعد فیروز شاہ مع اپنی فوج و لشکر کے حصار کے اندر داخل ہوا۔

اس درمیان میں معلوم ہوا کہ اس مقام سے متصل ایک جنگل ہے جس میں بے شمار پشتے مثل کوہ کے موجود ہیں اور اس جنگل کے اندر سات خونخوار ہاتھی اور ایک مادۂ فیل موجود ہیں۔

فیروز شاہ نے اس واقعے کو سن کر ارادہ کیا کہ اوّل ہاتھیوں کا شکار کرے اور اس کے بعد راجہ کا تعاقب کرے۔

چودھواں باب[۱۴]

راجہ کا فیروز شاہ کی اطاعت قبول کرنا

نقل ہے کہ فیروز شاہ کو ان جنگلی ہاتھیوں کا حال معلوم ہوا اور بادشاہ بے حد شان و شوکت و جرأت و مردانگی کے ساتھ اس جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ جانوروں نے جنگل کے درمیان دس سے پندرہ کوس تک اپنی قیام گاہ و تاراج گاہ

مقرر کی ہے ۔

فیروز شاہ کے حکم سے تمام نیک خواہ لشکر و نیز تمام خان و ملوک و سرداران نامدار واصحاب دربار وافراد اہل بازار، اس جنگل کے ہر چہار جانب طویلہ دار اس طرح مقیم ہوئے کہ اُن کی فرودگاہ ایک کٹہرہ بن گئی اور دونوں طرف راہ بے حد مضبوط و مستحکم ہو گئی ۔

اس کٹہرے کا عرض دس گز اور بلندی سات گز کی مقرر کر کے تمام جنگل کو مٹی سے پاٹ دیا گیا اور درمیان میں دو راہ چھوڑ کر کٹہرے کو مضبوط و مستحکم کر دیا گیا ۔

فیروز شاہ ہر روز خود سوار ہو کر آتا اور کٹہرے کو مضبوط و مستحکم کرنے کی تاکید کرتا تھا ۔

غرض کہ کٹہرہ تمام ہوا اور چند خونخوار ہاتھی شاہی فیل خانے سے لائے گئے اور چالاک پیلبان دامن چاک کر کے اُن جانوروں پر سوار ہوئے ۔

جنگل کی ایک جانب سے شہنا و ارغوں و نفیری بجانے والوں کا گروہ داخل ہوا اور یکبارگی باجوں کی آواز سے میدان گونجنے لگا اور شور و غوغا بلند ہوا ۔

وہ آٹھوں ہاتھی جو جنگل کے درمیان میں بھاگ گئے تھے ہیبت آوازیں سُن کر صحرا کی طرف بھاگے ۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ جب جنگلی ہاتھی صحرا میں بھاگے تو ان کی ٹکر سے بے حد قوی تن تناور درخت بھی زمین پر گر پڑے ۔

جنگلی جانور جنگل کے کنارے پہنچے تھے اور تمام خلق کٹہرے کے اوپر آکر شور و غوغا بلند کرتی تھی اور کٹہرے کے اوپر بھی ڈھول اور ارغون بجائے جاتے تھے اور ہاتھی مثل شغال کے حیران ہو کر کنارے سے دوبارہ جنگل کے درمیان میں چلے جاتے تھے ۔

مختصر یہ کہ بادشاہ نے چند روز اسی طرح جانوروں کو کشاکش میں رکھا اور اس کام میں جان و دل سے کوشش کی ۔ چند روز کے بعد اقبال شاہی نے ان ہاتھیوں کو خستہ و ماندہ کر دیا اور یہ چارہ کھانے سے باز رہے ۔

جوان پیلبان جو بے حد قوی تھے ، جنگل کے اندر درختوں پر سوار ہوئے اور ہاتھی جو جنگل کے اندر بغیر چارے کے سست ہو گئے تھے آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہے تھے ۔

جوان پیلبان درختوں سے کود کر اُن کی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور طنابوں اور زنجیروں

سے اُن کو مقید کرلیا۔ غرض کہ اس طلسمی کارروائی سے فیروز شاہ نے ان مہیب جانوروں کا شکار کیا۔

پھر فیروز شاہ نے ان ہاتھیوں کے شکار سے فارغ ہوکر راجہ کی طرف توجہ کی بادشاہ نے قوت شاہانہ سے کام لیا اور راجہ کے محل میں داخل ہوا اور ملاحظہ کیا کہ محل شاہی کی عمارات مختلف اقسام کی بے حد مضبوط و مستحکم ہیں، جن کی خوبی و استحکام حدِ بیان سے باہر ہے۔

روایت ہے کہ حصار کے اندر پتھّر کا ایک بُت تھا جس کو ہندو جگن ناتھ کہتے ہیں۔

یہ بُت ہندوؤں کا معبود تھا۔

فیروز شاہ نے بھی سلطان محمود غزنوی کی تقلید کی اور اُس بُت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر دہلی میں لایا اور اس طرح اُس کو ذلیل و خوار کیا۔

ان واقعات کے بعد بادشاہ نے ارادہ کیا کہ جزائر اکدالہ کے اندر راجہ کا تعاقب کرے۔

راجہ بادشاہ کے خوف سے بے حد پریشانی اور ہراس کے سبب بدحواس ہوا اور اُس نے چند پاتر بادشاہ کے حضور میں روانہ کرکے عاجزی کا اظہار کیا اور اپنے اصلی حال سے خبر دی۔

واضح ہو کہ جس طرح سلاطین نامدار کے حضور میں وزراء ہوتے ہیں اسی طرح رایان و رایگان و زمینداران ہند مہنتوں کو اپنا مقرب بناتے ہیں۔ انہی مہنتوں کو جاج نگر میں پاتر کہتے ہیں۔

رائے جاج نگر کے دربار میں بیس پاتر موجود تھے۔

غرض کہ راجہ نے بے حد خوف وخطر کی وجہ سے اپنے پانچ پاتر بادشاہ کی بارگاہ میں روانہ کرکے اپنی عاجزی کا اظہار کیا۔

راجہ کے پاتر فیروز شاہ کے حضور میں حاضر ہوکر بادشاہ کے قدمبوس ہوئے اور زمین خدمت کو بوسہ دے کر اطاعت کا اظہار کیا اور اپنے مالک کا حال بیان کرکے عرض کیا کہ رائے جاج نگر بادشاہ کا اطاعت گزار بندہ اور قدیم بندہ زادہ ہے۔

یہ بندۂ مسکین ہمیشہ سے بادشاہ کا فرماں بردار ہے، اب حضرت اپنے قدیم خانہ زاد کے لیے کیا ارادہ رکھتے ہیں۔

پاتروں نے یہ گفتگو کی اور بادشاہ نے فرمایا کہ اس حدود میں آنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ معتبر روایت کے ذریعے سے معلوم ہوا تھا کہ اس نواح میں یعنی راجہ کے ملک و قبلہ گاہ کے متصل ایک جنگل ہے جس میں بے شمار تُنْتے پہاڑوں کے پائے جاتے ہیں اور اس جنگل میں وحشی ہاتھی بکریوں کی طرح ہر چہار طرف گشت کرتے ہیں۔

یہ خبر سن کر ہم ہاتھیوں کے شکار کے لیے اس نواح میں آئے تھے، لیکن راجہ کسی وہم میں گرفتار ہوا کہ ہمارے خوف سے راہ فرار اختیار کی۔

مختصر یہ کہ مقررہ گفت و شنید کے بعد راجہ نے چھتیس ہاتھی بطور خدمت بادشاہ کے حضور میں روانہ کر کے اقرار کیا کہ ہر سال چیدہ و منتخب ہاتھی بطور خراج بارگاہ شاہی کو روانہ کرتا رہے گا۔

فیروز شاہ نے رائے کے لیے زر دوزی جامہ و علم ہائے زر بفت پاتروں کے ذریعے روانہ کیے۔

غرض کہ مہتتان مذکور کو جو بادشاہ کی بارگاہ میں بطور قاصد حاضر ہوئے تھے خلعت عطا ہوئے۔

اس طرح فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم سے فتح مند و بامراد لکھنوتی و جاج نگر سے تہتر ہاتھیوں کے ہمراہ واپس ہوا۔

بادشاہ نے دو سال سات ماہ ان ممالک میں بسر کی اور بادشاہ کی مراجعت سے ہر شخص مسرور و شاداں ہوا۔

پندرھواں باب ۱۵

جاج نگر سے واپسی کے حالات

فیروز شاہ لکھنوتی سے واپس ہو کر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ راہ بروں نے غلطی کی اور بادشاہ کوہستان و دریا زن کے ساحل پر پہنچا۔

مورخ کے والد ماجد بیان کرتے تھے کہ ہر کوس پر ایک بلند پہاڑ نمودار ہوتا تھا اور خلقت اُس پہاڑ سے اُتر کر دوسرے کوہ پر آتی اور نیچے اُترتی تھی۔

غرض کہ تمام اشخاص پہاڑوں اور جنگلوں میں حیران و پریشان پھر رہے تھے اور نشیب و فراز کی کثرت کی وجہ سے تمام مخلوق خستہ و ماندہ ہو گئی تھی۔

غلہ و کپڑا گراں ہو گیا اور خلقت جدا تلف و ہلاک ہونے لگی اور چھ ماہ کامل بادشاہ کی سلامتی کی خبر دہلی میں نہ پہنچی۔

خان جہاں بے حد فکرمند ہوا اور اس امیر نے ہر روز حوالی شہر میں سواری کرنا شروع کیا اور اُس کی ہیبت سے تمام مُلک میں امن و امان رہا۔

چھ ماہ کے بعد خدا کے فضل و کرم سے راہ کا نشان پیدا ہوا اور بادشاہ نے بے حد فکر کی وجہ سے ارادہ کیا کہ دہلی میں اطلاعی فرمان روانہ کرے۔

بادشاہ کے حکم سے تمام لشکر میں ندا کر دی گئی کہ ہر شخص اپنی خیریت و سلامتی کا خط اپنے اعزہ کے نام روانہ کرے اور دولت سرائے شاہی تک پہنچا دے۔

اس ندا کو سُن کر تمام خلقت خوش و شاداں ہوئی اور تمام خلائق لشکر نے اپنے حالات کے مکتوب تحریر کئے اور سرائے شاہی میں پہنچا دیئے۔

اِس قدر خطوط جمع ہوئے کہ ایک شتر پر لد کر یہ تمام خطوط دہلی پہنچے۔

خان جہاں نے حکم دیا کہ شہر میں طبل شادی بجوائے جائیں اور ندا کر دی جائے کہ ہر شخص

حاضر ہو کر اپنا مکتوب لے جائے۔
اشتر بار دربار دہلی کے روبرو بٹھایا گیا اور خطوط زمین پر انبار کر دیئے گئے۔ ہر شخص آتا اور اپنا خط لے جاتا تھا۔

سبحان اللہ کیا شان الٰہی ہے کہ اس قسم کے حادثات مخلوق کو پیش آتے ہیں جن کی وجہ یہ ہے کہ الوہیت و عبودیت یعنی خدائی و بندگی میں فرق و امتیاز رہے۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ چھ ماہ کامل کوہ و جنگل میں حیران و سرگرداں رہا اور اس مدت کے بعد خدا کے فضل و کرم سے اس مصیبت سے نجات پائی۔

بادشاہ نے اس سفر میں بے حد محنت و مشقت برداشت اور بے حد شدائد و لا انتہا تکالیف و مختلف تدابیر سے ان پہاڑوں اور دریاؤں کو عبور کر کے چھ ماہ کے بعد کوہستان سے صحرا میں آیا۔
بادشاہ و اہل لشکر نے خدا کا شکر ادا کیا اور ہر شخص کو مسرت و شادمانی نصیب ہوئی۔
فیروز شاہ چند روز متواتر کوچ کرتا ہوا کامیاب و بامراد اپنی بنگاہ میں پہنچ گیا۔
اس مدت میں جبکہ بادشاہ ولایت جاج نگر میں مقیم رہا۔ بنگاہ کڑہ میں جیسا کہ بادشاہ چھوڑ کر گیا تھا، قائم رہی۔
مختصر یہ کہ فیروز شاہ صحیح و سالم کوہستان سے نکل کر باہر آیا اور بادشاہ نے واپسی کا فرمان دہلی میں خان جہاں کے نام روانہ کیا۔
خان جہاں استقبال شاہی کی تیاری میں مصروف ہوا اور شہر میں ہر مقام پر انتظامات ہونے لگے۔

سولھواں باب ۱۶

دہلی میں آمد

نقل ہے کہ فیروز شاہ شہر کے قریب پہنچا اور ہر شخص اپنے اعزہ سے ملاقات کرنے کے لئے دوڑا۔ خان جہاں نے بادشاہ کی آمد پر بے حد ساز و سامان کیا تھا اور جس طرح کہ فیروز شاہ کے سفر اوّل سے واپس آنے پر قبے تیار کیے گئے تھے، اسی طرح اس مرتبہ بھی انتظام ہوا اور ان قبوں

میں بے حد تکلف کیا گیا جس کی وجہ سے تمام بلدہ میں خاص و عام ہر شخص مسرت و شادمانی میں سرشار ہوا۔

ہر قبّے میں رنگ برنگ کے کپڑے رنگین و سفید نرم و ریشمی کپڑے لگائے گئے تھے۔

بعض معتبر راویوں نے مورّخ عفیف سے بیان کیا کہ اس زمانے میں فیروز آباد معمور ہو چکا تھا لیکن کوشک و حصار کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی لیکن باوجود اس کے ایک قبّہ فیروز آباد کے درمیان باندھا گیا تھا۔

غرض کہ فیروز شاہ دہلی پہنچا اور تمام شریف و رذیل بیرق و نشان ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے استقبال کو حاضر ہوئے۔

تہتر ہاتھی جو لکھنوتی سے حاصل ہوئے تھے اُن کو مختلف الوان سے رنگ کر اور ہر قسم کے نقش و نگار سے آراستہ کر کے چتر سلطانی کے روبرو قطار میں کھڑے کیے گئے اور بکریوں کی طرح شہر میں لائے گئے۔

اس آرائش کا مقصد یہ تھا کہ رعایا کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ نے اس قدر ہاتھی جنگلے میں شکار کیے ہیں۔

ان تمام ہاتھیوں کو بکریوں کی طرح گلّہ کر کے بغیر فیلبانوں کے شہر میں داخل کیا۔

غرضکہ تمام اہل شہر اپنے اہل و عیال سے ملے اور مجلس صحبت گرم کر کے غم و فکر سے آزاد باہم گفتگو میں مشغول ہوئے اور اپنے سفر و عجائب و غرائب و نیز محنت و شدائد کا اپنے اعزّہ سے تذکرہ کیا۔ تمام لشکر نے اہل و عیال کے دیدار اور دوستوں کی ملاقات کی عیش و خوشی میں شدائد و مصائب سفر کو گوشۂ دل سے فراموش کر دیا۔

فیروز شاہ نے شہر میں قیام کر کے مُلک کے انتظام کی طرف توجّہ کی۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ نے عجیب حیرت انگیز کام انجام دیا۔

واضح ہو کہ فیروز شاہ کو فن تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی، جس زمانے میں کہ مولانا ضیاءالدین برنی، صاحبِ تاریخ فیروز شاہی نے وفات پائی، بادشاہ نے اپنے ہر عامل سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور بارہا یہ فرمایا کہ عہد دولت کے واقعات صحت و صداقت و نیز حسن و خوبی سے معرض تحریر میں لانا، عالی فہم ملازم کا کام ہے۔

غرض کہ بادشاہ کو اپنے عہدِ حکومت کے واقعات کی کتابت سے ناامیدی ہوئی۔ اور

فیروز شاہ نے کوشک حصار و کوشک نزول کے گنبدوں اور منارۂ سنگین کی عمارت پر جو کوشک شکار و فیروز آباد میں تعمیر ہوئی تھیں، اپنی زبان سے یہ عبارت پتھروں پر نقش کرائی کہ میں نے اس قدر ہاتھیوں کا شکار کیا اور اس طرح ہاتھیوں کو شہر میں لایا اور یہ عمدہ و خوب کام انجام دیئے اور یہ سب اہتمام اس لئے کیا تاکہ یہ امور بطور سبق خلائق کے روبرو رہیں اور بادشاہ کے یہ کارنامے یادگار زمانہ رہیں اور تمام خلق و اہل علم ان واقعات سے عبرت حاصل کرے۔

سبحان اللہ بادشاہ بے حد پسندیدہ و نیک کردار و فرماں روا تھا، جس کے اخلاق بے حد پاکیزہ و قابل تعریف تھے۔

فیروز شاہ نے چالیس سال کمال عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور اس مدت میں اس کی تمام تمنائیں پوری ہوئیں۔

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ پروردگار کا فضل و کرم خلقت سے پیشتر ہی انسان کے لئے مقدور ہو جاتا ہے۔

سترھواں باب ۱۷

رعایا کی خوشحالی

نقل ہے کہ لکھنوتی کے سفر سے واپس آکر فیروز شاہ نے تعمیر عمارات کی طرف توجہ کی۔

فیروز شاہ نے کوشک شہر فیروز آباد کی عمارت بے حد سعی و کوشش کے ساتھ تمام کی اور اس درمیان میں عمارت کوشک جنداری (مہندواری) کو بھی بے حد تکلف کے ساتھ تعمیر کیا۔

چونکہ لشکر ڈھائی برس کے بعد واپس ہوا تھا اس لئے ہر شخص اپنے وطن پہنچ کر بہت خوش تھا۔

فیروز شاہ کے محبوب مشاغل مندرجہ ذیل ہیں۔

اوّل — اُسے ہر قسم کے شکار کا بے حد شوق تھا۔

بادشاہ کبھی تو شکرے کو پرندان ہوائی کے پیچھے چھوڑتا اور کبھی جنگلی چرندوں کے عقب میں سواری کرتا۔

دوئم — بادشاہ سلاطین با اقتدار کی طرح مُلک و اہلِ ملک کے انتظام میں وقت صرف کرتا تھا اور یہ تمام خصائل بادشاہ کی اعلیٰ فطرت کی وجہ سے ہے۔

اُس کا تیسرا محبوب مشغلہ عمارات کی تعمیر تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ان تینوں مشاغل کا مفصّل حال ہر مشغلے کے محل تحریر میں بیان کیا جائے گا۔

اس مقام پر مورخ صرف اہل ٹھٹھہ کے واقعات تحریر کرتا ہے اور اس قوم کے حالات کا اظہار کرتا ہے۔

واضح ہو کہ فیروز شاہ نے جلوس کے بعد تین یا چار مہم متواتر کیں، یعنی دوبار لکھنوتی کا سفر کیا اور ایک مہم جاج نگر کی اور ایک ٹھٹھہ کی۔

مختصر یہ کہ بادشاہ کے انتظام و حسن سیاست سے ہر سال مملکت میں اضافہ ہوتا تھا اور سال بسال سلطنت کی آبادی میں ترقی ہو رہی تھی۔

فیروز شاہ کی ہمت کی برکت سے خلائق کو خوشی و خرّمی بے حد حاصل ہوتی تھی چنانچہ بادشاہ نے علماء و مشائخ و صالحین کو چھتیس لاکھ تنگے بطور مدد معاش عطا فرمائے تھے۔

اسی طرح فقراء و مساکین کے گروہ جو درماندہ و عاجز تھے ایک کرور تنگے سالانہ مرحمت فرمائے تھے تاکہ یہ گروہ اطمینان قلب کے ساتھ دین پروری کرے اور حاجات دُنیوی سے بے نیاز ہو کر آخرت کی نعمتیں حاصل کرے۔

بادشاہ کے عہد میں اس طرح خانان و ملوک و نیز اعیان ملک کو بے حد اطمینان و آرام حاصل تھا۔

اہل تجارت کو ہر سال اپنے پیشے میں زیادہ نفع ہوتا تھا اور اہل بازار و اہل اُجرت کو ہر سال بہ نسبت گذشتہ سال کے زیادہ رقم منافع کی حاصل ہوتی تھی۔

اسی طرح خدا کے فضل و کرم سے اضطراری فقراء غربت کی تکالیف سے نجات پاتے اور اُن کا شمار فارغ البال طبقے میں ہو جاتا تھا۔

اہل زراعت نے اپنے کام میں اس درجہ ترقی کی تھی کہ اگر یہ طبقہ ایک مشت تخم زمین میں بوتا تھا تو ایک کے عوض ستر اور سات سو بلکہ اس سے زیادہ حاصل کرتا تھا۔

غیر مسلم جن میں ذمّی و امانی داخل ہیں، فیروز شاہ کے عہد میں رفاہیت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور دار الحرب کے باشندے ہر سال تباہ و تاراج کیے جاتے تھے اور دار الحرب میں جس قدر ملک تاراج ہوتا تھا، بادشاہ کے فضل و کرم سے اس سے زیادہ آباد و معمور ہو جاتا تھا۔

اسی طرح سادات و قضات و دیگر اعیانِ ملک فیروز شاہ کی جود و سخا سے خرد سالی میں اپنی لڑکیوں کو بیاہتے تھے اور لڑکیوں کو اُن کے شوہروں کے حوالے کر دیتے تھے۔

یہ تمام اُمور اس لیے تھے کہ لڑکیوں کے مادر و پدر خوش حال و مرفہ الحال تھے اور جن کے پاس رقم نہ تھی اُن کو خزانۂ شاہی سے اس کارِ خیر کے لئے روپیہ دیا جاتا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کے نوعمر بچے علم دین کی تحصیل میں دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے مشغول ہوتے تھے اور عالم و ادیب، و خطاط لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اور اُن کو اُجرت شاہی خزانہ سے ادا کی جاتی تھی۔

سوداگر بھی بادشاہ کے قدموں کی برکت سے فارغ البال و خوش حال رہتے تھے، اور تین تین چار چار برس متواتر مشہور ممالک میں سفر کر کے بے شمار منافع حاصل کرتے تھے۔

تخت گاہ دہلی میں خدا کے فضل و کرم سے اس درجہ بے فکری تھی کہ اُس کی نظیر کسی اور دَور میں نہیں ملتی، بلکہ فیروز شاہ کے خلوص و نیک نیتی سے تمام عالم کے سلاطین و حکمراں کا یہی حال تھا۔

غرضیکہ بادشاہ نیک سیرت یعنی سلطان فیروز شاہ کا عہد بھی کس قدر بابرکت تھا کہ بے شمار نعمتیں خلق خدا کے لئے مہیا و موجود تھیں اور اب امید نہیں کہ اسکے بعد ایسا باخیر زمانہ میسر آئے۔

اس موقع پر بندۂ ضعیف مورّخ عفیف کو ایک حکایت یاد آئی جو قدیم سلاطین و پیشوایانِ دین کی سبق آموز یادگار ہے۔

حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ خیر المجالس میں فرماتے ہیں کہ قدیم زمانے میں کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا جو بے حد حلیم و کریم، نیک اعتقاد و خوش

کردار تھا۔

اس بادشاہ میں تمام پسندیدہ صفات جمع تھے، چنانچہ اُس کے عقیدہ کی برکت سے تمام ملک خوش حال تھا۔

ایک روز یہ بادشاہ یگانہ شکارگاہ کو تشریف لے گیا اور ایک جانور کے عقب میں گھوڑا دوڑایا۔

جانور کے ایک تیر لگا اور بادشاہ فوج و لشکر سے جُدا ہو کر حیران و تنہا ایک مقام پر پہنچا۔

بادشاہ نے قدم آگے بڑھایا اور ایک پر فضا باغ میں پہنچا۔

بادشاہ باغ میں داخل ہوا اور سایہ دار درختوں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔

خدا کی قدرت سے ایک بوڑھی عورت جو نہایت بدحال و بدصورت تھی باغ کے اندر سے باہر نکلی۔

بادشاہ نے عورت سے باغ کے مالک کو دریافت کیا کہ کون ہے اور باغ میں کس قسم کے میوے موجود ہیں۔ ضعیفہ نے جواب دیا کہ باغ تمام وکمال میری ملکیت ہے۔

بادشاہ بے حد گرسنہ تھا اُس عورت سے کہنے لگا کہ کوئی شئے کھانے کے لئے لے آؤ

عورت نے جواب دیا کہ غذا کی قسم میں کوئی شئے موجود نہیں ہے، اگر تم کہو تو چند خوشہ انگور لے آؤں۔ بادشاہ نے اجازت دی اور ضعیفہ باغ کے اندر گئی۔

اس عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس ملک کا بادشاہ سائل ہو کر اُس کے در پر آیا ہے۔

غرضیکہ عورت باغ کے اندر گئی اور چند خوشہ انگور توڑ کر بادشاہ کے حضور میں لے آئی۔ بادشاہ نے انگور کھائے جو بے حد شیریں تھے۔

بادشاہ کو یہ میوہ بے حد پسند آیا اور اُس نے ضعیفہ سے دریافت کیا کہ اس باغ کا محصول کیا ہے۔

عورت نے جواب دیا کہ اس کا محصول چند تنگے مقرر ہیں۔

بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ تمام مملکت کے شہروں کے حالات کی تحقیق کرنی چاہیئے، اس لئے کہ ملک کے کارگزار و عامل خزانۂ شاہی کے محاصل و مال جمع کرنے میں

غلطی کرتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ ایسا معمور و آباد باغ کا جس میں اس قدر کثرت سے شیریں میوے اور انگور موجود ہیں محصول چند تنگے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اگر کارکن سعی و کوشش سے کام لیں تو اس قدر مال ضائع و تلف نہ ہو۔

بادشاہ نے عورت سے انگور لانے کی دوبارہ فرمایش کی اور عورت نے دوسری بار بھی چند خوشے انگور کے بادشاہ کے روبرو پیش کیے۔

بادشاہ نے انگور کھائے اور معلوم ہوا کہ یہ انگور بے حد ترش ہیں۔

شاہ نے عورت سے دریافت کیا' یہ انگور تو اُس' اُس درخت سے نہیں لائی جہاں سے پہلے لائی تھی۔ عورت نے جواب دیا کہ وہ دونوں مرتبہ انگور ایک ہی محل و مقام سے لائی ہے۔ بادشاہ نے یہ معلوم کر کے عورت سے کہا کہ پیشتر کے انگور شیریں تھے اور یہ ترش ہیں۔

یہ عورت بے حد صاحب فہم و فراست تھی' اُس نے سُنتے ہی فوراً کہا کہ اے شخص ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج تک اس ملک کا بادشاہ خلق خدا پر بے حد مہربان تھا اور اُس کے عقیدہ و نیک نیتی کا یہ ثمرہ تھا کہ ہر شئے بابرکت تھی اور ہر میوہ شیریں و لطیف پیدا ہوتا تھا' لیکن اللہ کی مشیّت نے بادشاہ کے قلب کو رعایا کی طرف سے برگشتہ کر دیا ہے اور کوئی مذموم خیال اُس کے قلب میں پیدا ہوا ہے تاکہ رعایا کو بار گراں سے پریشان خاطر کرے۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کے اس مذموم ارادے نے ہر شئے میں سرایت کی اور تمام ملک سے برکت اُٹھ گئی اور اس وجہ سے شیریں انگور ترش ہو گئے۔

اس کے بعد عورت نے بادشاہ سے کہا کہ اے شخص خدا خیر کرے اس لئے کہ جب بادشاہ کے قلب میں کوئی بُرا خیال ہے تو ممکن ہے کہ وہ اُس کو عملی جامہ پہنائے۔

کیا عجب ہے کہ بادشاہ کے ظالمانہ افعال کے بداثرات سے یہ ملک چند ہی روز میں تباہ و برباد ہو جائے اور اُس مُلک کے باشندے راہ غربت اختیار کر کے آوارہ وطن ہو جائیں۔

بادشاہ نے تقریر سُنی اور ضعیفہ کے بیان کے مطابق اپنے ارادے پر خائف ہو کر بید کی مانند کانپنے لگا اور اپنے دل میں عہد کیا کہ اپنی قدیم روش و قاعدے سے سرمو تجاوز نہ کرے گا

مورخ کا مقصود اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ سلاطین دین پرور کی خوش عقیدگی ہر شے کو بابرکت بناتی ہے اور بادشاہ کی نیت نیک رعایا پر نزول رحمت کا باعث ہو کر ملک کی نعمتوں میں اضافہ اور خلقت کے آرام میں زیادتی پیدا کرتی ہے۔

اسی طرح فیروز شاہ بھی جو برگزیدۂ حق تھا، خلقت کے فوائد میں اضافہ کرنے کی بے حد کوشش کرتا تھا۔ اس بادشاہ نے چالیس سال کامل حکومت کی اور اس کے عہد تمام خلقت خدا نے عیش و راحت کے ساتھ زندگی بسر کی اور ہر خاص و عام کے قلوب تمام خطرات سے خالی ہو گئے۔

فیروز شاہ کی وفات کے بعد دیگر فرماں روا بادشاہ ہوئے اور خدا کی مشیت و حکم نے تمام شیرازۂ ملک کو پراگندہ کر دیا اور ہر شخص نے غربت و آوارہ وطنی اختیار کی۔

تمام عالم زیر و زبر ہو گیا، بلکہ آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ دہلی کے تمام خرد و بزرگ مغلوں کی تاخت و تاراج کا شکار ہوئے، جیسا کہ مورخ عفیف نے خرابیٔ دہلی کے زیر عنوان اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اٹھارھواں باب ۱۸

قلعۂ نگرکوٹ کی فتح

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے سفر لکھنوتی سے واپس ہو کر شکار کے مشغلے میں دولت آباد کا رُخ کیا۔

راست گفتار مورخین نے بندۂ ضعیف شمس سراج عفیف سے روایت کی ہے کہ فیروز شاہ نے سفر کی تیاری کی اور تمام حشم و خدم کو دس گونہ انعام عطا فرمایا۔

بادشاہ نے دو دہلیزہ و دو بارگاہ و دو خواب گاہ و نیز تمام مراتب و حشم کے ہمراہ دولت آباد کا رخ کیا اور متواتر کوچ کرتا ہوا بیانہ تک پہنچا۔

بادشاہ نے بیانہ کے حدود میں قدرے آرام کیا اور اس کے بعد الہام الٰہی سے بہرہ مند

ہو کر مصلحت ملکی کے لحاظ سے دہلی کی جانب واپس ہوا۔

فیروز شاہ اپنے اطاعت شعار لشکر کے ہمراہ دہلی پہنچا اور دہلی سے نگرکوٹ کے زمینداروں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔

فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ نگرکوٹ کا قلعہ بے حد مضبوط و مستحکم ہے۔

نگرکوٹ کا راجہ حصار کے بالائی حصے میں پناہ گزیں ہوا اور شاہی لشکر نے راجہ کے تمام ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ جوالا مکھی کا بُت جو غیر مسلم افراد کا مشہور معبد ہے، راہ میں واقع تھا جس کی بابت معتبر راویوں نے مورخ سے بیان کیا ہے کہ مذکورہ بالا بُت ایک حجرے میں پنہاں تھا اور ہندو اس حالت میں اُس بُت کی پرستش کرتے تھے۔

بعض غیر مسلم روایت کرتے ہیں کہ فیروز شاہ اس مقام پر پہنچا اور بادشاہ بُت کی زیارت کے لئے گیا اور اُس کے سر پر ایک زرّیں چتر رکھا۔ لیکن یہ روایت غلط ہے، اس لئے کہ مورخ کے والد ماجد جو بادشاہ کے مقرب اور اس سفر میں اُس کے ہم رکاب تھے، بیان کرتے تھے کہ غیر مسلم گروہ نے بادشاہ پر جو پسندیدہ اخلاق کا مجموعہ تھا، یہ افترا کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ فیروز شاہ نے جو دیندار و دین پرور و خدا ترس فرماں روا تھا چالیس سال حکومت کی اور اس مدت میں کسی احکام شریعت و طریقت سے قطعاً تجاوز نہیں کیا، ایسے بادشاہ دیں پرور سے اس فعل کا صادر ہونا قطعاً بعید از قیاس ہے۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ بادشاہ اس مقام پر پہنچا اور اُس نواح کے تمام رائے و راجگان و نیز زمینداران نواح کو اپنے حضور میں طلب فرمایا۔

فیروز شاہ نے ان بندوں سے کہا کہ اے کم عقل تم کو اس پتھر کی پرستش کرنے سے کیا فائدہ ہوگا اور اس کے حضور میں اپنی التجا پیش کرنے سے تم کو کیا مل جائے گا۔

شریعتِ اسلام کی پیروی کرو، اس لئے کہ جو شخص اسلام کا مخالف ہے اُس کی نجات ممکن نہیں ہے۔

چونکہ فیروز شاہ نے خدا کے خوف سے اس سنگی بُت کی اس قدر تحقیر کی تاکہ ہندو اپنے عقیدے سے باز آئیں اور غیر مسلم گروہ نے اپنے تعصب کی وجہ سے بادشاہ کی نصیحت پر توجہ نہ کی، اس لئے اُنھوں نے بادشاہ کی بابرکت ذات پر اس قسم کا افترا باندھا ہے۔

بعض غیر مسلم انکار مذہب و نیز اپنے تعصب کی وجہ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ سلطان

محمد شاہ بن تغلق شاہ نے بھی ایک چتر اس بت کے سر پر رکھا تھا، حالانکہ یہ روایت بھی محض غلط ہے۔ اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس قسم کی دروغ بیانی کو راست نہ خیال کریں اس لئے کہ فیروز شاہ و محمد شاہ دونوں فرماں روا اہل سنت وجماعت میں داخل و دیندار حکمراں تھے' ان فرماں رواؤں نے اپنی عقل و دانش کی وجہ سے اپنے عہد معدلت میں ہزار ہا بت خانے مسمار کیئے ہیں' ان سے اس قسم کے افعال کا صادر ہونا قطعاً محال ہے۔ ہندوؤں نے یہ افترا بندی کی ہے' جس کی قطعاً اصلیت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ خدا کے حکم سے نگر کوٹ پہنچا اور اس نے دیکھا کہ قلعہ بے حد مستحکم و مضبوط ہے۔

رائے نگر کوٹ نے حصار کے بالائی حصے میں پناہ لی اور شاہی لشکر نے خدا کی عنایت و مہربانی سے قلعے کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا۔

فیروز شاہی فوج نے مختلف دائروں میں صف آرائی کر کے حصار کے گرد قیام کیا۔

فریقین نے منجنیق نصب کر کے عرادۂ سنگ سے کام لینا شروع کیا۔ چنانچہ جانبین کے پتھر منجنیق کے پلوں سے اڑ کر ہوا میں باہم ٹکر کھاتے تھے اور پاش پاش ہو کر زمین پر گرتے تھے۔ غرضکہ شاہی لشکر نے چھ ماہ کامل قلعے کا محاصرہ جاری رکھا اور طرفین کے بہادر سپاہیوں نے غالب آنے کی بے حد سعی و کوشش کی' لیکن چھ ماہ کے بعد خدا کے فضل و کرم سے فیروز شاہ کی فتح کے آثار نمایاں ہوئے۔

رائے نگر کوٹ بالائے حصار سے نیچے آیا' جس کی تفصیل یہ ہے کہ فیروز شاہ قلعے کا دور دیکھنے اور غیر مسلموں پر فتح حاصل کرنے کے لئے ایک روز سوار ہوا۔

رائے اس زمانے میں بالائے قلعہ تھا اور اس نے دیکھا کہ فیروز شاہ قلعے کا دور ملاحظہ کر رہا ہے۔

رائے کی نظر بادشاہ پر پڑی اور اس نے اطاعت شعار ماتحت کی طرح دست بستہ ایستادہ ہو کر بادشاہ کو سلام کیا۔

فیروز شاہ نے ملاحظہ کیا کہ رائے اظہار عاجزی کر کے بندگان مجبور کی طرح سر تسلیم خم کر رہا ہے' بادشاہ اپنا ہاتھ بغل کے اندر لے گیا اور دستارچہ بغل سے کھینچ کر رائے کی طرف رحم و کرم سے نگاہ ڈالی اور گویا یہ اشارہ کیا کہ میری بارگاہ میں حاضر ہو۔

رائے کے تمام پاتر ایک جا جمع ہوئے اور تمام افراد نے بالاتفاق کہا کہ سلطان فیروز شاہ تاجداران عالم میں صفات شاہی میں یگانۂ روزگار ہے، اور کسی ملک میں کوئی بادشاہ اس عظمت وجلال کا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک میں کوئی بادشاہ اس طرح دلداری نہیں کرتا۔ جبکہ بادشاہ خود اس عنایت و مہربانی سے طلب کرتا ہے تو بلا توقف اُس کے حضور میں جانا چاہیئے۔

غرضیکہ رائے مذکور نے غرور و تکبر کو اپنے سر سے دور کیا اور قلعے سے اُتر کر اپنا سر بادشاہ کے قدموں پر رکھا اور بے حد معذرت کی۔

فیروز شاہ نے رائے کی پشت پر دست شفقت رکھا اور خلعت زر دوزی و زر بفت عطا کر کے ایک چتر عطا کیا۔

بادشاہ نے رائے کو شاہانہ نوازش سے سرفراز فرما کر واپس کیا اور رائے بے حد شاد و کامیاب اسپان دریائی وتر کی بطور انعام ہمراہ لے کر واپس آیا۔

عمال خزانہ نے مال کے توڑے بادشاہ کے حکم سے رائے کے ہمراہ کئے اور رائے مذکور بے حد مسرت و خوشی کے ساتھ واپس آیا اور خدا کی مدد سے نگر کوٹ فتح ہوا۔

غرض کہ یہ تمام واقعات ٹھٹھہ کی مہم کے قبل رونما ہوئے اور ٹھٹھہ کی مہم کے بعد فیروز شاہ نے جنگی مہمات سے قطعاً کنارہ کشی کر لی اور مصلحت ملکی کا تقاضا یہی خیال کیا کہ اب جنگ سے قطعا دست بردار ہو جائے۔

رائے نے قلعے سے بے شمار اہل خدمت اور بیش قیمت اسباب بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیئے اور فیروز شاہ دہلی روانہ ہوا۔

حصہ سوم

ٹھٹھ کے حالات

پہلا باب

ٹھٹھہ کی مہم

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ لکھنوتی اور جاج نگر سے واپس ہو کر شکار کے لئے حوالی دہلی میں سیر کرتا اور کسی غیر مسلم راجہ پر حملے کا خیال دل میں نہ لاتا تھا۔ لیکن بادشاہ کی محفل میں گاہ گاہ اہل ٹھٹھ کا تذکرہ ہوتا۔

جب کبھی کہ اہل ٹھٹھہ کا ذکر آتا تو بادشاہ اپنی ریش پر ہاتھ پھیر کو فرماتا کہ افسوس ہزار افسوس کہ خدائگان مغفور کے دل میں یہی ایک آرزو باقی رہی، یعنی یہ کہ سلطان محمد شاہ ٹھٹھ کو فتح نہ کر سکا۔

بادشاہ کے کلام سے اہل دربار کو اس امر کا شبہہ ہوتا تھا کہ فیروز شاہ ٹھٹھ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور بادشاہ اس مہم کی جانب ضرور مائل ہے۔

ایک روز بادشاہ نے خان جہاں وزیر کو خدمت میں طلب فرمایا اور اکثر امور راز کی بابت گفتگو فرمائی۔

بادشاہ نے خان جہاں سے سوال کیا کہ اہل ٹھٹھ کس قسم کے جنگجو ہیں اور ان کا کیا طریقہ ہے کہ حضرت خدائیگان مغفور اُن کے مُلک پر حملہ آور ہوئے اور بادشاہ مرحوم نے اُن کے وطن میں پہنچ کر اُن کو مغلوب کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن یہ گروہ مرحوم کے مقابلے میں صف آرا ہوا اور حضرت کی اطاعت قبول نہ کی اور نہ اس گروہ شوریدہ سر نے طغی

حرام خوار کو اپنے ملک میں قیام کرنے دیا۔ چونکہ حضرت مرحوم کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا، حضرت واپس آئے۔ لیکن عین شدت مرض میں مجھ سے تخاطب کرکے فرمایا کہ افسوس ہزار افسوس اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور مجھ کو اس مرض سے صحت حاصل ہو تو میں ٹھٹھ کے باشندوں کو مغلوب کرکے اپنا مطیع و فرماں بردار بناؤں اور خدا کی مشیت اس کے خلاف ہے، اور قلم تقدیر نے کچھ اور تحریر فرمایا ہے تو یہی ایک آرزو دنیا سے لے جاؤں گا جس کا بے حد افسوس ہے۔

اس کے بعد فیروز شاہ نے خان جہاں سے فرمایا کہ خدا کی مشیت سے بادشاہ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور مرحوم کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مرحوم کا جانشین مقرر فرمایا مجھ کو یہ زیبا ہے یا نہیں کہ میں مرحوم کا انتقام حریف سے لوں۔

خان جہاں نے بادشاہ کی تقریر سُن کر قدرے تامل کیا اور کچھ دیر غور کرتا رہا اور اس کے بعد نہایت صائب رائے دی اور عرض کیا کہ حضرت کا یہ ارادہ بے حد نیک ہے اس لئے کہ اس مہم میں دو فائدے ہیں۔

ایک یہ کہ بزرگان گزشتہ کی وصیتوں اور ان کی نصائح کی تعمیل ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ دُنیا کا دستور ہے کہ ہر شخص اپنے بزرگوں کے اعداء سے انتقام لیتا ہے اور فرزند و برادر، مرحوم مورث کی بجائے حریف کو زیر کرتے ہیں اور یہ آئین سلاطین کے حق میں بے حد خوب و پسندیدہ ہے۔

دوسرا نفع یہ ہے کہ بادشاہان عالم کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سال اپنی قوت و طاقت کو ظاہر کرتے اور قلعہ کشائی کے لئے سعی و کوشش فرماتے ہیں۔

غرض کہ وزیر مذکور نے بادشاہ کے حضور میں صاف صاف عرض کیا کہ حضرت کا یہ ارادہ جو الہام الٰہی ہے، بے حد پسندیدہ و قابل عمل ہے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے خان جہاں کو حکم دیا کہ ٹھٹھ پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر کا سامان درست کرے۔

وزیر مذکور نے اسباب سفر کی تیاری شروع کی اور غائب و حاضر ہر قسم کے لشکر کا جائزہ شروع کیا۔

غرض کہ سوار و پیادے، شمشیر گزار و جیہدار وغیرہ وجیہدار دونوں قسم کی فوج کا

اندازہ کیا گیا اور بادشاہ کے حضور میں حقیقت حال سے اطلاع دی گئی۔

تمام خلق میں مشہور ہوگیا کہ فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم سے ٹھٹھہ روانہ ہوگا۔

سبحان اللہ ظاہر ہے کہ فیروز شاہ نے جلوس کے بعد متواتر چند سفر کئے۔ چونکہ سلطنت کے تمام افراد بے حد خوشی و مسرت کے ساتھ مطمئن و فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر شخص اس خبر کو سن کر بے حد خوش ہوا اور تمام فوج میں شادمانی و مسرت کا دور دورہ ہوا۔

بادشاہ نے اپنے جود و سخا سے کام لیا اور لشکر کے ہر شخص کو انعام و اکرام سے سرفراز و مالا مال کیا۔ فیروز شاہ نے غیر وجہی لشکر کو چار گنا انعام عطا کیا اور لشکر وجہدار مالی راحت و آرام اور تیز آسودگی کی وجہ سے اسپ و ہتھیار کے ساتھ حاضر ہوگیا۔

فیروز شاہ نے آئین جہانداری کے مطابق مثل سلاطین نامدار کے ٹھٹھہ کا رُخ کیا۔

ہر ایک خان و ملک جو درگاہ شاہی سے وابستہ تھا، اپنے اپنے جاہ و حشم کے ہمراہ بادشاہ کے ہم رکاب ہوا اور ہر امیر نے اپنی دولت و حشمت کو کامل طور پر ظاہر و نمودار کیا۔

دوسرا باب

ٹھٹھہ کی جانب روانگی

نقل ہے کہ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ ساعت سعید و مبارک میں ٹھٹھہ کی سمت روانہ ہو، بادشاہ نے اوّل اُن تمام بزرگان دین کی جو جوار دہلی میں آرام فرما ہیں، مثل شاہان عظیم الشان کے کامل اعتقاد کے ساتھ زیارت کی۔

فیروز شاہ بزرگان دین کی زیارت سے فارغ ہو کر ماضیہ کے مزارات پر حاضر ہوا۔

بادشاہ نے خدا کی بارگاہ میں تمام مشائخ و سلاطین کو واسطہ بنایا۔

واضح ہو کہ فیروز شاہ کا دستور تھا کہ جب کبھی شہر دہلی سے روانہ ہوتا تو تمام مشائخ و سلاطین کے مزارات پر حاضر ہوتا اور ہر ایک سے طالب امداد ہو کر اپنے کو ان حضرات کی پناہ میں دے دیتا۔

بادشاہ کو اس فعل میں اس قدر شغف تھا کہ اپنی عظمت و بزرگی کا خیال دل میں نہ لاتا تھا ظاہر ہے کہ یہ صفت اولیاء اللہ کی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اذا تحیّرتم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور یعنی جب تم کسی امر میں حیران ہو اہلِ قبور سے مدد کے طلبگار ہو

سبحان اللہ سلطان فیروز شاہ نے چالیس سال کامل حکمرانی کی اور اس مدت حکومت میں ہر وقت و ہر آن اس قانون کا پابند رہا کہ بغیر زیارت بزرگان و حاضری مزارات بادشاہ نے کبھی سفر نہیں کیا۔

بادشاہ جب کبھی کہ کسی مزار پر حاضر ہوتا تو کمال اعتقاد سے قبر کی طرف بڑھتا اور بیحد تواضع و عاجزی سے پیش آکر اپنا رخسار زمین پر رکھتا۔

مورخ عفیف نے بارہا دیکھا ہے کہ جب بادشاہ سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر حاضر ہوتا تھا تو حضرت کے مزار مبارک کے پاس یعنی امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بالین پر ادب کے ساتھ استادہ ہوتا تھا۔

بادشاہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے اپنا سر بے حد ادب کے ساتھ زمین تک لے جاتا اور اس کے بعد دو یا تین مقامات پر اور سر زمین پر رکھتا۔

فیروز شاہ خاص معتقدین کی طرح حضرت کے مزار کے قریب پہنچتا اور خوشنودیٔ الٰہی حاصل کرنے کے لئے قبر شریف کے نزدیک پہنچ کر سر زمین پر رکھ دیتا۔

بادشاہ سر بزمین ہو کر اُٹھتا اور تربت شریف کے متّصل ادب کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا۔

اس کے بعد بادشاہ حضرت شیخ کے مزار مبارک کے پاس نشست اختیار کرتا اور احکام شرع کے مطابق آیات قرآن پاک کی بخوبی تلاوت کرتا اور اس کے بعد قدم بڑھا کر جناب شیخ کی قبر شریف کا غلاف پکڑ کر اپنے حاجات بیان کرتا۔ فیروز شاہ زیارت سے فارغ ہو کر کچھ مدت تک وہاں قیام کرتا اور روضے کے تمام مُردگان کے نام پر فاتحہ پڑھتا۔

زیارت سے فارغ ہو کر ہر مقبرے کے لئے جو رقم نذر مقرر تھی، ان کو کوٹھوں میں رکھ کر عمال بیت المال لاتے اور فقراء و مساکین کو تقسیم کرنے کے لئے بادشاہ کے روبرو ہر مقبرے کے متولی کے سپرد کرتے تھے۔

بادشاہ اس جود و سخا کے باوجود ان فقراء و مساکین کی تسلّی کے لئے ملوک دربار میں سے

ایک شخص کو مقرر فرماتا جو متولیان مقبرہ کے قریب کھڑا رہ کر رقم تقسیم کراتا تھا۔
موتٔرخ کے والد اور اُس کے چچا بارہا اس خدمت پر مقرر فرمائے جا چکے ہیں اور بعض مقابر میں اس قسم کی خدمت انجام دے چکے ہیں۔ غرض کہ فیروز شاہ اس طریقے پر مشائخ و علماء کی زیارت کرتا اور واپس آتا تھا۔
سبحان اللہ یہ تمام اُمور عطیۂ الٰہی و بخشش ربانی میں داخل ہیں، وگرنہ آدمی زادے سے جو خاک و باد کی ایک حقیر مخلوق ہے، ان عمدہ طریقوں پر یہ حسنات کیونکر انجام پا سکتے ہیں۔
ہر مومن و مسلم اس امر میں کمال سعی کرتا ہے کہ نیکی کرے اور نیک عمل بجالائے، مگر حقیقت یہ ہے کہ عمل نیک اسی شخص سے صادر ہوتا ہے جس کو خدا توفیق عطا فرمائے۔
غرض کہ سلطان فیروز شاہ نے جرّار لشکر و تجربہ کار مردمیدان و نامدار پہلوانوں و جہاں گرد و کشتی باز سواروں اور بہادروں و نیز کوہ پیکر ہاتھیوں کے ہمراہ ٹھٹھہ کا رُخ کیا۔
ان کے علاوہ بندگان کا وہ گروہ جو بے شمار بادشاہ کے گرد جمع ہوا تھا اُس کی تفصیل حصۂ چہارم میں بیان کی جائے گی۔
مختصر یہ کہ موتٔرخ عفیف کے والد بزرگوار اور اُس کے عمّ نامدار دیوان وزارت میں صاحب اعتبار خدّام کی طرح بادشاہ کے ملازم تھے۔
غرض کہ نوے ہزار سوار اور چوراسی ہزار پیادے اور چار سو اسّی ہاتھی بادشاہ کے ہم رکاب ہوئے۔
خان اعظم تاتار خاں کی اُس زمانے میں وفات ہو چکی تھی اور خان جہاں وزیر بطور نائب بادشاہ دہلی میں مقیم تھا۔
خان جہاں نے خسروان عظام و شاہان ذوی الاکرام کے آئین و قانون کے مطابق دو دہلیز و دو بارگاہ و دو خواب گاہ و نوبت سنجری بادشاہ کے ہمراہ روانہ کر دیں۔
ان کے علاوہ ایک سو اسّی نشان ہر جنس و ہر قسم کے روانہ فرمائے، اور چراسی طبل زمانہ شتری و اسپی و خری اور اسی طرح کے اسباب کارخانہ فیروز شاہ کے ہمراہ روانہ کیے گئے۔
مختصر یہ کہ بادشاہ نے رکاب میں پاؤں رکھا اور ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔
بادشاہ نے دل میں یہ نیّت کی کہ قصبۂ اجودھن کے درمیان سے ہوتا ہوا سفر کرے اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین بندگی شیخ فریدالدین شکر گنج کے مزار پر حاضر ہو کر حضرت

سے طالب امداد ہوا اور اس کے بعد قدم آگے بڑھائے۔

فیروز شاہ مع اپنے تمام لشکر کے سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ چند روز کے بعد قصبہ اجودھن کے حدود میں پہنچا۔ بادشاہ نے حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے در پر آستانہ بوسی کی اور اس کے بعد آگے بڑھا۔

فیروز شاہ بھکر و سیوستان کے نواح میں پہنچا اور ایک فرمان اس مضمون کا صادر کیا کہ اس ملک کے تمام بجرے اور کشتیاں بادشاہ کے ہمراہ روانہ ہوں۔

دربان ساز و سامان نیز کارکنان عملہ کے پانچ گروہ بنے اور ہر گروہ ایک امیر کبیر کے کے حوالے کیا گیا اور پانچ ہزار کشتیاں تمام قسم کی اس ملک میں جمع ہوگئیں جن میں ایک ہزار کشتیاں مورخ کے پدر و عم کے حوالے کی گئیں۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ یہ تمام کشتیاں ساحل دریائے سندھ پر رواں کی جائیں اور خود فیروز شاہ اپنے لشکر کے ہمراہ دریا کے مقابل روانہ ہو۔

بادشاہ چند روز کے بعد ٹھٹھہ کے حدود میں قیام پذیر ہوا۔

تیسرا باب

ٹھٹھہ کے نواح میں آمد

واضح ہو کہ اس زمانے میں ٹھٹھہ کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔

ایک حصہ تو دریائے سندھ کے ساحل پر آباد تھا اور دوسرا حصہ دریائے مذکور کے دوسرے کنارے پر واقع تھا۔

ٹھٹھہ کے باشندے بے حد کثیر تعداد میں تھے اور ہر گروہ بے حد شان و شکوہ کے ساتھ جنگ آزمائی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔

تمام مرد جنگجو تھے، چنانچہ ان کی مردی و مردانگی کا حال تمام عالم کو معلوم ہے اور ان کے عادات و اطوار روز روشن کی طرح ظاہر و ہویدا ہیں۔

اُس زمانے میں برادر حکمران اور اس کا برادر زادہ مسمی بانبھ حاکم شہر تھا اور یہ افراد بے حد قوت وظاہری شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور فیروز شاہ کے مقابلے میں نہایت غیر واجب جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔

ان باشندوں نے بہت بڑی جمعیت فراہم کرلی تھی اور چونکہ ان کا ملک بے حد وسیع وبے شمار تھا، اُنھوں نے بلا خوف وخطر زور وقوت میں اضافہ کیا اور سندھ کے اُس حصّے کی آبادی میں جو دریائے سندھ کے ساحل پر واقع ہے۔ اُنھوں نے قتال وجدال پر کمر باندھی اور جنگ آزمائی کے لئے مصروف تھے۔

غرض کہ ٹھٹھہ کے باشندوں نے آبادی کے ہر دو حصوں میں تمام قلعے تیار کیے تھے۔

مختصر یہ کہ جام اور بانبھ ہر دو اشخاص جنگ آزمائی میں مشغول ہوئے اور فیروز شاہ نے بھی عالی ہمت وصاحب سیاست سلاطین کی طرح ٹھٹھہ کے حدود میں نزولِ اجلال فرمایا۔

طرفین سے فوج ولشکر کے دستے جنگ کے لئے نمودار ہوتے تھے، لیکن خدا کی مشیت سے فیروز شاہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہوئی اور جانوروں کی بیماری نے اس قدر شدت اختیار کی کہ تمام خلائق شہر خرد وبزرگ قطعاً ناامید ہوگئے۔

نود ہزار سواروں میں، جو بادشاہ کے ہمراہ تھے، ایک ربع سواروں کے گھوڑے بھی بمشکل زندہ رہے ہونگے۔ اس کے علاوہ غلّے کی گرانی سے بے حد پریشانی پیدا ہوئی اور غلّے کی قیمت دو یا تین تنگے فی من تک پہنچ گئی۔

ٹھٹھہ کے باشندوں نے یہ معلوم کرکے کہ فیروز شاہی لشکر قحط ووبا کی مصیبت میں گرفتار اور فوج کے جانور حد سے زیادہ تلف ہوگئے ہیں اور مخلوق خدا قطعاً ناامید ہوگئی تو جام وبانبھ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور غرور وتکبر کے نشے میں سرشار ہوکر بادشاہ سے جنگ آزمائی کرنے پر مستعد ہوئے۔

چوتھا باب

اہلِ سندھ سے جنگ

نقل ہے کہ جام و بانبھ جنگ آزمائی کے لئے مستعد ہوئے اور بے شمار سواروں اور پیادوں کے ہمراہ حصار سے نکل کر فیروز شاہ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔

فیروز شاہ کو بھی معلوم ہوا کہ جام و بانبھ نے جنگ کے لئے لشکر آراستہ کیا ہے اور بادشاہ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا اور سواروں کی اعداد شماری کی گئی۔

بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سواروں کا ایک ربع حصّہ بھی باقی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قحط کی وجہ سے کسی شخص میں جنگ و جدال کی قوت نہیں ہے، لیکن پھر بھی بادشاہ نے اپنی فوج آراستہ کی اور حریف کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوا۔

فیروز شاہ نے فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کیا، اور میمنہ و میسرہ و قلب کی فوج کو آراستہ کرکے ہاتھیوں کو ان تین حصّوں میں متعیّن کیا۔

بادشاہ بے حد جرأت و شجاعت کے ساتھ میدان میں استادہ ہوا اور مثل عظیم الشان فرماں روایان عالم کے ہتھیار جسم پر لگا کر جنگ آزمائی کے لئے مستعد ہوا۔

فیروز شاہ ہاتھ میں لکڑی لے کر افواج کے درمیان گشت لگانے لگا اور اپنی فوج کو دلداری و دل دہی کے ساتھ انعام و اکرام کے دل خوش کن وعدوں سے مطمئن کرنے لگا۔ فیروز شاہ جس حصّۂ فوج کے درمیان میں گزر کر نوازش و اکرام کے کلمات زبان پر لاتا تھا تو تمام فوج صدق دل سے بادشاہ کو دعا دیتی تھی اور سر بزمین ہو کر فیروز شاہ کی مدح و ثنا کرتی تھی۔

فیروز شاہ اگرچہ سلاطین باہمت کی طرح اہل سندھ کے بے شمار گروہ خیال میں نہ لاتا تھا اور نہ بظاہر حریف کی کثرت کو خاطر میں لاتا تھا، لیکن لشکر کی کمزوری اور افسران فوج کی محنت و ضعف سے پریشان اور ان کی ایسی حالت پر افسوس کرتا اور

لمحہ بہ لمحہ دست دعا بلند کر کے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا۔

باوجودیکہ قوم ٹھٹھہ کے ساتھ بیس ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے تھے اور ہر سوار اپنے زور و قوت کے اعتبار سے رستم زمانہ تھا، لیکن بادشاہ نے خدا پر تکیہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ طرفین سے تیر باری شروع ہوئی۔

جنگ کا بازار گرم تھا کہ خدا کے حکم سے جو تمام امور کا خالق مطلق ہے، فیروز شاہی لشکر کے مقابلے میں ہوا کا سخت و شدید طوفان آیا۔

ہوا کے جھونکے اس درجہ سخت و تیز تھے کہ کسی فرد کو آنکھ کھولنے کی مجال نہ تھی، لیکن باوجود ان حالات و آثار کے جانبین سے جنگ آزمائی ہو رہی تھی اور طرفین کے پہلوان آویزش میں مصروف تھے۔

غرض باوجود اس کے کہ فیروز شاہ انتہائی سعی و کوشش میں مصروف تھا اور اگرچہ شاہی لشکر قحط و نیز وبائے اسپ کی وجہ سے بے حد کمزور ہو چکا تھا، لیکن ہر مرتبہ حریف پر شدید ترین حملہ کرتا تھا اور اُن کے اس مردانہ حملے سے باشندگان ٹھٹھہ اپنی بے پایاں قوت و طاقت کے حصار کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

بادشاہ اپنی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھا اور اپنی فوج کی جرأت و انتظام دیکھ کر بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ اپنی فوج باہمت جو گو کہ بلائے ارضی و سماوی سے کمزور و ضعیف ہو چکی ہے لیکن ہنوز کمر ہمت باندھ کر حریف سے مقابلہ کر رہی ہے۔

فیروز شاہی لشکر مثل غازیان نامدار کے حریف کے مقابلے میں استادہ تیغ و دست سے کام لے رہا تھا۔ مختصر یہ کہ جانبین نے جاں بازی میں انتہائی کوشش کی، لیکن آخرکار اہل سندھ بدحواس و پریشان ہو گئے اور جام اپنی جمعیت کے ہمراہ میدان جنگ سے واپس ہوا۔

فیروز شاہ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ اپنی قیام گاہ کو واپس آیا اور اعوان و انصار کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اُن سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

بادشاہ نے کہا میرا ارادہ ہے کہ اب اس مقام سے واپس ہو کر گجرات کا رخ کروں، اور وہاں فوج و حشم کی تیاری کروں اور اگر حیات باقی رہے تو خدا کی اعانت پر سال آئندہ اس مہم کو سر کرنے پہ توجہ کروں۔

پانچواں باب

ٹھٹھہ سے واپسی اور گجرات کا سفر

شب کا وقت آیا اور اہل لشکر جنگ و جدال سے کنارہ کش ہو کر اپنی اپنی فرودگاہ کو واپس آئے۔

فیروز شاہ نے مقرب اہل دربار کو اپنے حضور میں طلب فرما کر اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

بادشاہ نے فرمایا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی یہ ہے کہ ملک ٹھٹھہ اس مہم میں فتح نہ ہو اور مصائب و آلام و نیز حریف و اعداء دونوں مخالفین کے لشکر ہماری فوج پر حملہ آور ہوں۔

پروردگار نے اپنی قوت کاملہ سے آفات ارضی و سماوی کو ہم پر غلبہ عطا فرمایا جس کی وجہ سے ہمارا لشکر بے حد ضعیف و کمزور ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ قحط و وبا کے پے در پے حملوں نے ہمارے لشکر و حشم کو انتہا سے زیادہ کمزور کر دیا۔ اگرچہ ہماری فوج و لشکر نے ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کیا ہے اور ہمت و جرات کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں جنگ آزمائی کی ہے، لیکن کمزور و بیمار رسیدہ لشکر تا بہ کے ہمت سے کام لے سکتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر حیات باقی ہے اور خدا کا کرم میرا امدادگار ہے تو سال آیندہ اس ملک پر حملہ کروں۔

فیروز شاہ نے مقربان بارگاہ سے مکرر یہ تقریر فرمائی اور کہا بجز اس کے دوسرا چارہ کار نہیں ہے کہ میں تاوقتیکہ بار دوم اس ملک میں نہ آؤں، دہلی کا رُخ نہ کروں۔

اہل دربار نے بادشاہ کی یہ تقریر سُن کر زمین ادب کو بوسہ دیا اور تمام حاضرین نے نہایت خلوص و پسندیدگی کے ساتھ بادشاہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

اہل دربار نے عرض کیا کہ بادشاہ کی رائے بے حد صائب ہے اس لئے کہ فرمانروایان

جہاں کشا کا آئین و قانون حملہ کشتی یہی ہے کہ اگر ایک مقام کسی وجہ سے کسی مہم میں فتح نہیں ہوتا تو چند روز اُس مُلک سے دست کش ہو جاتے ہیں، لیکن اُس مہم کو گوشۂ خاطر سے فراموش نہیں کرتے۔

بادشاہ اگر اس وقت اس ملک سے کنارہ کش ہو کر ملک گجرات تشریف لے جائیں تو بہنایت مناسب ہوگا۔

بادشاہ کی اس مصلحت سے غلہ بھی لشکر کو میسر آجائے گا اور خستہ و ماندہ پیادے گھوڑوں پر سوار بھی ہو جائیں گے۔

خلقت خدا تازہ دم ہو جائے گی اور ہم دوسری مرتبہ اس ملک پر حملہ آور ہو سکیں گے۔

بادشاہ کی روانگی کے بعد اہل ٹھٹھ کے باشندوں نے یہ خیال کیا کہ بادشاہ اپنے ملک کو واپس گیا، وہ مطمئن ہو جائیں گے اور بے خبر ہو کر زراعت میں مصروف ہوں گے، جس کی وجہ سے اُن کا تمام غلہ زمین کی نذر ہو جائے گا۔ اور تمام کھیت سرسبز ہو جائیں گے۔

جب ربیع کی فصل قریب ہو اُس وقت بادشاہ مع تمام لشکر و پیلان پُرشکوہ کے اُس نواح کا رُخ فرمائے اور اس طرح امید ہے کہ تمام غلہ ہمارے قبضے میں آجائے گا اور اہل لشکر کو اطمینان و فراغت نصیب ہوگی۔

ایسی حالت میں امید ہے کہ سندھ کا ملک جلد سے جلد فتح ہو جائے گا۔

غرض کہ اہل دربار نے فیروز شاہ کو واپسی کی رائے دی اور بادشاہ نے اُن کے معروضے کو بے حد پسند کیا۔

فیروز شاہ نے واپسی کا مصمم ارادہ کیا اور حکم دیا کہ کوچ کا دمامہ بجایا جائے تاکہ اہلِ لشکر اپنا سامان درست کریں۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور دمامے کی آواز سُن کر اہلِ لشکر بے حد خوش و شاد ہوئے۔

ہر خاص و عام، ضعیف و جوان نے سامان درست کیا اور بادشاہ نے اُسی وقت میدان سے کوچ کیا۔

فیروز شاہ نے خان اعظم ظفر خاں کو جس کے ماتحت بے شمار بنگالی لشکر تھا، اپنا قائم مقام بنا کر ٹھٹھ میں چھوڑا۔

ٹھٹھہ کے باشندوں کو بادشاہ کی روانگی کی اطلاع ہوئی اور یہ گروہ شوخ چشم ہوکر فیروز شاہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

بادشاہ نے اول روز دس کوس راہ طے کی اور ٹھٹھہ کے باشندوں نے تعاقب کیا۔

چونکہ ظفر خاں موجود تھا اُس نے حریف سے مقابلہ کیا اور اہل بنگالہ و باشندگان ٹھٹھہ میں شدید معرکہ آرائی ہوئی۔

غرض کہ خدا کی مشیت کے مطابق میدان کارزار گرم رہا اور خوں ریز لڑائی ہوئی لیکن آخرکار ظفر خاں نے اقبال بادشاہی سے حریف کو شکست دے کر اُن کا تعاقب کیا۔

ٹھٹھہ کے باشندے ظفر خاں کے خوف سے واپس ہوئے اور اُس امیر نے چند سندھی افسروں کے سر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیئے۔

واپسی کے وقت تمام اسباب سندھیوں کے ہاتھ آیا اور بادشاہ نے گجرات کا رُخ کیا۔

چھٹا باب ۶

بادشاہی لشکر پر ایک اور آفت

نقل ہے کہ فیروز شاہی لشکر کے واپس ہونے کے بعد غلّہ اور زیادہ گراں ہوا۔ غلّے کا نرخ روز بروز گراں ہونے لگا اور جانوروں کی بیماری اسب نے اور زیادہ ترقی کی۔

غلّے کا نرخ ایک تنگہ یا دو تنگہ فی سیر ہو گیا اور مخلوق گرسنگی و برہنگی کی وجہ سے پریشان ہونے لگی۔ مخلوق کو راہ طے کرنا مشکل ہو گیا اور ہر شخص بے حد مشکل سے سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔

اہل لشکر کا یہ حال تھا کہ غلّہ کی کمیابی کی وجہ سے مار اور مردار جانوروں کا گوشت اور خام چمڑا کھا کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔

بعض اشخاص کا یہ حال تھا کہ شدّت گرسنگی کی وجہ سے خام چرم کو پانی میں جوش دے کر کھاتے اور اُس سے شکم سیر ہوتے تھے۔

غرض کہ ایسا شدید قحط رونما ہوا کہ اہل لشکر زندگی سے بیزار ہو گئے اور تمام سپاہیوں کے گھوڑے ضائع ہو گئے۔ اہل لشکر تو درکنار، تمام ملوک و امراء کے جانور بھی تلف ہو گئے اور یہ گروہ بھی پاپیادہ راہ طے کرنے لگا۔

اہل لشکر کے پاس کوئی سواری باقی نہ رہی اور خدا کی مشیت سے تمام فوج جنے سوار ہو گئی۔

چند سندھی اشخاص اہلِ لشکر سے چند قدم آگے تھے اور فوج کی راہبری کر رہے تھے۔

ان اشخاص نے اس لشکر کو کونجی رن میں پہنچا دیا جہاں تمام پانی قطعاً شور تھا۔ اس مقام کے پانی کی شوریدگی کا یہ عالم تھا کہ اگر اُس کا ایک قطرہ بھی زبان پر رکھا جاتا تو زبان پاش پاش ہو جاتی۔

اہل لشکر اس مقام پہنچ کر نہایت حیران ہوئے اور بادشاہ نے چند بدخوار رہبروں کو گرفتار کرا کے اُن کو ہلاک کرا دیا۔

ان اشخاص کے قتل ہونے سے باقی راہبروں نے اقرار کیا کہ اُنھوں نے مکاری و غداری سے لشکر کی غلط رہنمائی کی۔

اس گروہ نے اقرار کیا کہ ہم دیدہ و دانستہ شاہی لشکر کو ایسے مقام پر لے آئے جہاں زندہ و سلامت رہنا مشکل ہے۔

ان اشخاص نے بیان کیا کہ ہوا کی طرح اُڑنے یا دوڑنے سے بھی اس مقام سے نجات پانا محال ہے، اور اس سرزمین کو کونجی رن کہتے ہیں، چونکہ اس مقام سے دریا قریب ہے اس لئے پانی میں اس قدر شوریدگی پائی جاتی ہے۔

اس مقام میں انسان کے لئے بجز ہلاکت کے اور دوسرا چارۂ کار نہیں ہے۔

رہبروں نے بادشاہ سے یہ گفتگو کی اور ان کا بیان سُن کر تمام فوج نے جان سے ہاتھ دھو یا اور ہر شخص کو قطعاً نا اُمیدی ہو گئی۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ خود اُس کے اور تمام اہل لشکر کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے اور آب شور سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

اس آب شور میں بے حد شورش تھی اور تمام خلقت خدا بے حد فکر مند و حیران تھی، اور

جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی صرف آبِ شور ہی نظر آتا تھا۔
اہلِ لشکر نے بے حد محنت و دشواری کے ساتھ آبِ شور میں قدم رکھا! آبِ شیریں کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ یہ آبِ شور اس درجہ تیز تھا کہ آبِ شیریں کا ظرف اُس شور پانی میں گر جاتا تھا تو اس کی تاثیر سے آبِ شیریں بھی شور ہو جاتا تھا اور پھر اس شیریں پانی کو کوئی شخص زبان پر نہ رکھ سکتا تھا۔
غرض کہ اہلِ لشکر بے حد خرابی و مشقت کے ساتھ اس آبِ شور سے گزرے اور آگے قدم بڑھایا۔
اس پانی کو طے کرنے کے بعد ایک ایسے جنگل میں وارد ہوئے، جہاں کوئی پرندہ انڈا نہ دے سکتا تھا اور نہ کسی جانور کا نام و نشان نظر آتا تھا۔
اس جنگل میں کسی مقام پر گھاس یا درخت نظر نہ آتا تھا، ان اشیاء کا ایسا قحط تھا کہ خلال کے لئے تنکا نصیب نہ ہوتا تھا۔
غرضکہ یہ جنگل ایسا ہولناک تھا کہ نہ اُس میں مور کا گزر تھا اور نہ کوئی جانور آواز دیتا تھا۔
قحط کی شدت اور ضعف و بیماری کی وجہ سے پیادہ پائی و بے چارگی مصیبت کے سبب سے تمام لشکر جان سے تنگ آگیا اور ہر شخص کا یہ حال ہوا کہ بوڑھا باپ خستہ و جاں بلب ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا اور غریب پسر سے جو اس کی بالیں پر کھڑا رہتا مشکل سے روتا اور کہتا کہ اے لختِ جگر میں تو اس جنگل میں اپنی جان دیتا ہوں اور عالمِ آخرت کا سفر کرتا ہوں، خدا کرے تو صحیح و سالم مکان پہنچے تاکہ اس پدرِ غریب کی موت کا حال اعزّہ تک پہنچا دے۔
اسی طرح ایک غمگین بھائی دوسرے غم زدہ بھائی کو اسی طرح خستہ و ماندہ چھوڑ کر راہ لیتا تھا اور احباب و دوست کو اپنے کرم فرما احباب کا مطلق خیال نہ رہا۔
غرض کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لشکر میں ہر چہار جانب سے شور بلند ہوا اور تمام فوج جان سے بیزار ہو گئی۔
ہر شخص کو اپنی جان کی پڑی تھی جس کی وجہ سے تقریباً تمام سپاہیوں نے نفیس و بیش قیمت اسباب جنگل میں چھوڑ دیا۔
حضرت فیروز شاہ ان تمام واقعات کے مشاہدے سے بے حد حیران و پریشان تھا۔

بادشاہ خدائے کریم کے رحم وکرم پر توکل کر کے آگے قدم بڑھاتا تھا اور ہر لحظہ خدا کی بارگاہ میں مناجات کرتا،

لشکر کی شکستہ دلی و پریشانی سے بادشاہ بھی غمگین تھا اور اس رنج والم میں زار زار روتا تھا۔

غرض کہ اس غم زدہ جماعت پر چار بلاؤں کا نزول تھا، ایک بلائے قحط، دوسری مصیبت پیادہ پائی، تیسرے بلائے صحرائے جاں گداز اور چوتھے رنج فرقت عزیزاں۔

غرضیکہ یہ تمام آفات تقدیر الٰہی کا کرشمہ تھیں، جو ان غربا پر اس طرح نازل ہوئی تھیں۔

ان آفات ومصائب نے یہاں تک طول پکڑا کہ چھ ماہ کامل بادشاہ ولشکر کے حالات دہلی میں نہ پہنچ سکے۔ تمام شہر میں یہ شور بلند ہوا کہ فیروز شاہ مع لشکر کے غائب ہو گیا۔

خان جہاں وزیر جو تدبیر وسیاست میں بے نظیر تھا اور دہلی میں سکونت پذیر تھا۔ رعایا کے سر پر موجود تھا۔ اس امیر کے خوف کی وجہ سے کسی فرد کو زیادہ مخالفت کی جرأت نہ ہوتی تھی، لیکن تمام شہر ماتم کدہ بن گیا تھا اور ہر مکان میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔

شہر کی خلقت بے حد حیران تھی، اس لئے کہ اس مدت میں نہ کوئی فرمان صادر ہوا اور نہ کسی شخص کا کوئی نامہ وپیام اہل شہر تک پہنچ سکا۔

تمام خلقت خدا کو یقین ہو گیا اور ہر شخص نے یہ کہنا شروع کیا کہ بادشاہ مع اپنے حشم ولشکر کے غائب ہو گیا ہے۔

غرض کہ خان جہاں کو معلوم ہوا کہ شہر کی حالت بے حد خراب ہو گئی تو اس امیر نے تمام سلطانی جاہ وحشم کو کوشک شاہی سے اپنے مکان میں منتقل کر لیا اور بیداری وہوشیاری کی شدید تاکید کی تاکہ کسی فرد کو فتنہ وفساد کا خیال نہ آسکے۔

خان مذکور ہر روز حوالی شہر میں سواری کرتا اور خلائق کو اپنے رعب وداب سے متاثر کرتا تھا۔ خان جہاں نے دیکھا کہ اس شور وشغب میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور کسی طرح پر خلائق کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اس امیر نے فیروز شاہ کی زبان وقلم سے ایک فرمان تحریر کیا جس میں بادشاہ ولشکر کی سلامتی کا مژدہ سنایا اور اس فرمان کو عامۂ خلائق کے روبرو پڑھ کر ہر شخص کو اس کا مضمون سنایا۔ تمام خلقت اس فرمان کو سن کر مطمئن وخوش ہوئی اور ہر شخص نے کسب معاش کی تدبیر شروع کی۔

سچ ہے کہ اگر وزیر صاحبِ فہم و فراست نہ ہو تو فرماں روا ئے وقت اس قدر دور و دراز سفر کیونکر اختیار کرے اور کس طرح ممالک کو فتح کرے۔

ظاہر ہے کہ فیروز شاہ کو سندھ کی مہم میں یہ حادثہ پیش آیا اور بادشاہ چھ ماہ کامل کو بجی رن میں گرفتار مصیبت رہا، ایسی حالت میں وزیر کی دانائی و فراست ہر گونہ قابل تعریف ہے جس نے بادشاہ کی عدم موجودگی میں ایسی عظیم الشان سلطنت کو برقرار رکھا۔

اگرچہ خان جہاں باوجود فہم و فراست و تدبر و سیاست میں مشہور ہونے کے اس درجہ ہر دل عزیز و قابل تعظیم و تکریم تھا کہ ہر شخص اس کا بندۂ احسان ہو کر اس کے حکم پر جان قربان کرنے کو تیار تھا لیکن اس امیر نیک چلن اور نیک دل نے ایک لمحہ بھی طمع سلطنت سے اپنے قلب و دماغ کو آلودہ نہ کیا۔

اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو تاریخ عالم میں صرف دو ہی افراد اس پائے کے گزرے ہیں جنھوں نے اپنے بادشاہ کی عدم موجودگی میں انتظام سلطنت کو برقرار رکھا اور خود کسی خیال خام میں مبتلا نہ ہوئے، ایک خان جہاں وزیر سلطان فیروز، دوسرے ارسطاطالیس وزیر اسکندر یونان۔

جس زمانے میں کہ سکندر نے اوّل بار مشرق کی مہم کو طے کر کے مغرب کا رُخ کیا اور جب تک کہ سلاطین عالم کو حلقہ بگوش نہ کر لیا، اپنی مملکت کو واپس نہ ہوا۔

اس کے علاوہ سکندر ایک سو سال اسی طرح تمام عالم میں گشت لگاتا رہا اور اس کا عاقل و دانا وزیر ارسطو اپنے مقام پر بیٹھا ہوا سلطنت کا انتظام کرتا رہا۔

سو سال کے بعد سکندر اپنے ملک کو واپس آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ اس کی عدم موجودگی میں ارسطو نے ملک میں دو چند اضافہ کر دیا ہے۔

سلطان فیروز شاہ ٹھٹھ روانہ ہوا اور بادشاہ انتہائی محنت و مشقت میں گرفتار ہوا۔

چھ ماہ کامل بادشاہ کی خبر نہ معلوم ہوئی اور شاہ و لشکر کے حالات سے اہلِ دہلی بے خبر رہے لیکن چونکہ بادشاہ، خان جہاں جیسے صاحب فہم و فراست و مدبر وزیر کو دہلی میں اپنا قائم مقام بنا گیا تھا۔ جب بادشاہ ڈھائی سال کے بعد لکھنوتی و جاج نگر کے سفر سے واپس آیا تو دہلی کو دو چند آباد و معمور پایا اور پایۂ تخت کو ہر حال میں بہتر دیکھا۔

سبحان اللہ ایسے بادشاہ خوش کردار و وزیر نیکوکار کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

ساتواں باب

شاہی لشکر کی آہ وزاری

نقل ہے کہ فیروز شاہ بے حد محنت و مشقت و نیز شدید الم و مصیبت کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا اور اس جاں گداز صحرا و ہولناک وادی میں ہزار دقت و خرابی قدم اُٹھاتا تھا اور رنج و تکلیف کی شدت اور کرب و بے چینی کی مصیبت نے بادشاہ و لشکر دونوں کو بے جان بنا دیا تھا۔ غرضکہ سفر کی تکلیف و مصیبت حد سے گزر گئی اور تمام مخلوق کو جان سے ناامیدی ہو گئی۔ بادشاہ رعیت و لشکر کی ناامیدی و پریشانی ملاحظہ کر کے آب دیدہ ہوتا اور افسوس کی وجہ سے دل ہی دل میں طرح طرح کے یاس انگیز خیالات میں مبتلا ہوتا تھا۔

ہر منزل میں ہزاروں انسان و جانور تلف ہوتے تھے اور اپنی جانیں اُس جنگل میں گنواتے تھے۔

بعض معتبر راویوں کا بیان ہے کہ ایک روز بادشاہ سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک بلندی پر نظر پڑی۔ بادشاہ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور بلندی پر چڑھ گیا اور دیکھا کہ ایک سبز درخت کے سایہ میں ایک پیر مرد ضعیف کور و حقیر و سال خوردہ و کمزور بیٹھا ہے۔

سلطان فیروز بالائے کوہ اُس پیر مرد کے پاس گیا اور بادشاہی جانداروں نے ارادہ کیا اس پیر مرد کو اس کی جگہ سے ہٹائیں۔

پیر مرد کا یہ حال تھا کہ انتہائی کمزوری وجہ سے کھڑا بھی نہ ہو سکتا تھا۔

بادشاہ نے شاہی ملازمین کو منع کیا کہ پیر مرد سے مزاحمت نہ کریں اور خود درخت کے سائے میں اُس مرد ضعیف کے پاس پہنچا۔

پیر مرد نے بادشاہ کی جانب رُخ کیا اور کہا کہ اے بادشاہ خدا سے ڈر کیوں اس قدر مخلوق کو بے وجہ تلف کر رہا ہے۔ تو نے اس لشکر کو ایک ایسے مقام میں آوارہ دشت غربت کیا ہے کہ تمام خلقت خدا قطعاً بے دست و پا ہو کر مجبور و لاچار ہو گئی ہے۔

بادشاہ نے سوال کیا کہ آیا تمھارے دل میں کوئی تمنا ہے؟

پیر مرد نے جواب دیا کہ مجھ پر بے شمار فاقے گزر رہے ہیں جس کی وجہ سے میں شدید گرسنہ ہوں۔
بادشاہ نے حکم دیا کہ فقیر کو دو تنگے زر عطا کئے جائیں۔
شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور فقیر بادشاہ کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور اپنی کمر سے ہمیانی کھول کر بادشاہ کو دس تنگے زر دکھائے، اور کہا کہ اے بادشاہ میں غذا کا خواستگار ہوں نہ کہ زر کا۔
بادشاہ نے فرمایا کہ آج ہمارے لنگر خانے وباورچی خانے میں کوئی کھانے کی شئے موجود نہیں ہے اور شاہزادہ فتح خاں کے لئے صرف ایک سیر کھچڑی بشیر یعنی عماد الملک کے خیمے سے لائی گئی ہے۔
بادشاہ نے یہ کہا اور آگے روانہ ہوا اور اسی وقت اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر یہ مہم سندھ خدا کے فضل وکرم سے سر ہو جائے گی تو بادشاہ بار دیگر سفر نہ کرے گا۔
غرض کہ بادشاہ اسی حالت تکلیف ومصیبت میں چند منزل اور آگے بڑھا اور تمام لشکر کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ فوج کا ہر شخص جان سے بیزار ہو گیا اور پانی کے قحط نے تمام خلقت خدا کو جاں بلب کر دیا۔
ہر شخص کو زندگی سے مایوسی ہو گئی اور یہ یقین کر کے کہ بغیر پانی کے ایک لمحہ بھی زندگی دشوار ہے۔ ہر شخص اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔
جب یہ عالم ہوا کہ تمام خلائق اس بے آب مقام پر پہنچ کر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ تمام اشخاص یکبارگی اس جنگل میں ہلاک ہو جائیں گے۔
فیروز شاہ کو بھی اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی اور ہر لحظہ غم وفکر میں غرق رہنے لگا۔
بادشاہ ہر وقت دست دعا بلند کرتا اور بارگاہ الٰہی سے رحم وکرم کی التجا کرتا تھا اور زبان حال سے کہتا کہ "اے خدا دستگیر درماندگی تیری ذات ہے۔ مجھ کو اور میرے تمام رفقاء کو اس مصیبت و الم سے نجات دے"۔
تفاسیر ونیز دیگر معتبر کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بے آب وگیاہ جنگل میں آوارہ وطنی کی مصیبت سے سابقہ پڑا تھا، اسی طرح فیروز شاہ کو بھی سندھ کی مہم کے اختیار کرنے میں اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور پانی کی تکلیف اس درجہ بڑھی کہ بادشاہ کو زندگی سے مایوسی ہو گئی اور اس کے رفقاء نے حیات کے عالم ہی میں اپنے کو مردہ تصور کر لیا۔
مختصر یہ کہ حضرت شاہ کو ایک شب الہام ہوا اور بادشاہ نے محل خلوت میں سربسجدہ ہو کر بارگاہ

الٰہی میں مناجات شروع کی اور آہ وزاری کے ساتھ خدا سے دعا کرنے لگا کہ "پروردگار اُس شخص کے قدم کی برکت سے جو اس لشکر میں موجود اور صاحب ولایت کا ہمسر ہے، اپنے باران رحمت سے بندگان گنہگار کو سیراب فرما اور اس جاں گداز جنگل سے آزادی و نجات عطا فرما۔

بادشاہ کے دعا کرتے ہی اُسی وقت آسمان پر ابر چھا گیا اور ہر چہار جانب شور بلند ہوا۔ خدا کے رحم و کرم سے شدید بارش ہونے لگی اور ہر چہار طرف پانی کی ندیاں جاری ہوگئیں۔ تمام لشکر نے خود بھی پانی پیا اور پانی جمع کر لیا اور ہر شخص بے آبی کی تکلیف سے نجات پاکر خوش و خرم ہوگیا۔

غرض کہ اُس روز صحرائے جاں گداز سے نکلنے کا راستہ بھی معلوم ہوگیا اور بادشاہ کی دعا کی برکت سے ہر شخص کو آوارہ وطنی کی مصیبت سے نجات حاصل ہوئی۔

سبحان اللہ یہ امر محض کرم الٰہی تھا جو ہر وقت اپنے درماندہ بندوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت ذوالنون مصری کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ مصر میں بارش نہیں ہوئی اور اہل شہر حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت خواجہ بارش کے لئے دُعا فرمائیں۔

جناب ممدوح منبر پر تشریف لے گئے اور دعا کی کہ پروردگار عالم جس شخص کے انوار ریاضت سے یہ شہر روشن و درخشاں ہے، اُس کے قدم کی برکت سے باران رحمت نازل فرما۔

حضرت شیخ کے دعا فرماتے ہی نزول باراں ہوا اور تمام شہر سیراب ہوگیا۔

اسی طرح بادشاہ دین طلب نے مثل مشائخ کرام کے خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور اُسی وقت دھواں دھار بارش ہونے لگی اور تمام خلقت خدا سیراب ہوگئی۔

غرض کہ فیروز شاہ نے خدا کے فضل و کرم سے اس جنگل سے نجات پائی اور خدا کی بارگاہ میں شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے اُسی وقت خان جہاں کے نام فرمان روانہ کیا اور اپنی و نیز تمام لشکر و فوج کی سلامتی سے اہل دہلی کو آگاہ کیا۔

بادشاہ کا فرمان دہلی پہنچا اور خانِ جہاں بے تابانہ قاصد کے قریب آیا اور شہر میں

ہر مکان میں خوشی کا دور دورہ ہوا۔
اہل شہر نے طبل شادی بجائے اور ہر گھر میں دن عید و رات شب برات کا سماں نظر آیا۔
ہر شریف و کم رتبہ، غرضکہ ہر خاص و عام عیش و مسرت کا متوالا بنا اور تمام بلاد و ممالک
ہیں شور مسرت بلند ہوا۔

آٹھواں باب

فیروز شاہ کا گجرات پہنچنا

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ مع تمام خلائق و لشکر کے اُس صحرا سے صحیح و سالم نجات
پاکر سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا گجرات پہنچا۔
اُس زمانے میں ملک الشرق نظام الملک امیر حسین برادر میر میران مستوفی الممالک علیہ الرحمۃ
گجرات کا حاکم تھا۔
یہ امیر ملک کے انتظام اور اقطاع کی حفاظت میں بے انتہا سعی و کوشش کرتا تھا۔
بادشاہ نے گجرات پہنچ کر نظام الملک پر عتاب کیا اور شدید ترین باز پرس کی۔
فیروز شاہ کے عتاب کا منشا یہ تھا کہ اگر نظام الملک کو بادشاہی لشکر کی کچھ بھی فکر ہوتی
تو یہ امیر گجرات سے غلہ روانہ کرتا رہتا اور خلقت خدا اس طرح گرسنہ و پریشان و تلف نہ ہوتی۔
بادشاہ نے نظام الملک کو حکومت گجرات سے معزول فرما کر اس کی جاگیر ضبط کی۔
غرض کہ فیروز شاہ نے گجرات میں قیام کر کے لشکر کو تازہ دم کیا، اور غیر وجہدار لشکر کو
شش گونہ رقم عطا فرمائی جس کی وجہ سے یہ گروہ اس قابل ہو گیا کہ گھوڑے خرید کر سواروں میں
داخل ہو جائے۔
اس موقع پر عماد الملک نے جو بارگاہ سلطنت کا مستوفی تھا، بادشاہ سے عرض کیا کہ
غیر وجہدار گروہ بادشاہ کی شاہانہ نوازش سے سواروں میں داخل ہو گیا لیکن وجہدار جماعت بیحد
مضطر و پریشان ہے اس لئے کہ اُن کے مواضع حوالی دہلی میں واقع ہیں اور اس گروہ کا تنگ دستی

سے بُرا حال ہے۔

اس گروہ کے بے شمار افراد اس ملک میں آگئے ہیں ان کی آمدنی اور تنخواہ دہلی سے کوئی شخص اُن کو پہنچائے، اس لیے ان غریبوں کا بُرا حال ہے اور یہ گروہ اپنی بے نوائی کی وجہ سے حد سے زیادہ پریشان ہے۔ فیروز شاہ نے جواب میں فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ وجہدار گروہ پریشانی و تنگ دستی کی وجہ سے پیادہ ہو گیا ہے، لیکن ان اشخاص نے اس مہم میں ہماری موافقت کی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اُن کے مواضع بہت دُور واقع ہیں جس کی وجہ سے یہ بے حد پریشان ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو قدرے قلیل غلّہ پیدا ہوتا ہے وہ اُن کے اہل و عیال کے صرف میں آتا ہے اور ان غریبوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ وجہدار گروہ کو خزانۂ شاہی سے روپیہ قرض دیا جائے اور شاہی حکم کی بنا پر بعض اشخاص کو پانچ سو اور بعض کو سات سو اور بعض کو ایک ہزار تنگے بطور قرض دیئے گئے۔ غرض کہ وجہدار گروہ بھی بادشاہ کی عنایت و نوازش سے رقم قرض پا کر مطمئن ہوا اور سواروں میں داخل ہو گیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ خان جہاں کے نام اس مضمون کا فرمان جاری کیا جائے کہ وجہدار گروہ کے مقطعہ جات سے کسی قسم کا تعرّض نہ کیا جائے اور جب تک کہ شاہی سواری دہلی واپس نہ ہو اُن سے نہ باز پرس کی جائے اور نہ اُن کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے تاکہ وجہدار گروہوں کے عیال اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

سُبحان اللہ سلطان فیروز شاہ خدا کی توفیق سے تمام مال گجرات کو جو دو کروڑ محصول تھا، کارخانہ جات شاہی کی درستی و حشم کی پرورش میں صرف کر دیا۔

اس صرف کا اصل مقصد یہ تھا کہ بادشاہ دوبارہ سندھ کا سفر کرے۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ نے سندھ کے سفر کا ارادہ کیا اور خان جہاں کے نام اس مضمون کا فرمان روانہ کیا کہ ما بدولت و اقبال اپنے بحری و برّی لشکر کے ہمراہ سندھ روانہ ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے اس فرمان و نیز توقیعات میں جان نثار وزیر کو برادرم کے خطاب سے یاد فرمایا اور یہ تحریر فرمایا کہ برادرم خان جہاں کو چاہیے کہ بے انتہا ساز و سامان و بے شمار جاہ و حشم سندھ کی جانب روانہ فرمائیں۔

نواں باب ۹

خان جہاں کا ساز و سامان روانہ کرنا

سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت سے سندھ کا رُخ کیا اور خان جہاں کے نام فرمان روانہ کیا۔

بادشاہ نے اس فرمان میں تمام اسباب لشکر کشی طلب کیا اور اس وزیر باتدبیر نے سامان روانہ کرنے میں بے حد سعی و کوشش کی۔

فیروز شاہ نے تمام عمّال درگاہ کو شدید تاکید کی کہ ہر کارخانے کا مال و اسباب بکثرت موجود رکھیں۔

شاہی حکم کے مطابق ہر کارخانے کے اسباب کی تکمیل کی گئی اور ہر شئے ایسی کثرت سے جمع ہو گئی کہ اُس کی تفصیل احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

صرف اسلحہ کی قیمت مبلغ سات لاکھ تنگہ قرار پائی تھی اور اسی پر دوسرے کارخانہ جات کے ساز و سامان کو قیاس کرنا چاہیئے۔

ہر اسباب ایک روز میں مرتب ہو جاتا اور خان جہاں اُس کو دوسرے روز روانہ کر دیتا تھا اور اسی طرح روزانہ اسباب روانہ کیا جاتا تھا۔

غرضکہ اس قدر اسباب بارگاہ شاہی میں جمع ہو گیا کہ بارکش اس کو اُٹھا نہ سکتے تھے۔

مختصر یہ کہ خان جہاں نے بادشاہ کے حضور میں عریضہ روانہ کیا اور اُس میں لکھا کہ چونکہ حضرت شاہ نے بار اوّل سندھ کی مہم کو اسی لیے ملتوی فرمایا تھا اور وہاں سے محض اس خیال سے واپس ہوئے تھے کہ لشکر کو راحت و آرام نصیب ہو، اور اب بار دگر حملہ فرما رہے ہیں اس لئے اُمید ہے کہ ملک جلد سے جلد فتح ہو جائے گا۔

دبیر ملک نے بادشاہ کے حضور میں عرض داشت پڑھی اور بادشاہ نے فرمایا ہمارا وزیر جسقدر صاحب فہم و فراست ہے، اُس کی قدر کچھ ہمیں کو معلوم ہے۔

غرض کہ فیروز شاہ جو دینداری میں کامل تھا نیک ساعت میں خدا کی امداد و عنایت سے سندھ روانہ ہوا۔

بادشاہ نے سراپردۂ خاص نصب کیا اور تمام عربی و عجمی لشکر و نیز تمام خدم و حشم بے حد خوشی و مسرّت کے ساتھ بادشاہ کے ہمرکاب ہوا۔

اس درمیان میں بہرام خاں داماد حسن خاں کانگو کی عرضداشت بادشاہ کے حضور میں پہنچی۔

بہرام خاں اُس زمانے میں دولت آباد کا حاکم تھا اور حسن کانگو کے فرزند اور بہرام خاں کے درمیان مخالفت پیدا ہوئی اور بہرام خاں فیروز شاہی بارگاہ میں پناہ گزیں ہوا۔

بہرام خاں نے اس معروضے میں یہ التجا کی تھی کہ اگر بادشاہ اپنے کرم سے دولت آباد تشریف لائیں تو یہ نمک خوار نہایت صدق و اخلاص کے ساتھ خدمت کرے گا اور خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ حضرت شاہ اپنے قدیم ملک پر قابض ہو جائیں گے

فیروز شاہ نے بہرام خاں کو جواب دیا کہ میں راز نہاں سے تمھیں آگاہ کرتا ہوں، تم کو معلوم ہو کہ مجھ کو سندھ کی مہم درپیش ہے اور میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک سندھ پر لشکر کشی کر کے اُس مُلک کو فتح نہ کر لوں گا اور ملک اور اہلِ مُلک کو زیر و زبر نہ کروں گا، کسی دوسری طرف رُخ نہ کروں گا۔

میں نے سندھ کو فتح اور وہاں کی سرکش رعایا کو تنبیہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور جب تک کہ میں اس مہم کو سر نہ کر لوں گا کسی دوسری سمت رُخ نہ کروں گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ ٹھٹھہ کو فتح کرنے کے بعد میں دولت آباد ضرور آجاؤں گا۔

غرض کہ ٹھٹھہ کی مہم بادشاہ کے خیال میں ایسی اہم تھی کہ اُس نے دولت آباد کا خیال ترک کر دیا اور ٹھٹھہ روانہ ہوا۔

فیروز شاہ نے پیشتر تو ارادہ کیا کہ ملک نائب کو گجرات کا حاکم مقرر کرے جس کے لئے خلعت و دیگر سامان انعام موجود کر لئے گئے تھے لیکن چونکہ بادشاہ کوئی کام بغیر مصحف کی فال دیکھے نہ کرتا تھا فیروز شاہ نے قرآن سے فال نکالی اور یہ فال ملک نائب کے لئے راست نہ آئی بلکہ ظفر خاں کے نام نکلی۔

ظفر خاں دفعۃً شاہی حضور میں طلب کیا گیا اور اُس کو خلعت و حکومت گجرات

عطا ہوئی
سبحان اللہ ظاہر ہے کہ جس طرح ہر کام میں فیروز شاہ بارگاہ الٰہی میں التجا کرتا تھا، شاید دوسرے سلاطین کو میسّر نہ ہو۔

بادشاہ کی یہ روش دیگر سلاطین بابرکات و مشائخ طریقت کے اعمال صالحہ کے مطابق کہی جا سکتی ہے، جو ہر حال میں خدا کی بارگاہ میں التجا پیش کرتے ہیں۔

غرضکہ بادشاہ ظفر خاں کو اقطاع گجرات عنایت فرما کر اپنے جرار لشکر کے ہمراہ گجرات سے سندھ روانہ ہوا۔

دسواں باب

ٹھٹھہ پر دوسرا حملہ

سلطان فیروز شاہ خدا کی حمایت و توفیق سے ٹھٹھہ روانہ ہوا، اور بادشاہ نے تمام لشکر و خدم کو امیدوار نوازش بنایا۔

تمام خلقت خدا بادشاہ کا شکر بجا لائی، لیکن چونکہ پہلے سفر میں خلقت نے بے شمار تکالیف برداشت کی تھیں، اس لئے اکثر اشخاص بے حد ساز و سامان لے کر اپنے مکان روانہ ہو گئے۔

بادشاہ کو اس واقعے کی خبر ہوئی اور اس نے دریافت کیا کہ ان اشخاص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

اہل دربار نے عرض کیا کہ راہ کی تمام منزلوں میں چوکیاں نصب کی جائیں تاکہ مخلوق کو فرار ہونے سے باز رکھیں اور جو شخص راہ فرار اختیار کرے اس سے باز پرس کریں۔

فیروز شاہ نے اہلِ دربار کو جواب دیا کہ بے چارے لشکر و حشم نے اول بار اس قدر محنت و مشقت اختیار کی ہے اور غلّہ کی گرانی کی وجہ سے اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں، اس لئے اس مرتبہ فکر و غم کی وجہ سے واپس ہو رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ قدیم رسم ہے کہ لشکر کشی میں بعض اشخاص خود ملازم ہوتے ہیں اور بعض کا کسی ملازم سے قرابت و محبت کا تعلق ہوتا ہے اور بعض کسی اور مصلحت سے فوج میں داخل ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں اگر چوکیاں نصب کی جائیں گی اور تاکیدی احکام نافذ ہوں گے تو جو اشخاص کہ ملازم ہیں وہ واپسی سے باز رہیں گے، اور جو افراد کہ در اصل ملازم نہیں ہیں وہ بھی شاہی پہرے کے خوف سے واپس نہ ہو سکیں گے اور اس طرح ان غریبوں کے لئے ایک بیجا قید ہو جائے گی اور ان پر ظلم ہوگا جن کی وجہ سے یہ غمناک و پریشان ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ٹھٹھہ کی فتح مقدر فرمائی ہے تو ان کے علیحدہ ہو جانے سے نقصان نہ ہوگا اور اگر خدا کو اس مہم کا سر ہونا منظور نہیں ہے تو ان کی گرفت و قید سے کیا فائدہ ہوگا۔

اس موقع پر بادشاہ دیندار نے فرمایا کہ خان جہاں کے نام ایک فرمان اس مضمون کا روانہ کیا جائے کہ جو اشخاص یہاں سے فرار ہو کر دہلی پہنچتے ہیں اُن کی حقیقت حال کی تفتیش کی جائے۔

ان مجرمین میں جو اشخاص کہ ملازم شاہی اور اُنھوں نے خزانہ شاہی سے مال حاصل کیا ہے تو اُن کو صرف سزائے معنوی دی جائے نہ کہ سزائے خسروانی۔

واضح ہو کہ اُمور مملکت و آئین جہاں داری میں سزائے خسروانی سے مراد قتل و جلا وطن و دیگر شدید سزائیں مُراد ہیں اور معنوی باز پُرس سے مراد یہ ہے کہ ایسے اشخاص کو ذلیل کر کے تیر ملامت کا نشانہ بنایا جائے۔

سبحان اللہ یہ امر قطعاً سنت نبوی ؐ کے موافق ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے دور تشریف لے گئے۔ بعض یاران رسول ؐ کسی مصلحت کی وجہ سے اپنے مکانوں میں مقیم رہے۔ حضرت نے یاران باقی ماندہ کا دو تین روز انتظار فرمایا اور اُس کے بعد روانہ ہوئے۔

راہ میں اہل نجد اس درجہ حائل ہوئے کہ بچھڑے ہوئے اصحاب حضرت ؐ کے حضور میں نہ حاضر ہو سکے اور ضرورۃً مکانوں میں مقیم رہے۔

اس مہم میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو بے حد تکلیف برداشت کرنی پڑی۔

سرورِ عالمؐ اس مہم سے واپس تشریف لائے اور یاران باقی ماندہ شرمندہ حضرت کے حضور میں حاضر ہوئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے حقیقت واقعہ دریافت فرمائی اور ان صاحبوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو مال و عیال نے حضرت کی ہمراہی سے باز رکھا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحبوں کا عذر قبول نہ فرمایا اور اُن کی جانب سے روگرداں ہو کر اُن کو سزائے معنوی سے معتوب فرمایا۔

ان صاحبوں کے سروں سے دستار اُتاری گئی اور اُن کو ستون مسجد سے باندھ کر تادیب کی گئی اور جس طرح کہ معلم خُرد سال بچوں کو سزا دیتا ہے اس طرح ان کو شدید سزا دی گئی۔

یہ شرمسار گروہ اپنا تمام مال حضرتؐ کے حضور میں لایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ چونکہ اس مال کی شامت اعمال سے ہم حضرتؐ کی ہمراہی سے محروم رہے اور حضورؐ ہم سے ناراض ہو گئے، اس لئے ہم اس مال کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے یہ مال حاضر ہے حضرت اس کو غربا میں تقسیم فرما دیں اور ہم اس دنیا وی مال سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ حضرتؐ یہ مال ہم سے قبول فرمائیں اور غرباء کو تقسیم فرما دیں اور ہمارا قصور معاف فرما کر ہم سے راضی و خوش ہو جائیں۔

باوجودیکہ ان اصحاب نے یہ تقریر کی اور اس طرح منت و زاری کی لیکن حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا عذر قبول نہ فرمایا اور یہ اصحاب دل شکستہ در ترمقام پر بیٹھے۔

ان اصحاب کی ندامت بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ اُن کے مال کو بطور صدقہ قبول کرو تا کہ یہ گروہ گناہ سے طاہر اور پاک ہو جائے۔

اس آیت کے نزول کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کا قصور معاف فرمایا اور اُن کا مال بطور صدقہ درویشوں کو عطا کیا۔

چونکہ اللہ تعالےٰ نے فیروز شاہ کو تمام افعال حسنہ سے آراستہ فرمایا تھا اس لئے بادشاہ جس فعل کا ارتکاب کرتا اُس میں خوبی و محاسن موجود ہوتے تھے۔

غرض کہ بادشاہ کا فرمان، خانِ جہاں کے پاس پہنچا اور اس صاحب تدبر و سیاست

وزیر نے اس امر کی تلاش و جستجو شروع کی اور جو شخص لشکر سے واپس ہوتا سرکاری پیادے اُس کو قانونی مجرم کی طرح گرفتار کرتے تھے اور اُس کی حقیقت حال سے دیوان کو آگاہ کرتے تھے اگر یہ شخص ملازم سرکار ہوتا تو اُس کو سزائے معنوی دی جاتی تھی، چنانچہ بعض اعیان و اکابر شہر کو بھی اسی قسم کی تنبیہ کی گئی۔

یہ اُمراء باری باری بازار گشت کرائے گئے تاکہ خرد سال و جوان و پیران کو دیکھ کر اس امر کا اندازہ کرلیں کہ ان اشخاص سے بادشاہ ناخوش ہے۔

غرض کہ فیروز شاہ نے ایسے افراد کو محض تدارک معنوی کا ملزم قرار دیا اور اُن کی وجہ معاش و جاگیر و مواضع کو قطعاً کسی قسم کی مضرت نہ پہنچائی۔

اس کی اصل وجہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نوازش محض بادشاہ کے خُلق نیک و بہترین صفات کا ثمرہ تھی ورنہ ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ ایسے گنہگار گروہ کو کوئی فرماں روائے صاحب قوت و اقتدار مصلحت مُلک پر لحاظ کرکے معاف نہیں کرسکتا۔

گیارھواں باب ۱۱

فیروز شاہ کا ٹھٹھ پہنچنا

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا ٹھٹھ جا رہا تھا اور سفر کے تمام مراحل آسانی کے ساتھ گزر رہے تھے۔

سفر کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلام شیخ صدر الدین نبیسۂ حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ سے فرمایا کہ یہ دعاگو حضرت شاہ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔

فیروز شاہ حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا اور ممدوح نے فرمایا کہ بادشاہ نے بار اوّل ٹھٹھ پر حملہ کیا اور فرملی سے ٹھٹھ رد اللہ ہوا۔

بادشاہ نے راہ میں اجودھن پہنچ کر حضرت شیخ فریدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی لیکن حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر حاضر نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس زمانے تک اہل بصیرت نے ان دونوں خانوادوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں پیدا کی۔

اس مرتبہ حضرت شاہ نے یہ نذر فرمائیں کہ ٹھٹھہ کے فتح ہونے کے بعد ملتان حاضر ہو کر مشائخ ملتان کے آستانوں پر حاضری دیں گے۔

فیروز شاہ نے حضرت شیخ کی تقریر سن کر فرمایا کہ یہ خطرہ میری نیت میں بارہا پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے بے حد عقیدت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس مرتبہ یہ ارادہ ضرور کروں گا اور خدا کی مرضی و مشیت کے مطابق عمل کروں گا۔

مختصر یہ کہ اس مرتبہ طغیانی کم تھی اور بادشاہ نے ٹھٹھہ میں نزول فرمایا۔

اہل شہر بادشاہ کی آمد سے قطعاً بے غم تھے اور اپنے مواضع و قصبات و قریات میں زراعت میں مشغول تھے۔ پہلی مرتبہ بادشاہ بے نیل و مرام ٹھٹھہ سے واپس ہوا اور اہل شہر نے اس امر کو حجت الٰہی قرار دے کر یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سلطان فیروز شاہ نے ہم پر حملہ کیا، لیکن تقدیر الٰہی نے معاملہ برعکس کر دیا اور فیروز شاہ نے خود ہمارے لئے جان دی اور ہمارے مقابلے سے فرار ہوا۔

غرض کہ بادشاہ کی آمد کی خبر نزدیک و دور مشہور ہوئی اور اہل سندھ کو معلوم ہوا کہ شاہ ہند جرار فوج کے ہمراہ اُن کے مقابلے کو آیا ہے۔

فیروز شاہ نے خدا کے فضل و کرم سے بے حد مسرت و مستعدی کے ساتھ اس مرتبہ گجرات سے سفر کیا تھا اور جلد سے جلد کوچ متواتر کرتا ہوا سندھ پہنچا تھا۔

اہل سندھ فیروز شاہ کی آمد اور اُس کے دبدبے سے بے حد خوف زدہ ہوئے تھے اور اب سندھ کی ساحلی آبادی کو خراب اور دریائے سندھ کے پل اور گھاٹ کو مسمار کر کے حصار گلی میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

فیروز شاہ اپنے لشکر کے ہمراہ آبادی میں پہنچا اور معلوم ہوا کہ تمام باشندگان سندھ نے زراعت میں سعی بلیغ کی ہے اور اُن کی زراعت کا غلہ پختہ ہو چکا ہے۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اہل سندھ دریائے سندھ کے ساحل سے دور ہٹ گئے

ہیں، اس لئے ہندی لشکر نے دریا کے کنارے خیمے نصب کئے اور خندق و کٹگرہ مرتب و تیار کر کے بے حد راحت و آرام سے ساحل پر مقیم ہوئے۔

چونکہ غلّہ تو ہنوز مراد کو نہ پہنچا تھا، اس لئے غلّے کا نرخ آٹھ یا دس جیتل فی پنج سیر تھا۔

اسی درمیان میں نیا غلّہ تیار ہو گیا اور اجناس کا نرخ بے حد ارزاں ہو گیا۔

غرض کہ خدا کے فضل و کرم سے خلائق لشکر ہر چہار جانب نہایت اطمینان سے گشت کرتی تھی اور اہلِ سندھ کے قریات و قصبات سے غلّہ لے کر جمع کرتی تھی۔

دریائے سندھ کے ساحل پر بے شمار قریئے آباد تھے اور بعض قریوں کے باشندے جو دریا کو عبور نہ کر سکتے تھے شاہی لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔

یہ خبر بادشاہ کو معلوم ہوئی اور فیروز شاہ نے حکم دیا کہ درگاہ شاہی کے نقیب و چاؤش لشکر میں منادی کر دیں کہ چونکہ یہ چند قیدی مسلمان ہیں اُن کو غلام و کنیز بنانا اور ان کی گردنوں میں خدمت کا جُوا ڈالنا زیبا نہیں ہے۔ جو شخص احکام سلطانی کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

بادشاہ کا حکم تھا کہ جو شخص ان اسیروں کو گرفتار کرے اُن کو اپنی حفاظت و نگہبانی میں نہ رکھے۔

غرض کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ اسیر دیوان شاہی میں داخل کئے جائیں، اور اس طرح تقریباً چار ہزار سندھی دیوان شاہی میں جمع ہو گئے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو عمدہ مقام پر رکھا جائے اور ہر فرد کو تین سیر غلّہ روزانہ دیوان وزارت سے عطا کیا جائے۔

اس زمانے میں منگھ پانچ تنگہ فی من اور جوار چار تنگے فی من تھی، اس لئے شاہی حکم کے مطابق ان قیدیوں کو منگھ دی جانے لگی۔

حقیقت ہے کہ جو سلوک ان قیدیوں کے ساتھ اس حلیم و کریم بادشاہ یعنی سلطان فیروز شاہ نے کیا، اس کی نظیر تاریخ میں دستیاب ہونی محال ہے۔

بارھواں باب ۱۲

اہل سندھ سے جنگ

نقل ہے کہ سُلطان فیروز شاہ نے دریائے سندھ کے ساحل پر قیام کیا، اہل سندھ کا ایک بہت بڑا گروہ گھاٹ کو چھوڑ کر شوخ چشمی کرتا تھا۔ فیروز شاہ نے بے حد غور و فکر کے بعد یہ طے کیا کہ عماد الملک و ظفر خاں کو حکم دیا جائے کہ یہ اشخاص دریائے سندھ کو عبور کر کے اہل سندھ کو تباہ و پامال کریں۔

اہل سندھ کا ایک گروہ بے حد قوت و ساز و سامان کے ہمراہ ستر کوس تک راہ میں حائل تھا۔

یہ گروہ ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہتا تھا اور اہل ہند دریا کو عبور نہ کر سکتے تھے۔

بے حد مشورہ و غور کے بعد طے پایا کہ عماد الملک اور ظفر خاں بے شمار لشکر کے ہمراہ پیچھے واپس ہوں اور دہلی کا رُخ کریں اور کشتیاں اپنے ساتھ واپس لے آئیں۔

ساحل دریا کے قریب ایک سو تیس کوس زمین طے کر کے بھکر کے نیچے دریائے سندھ کو عبور کریں اور اسی قدر مسافت زمین طے کر کے ملک سندھ میں داخل ہوں اور حریف سے معرکہ آرائی کریں۔

غرض کہ اس مشورے پر عمل کیا گیا اور عماد الملک اور ظفر خاں نے بے پایاں فوج و لشکر کے ہمراہ ایک سو تیس کوس زمین طے کی اور سندھ میں داخل ہوئے۔

اہل سندھ بھی بے شمار سوار اور پیادوں کے ہمراہ حصار سے باہر نکلے۔

طرفین میں ایسی شدید جنگ ہوئی کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

سلطان فیروز شاہ دوسری جانب مقیم تھا اور اگرچہ اس مقام سے ٹھٹھہ کا قلعہ نظر آتا تھا، لیکن چونکہ دریا کا پاٹ بہت بڑا تھا جس کی وجہ سے دوسرا ساحل نظر نہ آتا تھا اس لئے لشکر شاہی کی معرکہ آرائی سے بادشاہ قطعاً بے خبر رہا؛ صرف سواروں کے گھوڑے

دور سے نظر آتے تھے۔

لیکن سلطان فیروز شاہ کی آنکھیں آسمان سے لگی ہوئی تھیں اور بادشاہ ہر لحظہ لطیفہ غیبی کا اُمیدوار تھا۔

غرض کہ ظلمتِ شب پھیلی اور فیروز شاہ نے الہام الٰہی سے مستفید ہو کر ایک ہی خواہ ملازم کو حکم دیا کہ ایک کشتی پر سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کرے۔

بادشاہ نے اس ملازم کو ہدایت کی کہ عماد الملک کو پیغام دے کہ اے بشیر! اب واپس ہو اور بارگاہ شاہی کا رُخ کر، اس لئے کہ طرفین سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بیکار ضائع ہو رہا ہے۔

ان امیروں سے تاکید کر کہ جس راہ سے گئے تھے اسی راہ سے واپس ہوں۔

یہ ملازم حکم شاہی بجا لایا اور عماد الملک و ظفر خاں کو بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔

یہ امیر واپس ہوئے جس طرح کہ ایک سو تیس کوس راہ طے کر کے گھاٹ کے ذریعے سے ٹھٹھہ واپس ہوئے تھے اسی طرح ایک سو تیس کوس زمین طے کر کے نشیبی راہ سے واپس ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

فیروز شاہ نے ان امیروں سے فرمایا کہ یہ ایک مشت اہل سندھ مجھ سے فرار ہو کر کہاں جائیں گے، اگر یہ افراد سوراخ مور میں بھی پناہ لیں گے تو بھی لشکر سلطانی ان کے سر پر پہنچ جائے گا۔

میرا ارادہ یہ ہے کہ اس ملک میں ایک عالیشان شہر آباد کروں اور یہاں قیام کر کے مشیت الٰہی کا منتظر رہوں۔

تیرھواں باب ۱۳

عماد الملک کا لشکر کے لئے دہلی جانا

سلطان فیروز شاہ نے دریائے سندھ کے ساحل پر چند روز قیام کیا اور ہر شخص

اپنے کاروبار میں مشغول رہا۔

سلطان فیروز شاہ نے محفل خلوت میں اپنے مشیران بارگاہ سے ارشاد کیا کہ اس مہم کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیئے۔

بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ عماد الملک دہلی روانہ ہو اور جس قدر لشکر و فوج دارالملک میں موجود ہے اُس کو اور نیز تمام اقطاع و پرگنہ جات کی فوج اپنے ہمراہ ٹھٹھ لے آئے۔

بادشاہ نے چندروز کے بعد عماد الملک کو رخصت کر دیا اور اُس سے فرمایا کہ بشیرا میری نصیحت یہ ہے کہ تو خان جہاں سے لشکر جمع کرنے کے لئے نہ کہنا۔

یہ ظاہر ہے کہ خان جہاں ایسا مدبر و باوفا امیر ہے کہ وہ خود میرے فرمان کی تعمیل میں ایک لمحہ غفلت نہ کرے گا۔ تیری خدمت صرف یہی ہے کہ تو اپنے کو اُس تک پہنچادے۔

مَیں تجھ کو ایک مصلحت کی بنا پر روانہ کر رہا ہوں ورنہ خان جہاں میرا فرمان پہنچتے ہی خود تمام لشکر وحشم کو اس جانب روانہ کر دیتا۔

مختصر یہ کہ عماد الملک ٹھٹھ سے دہلی روانہ ہوا اور منزل بمنزل سفر کرتا ہوا دہلی کے نواح میں پہنچا۔ خان جہاں کو معلوم ہوا کہ عماد الملک آرہا ہے اور یہ امیر استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔

عماد الملک کی نظر خان جہاں پر پڑی اور عماد الملک مرکب سے زمین پر اُترا۔

خان جہاں بھی پاپیادہ ہوا اور چتر کو اپنے سر سے علیحدہ کر دیا۔

دونوں امیر ایک جا ہوئے اور اوّل عماد الملک اپنے ہاتھ خان جہاں کے قدموں تک لے گیا اور اس کے بعد خان جہاں بتواضع تمام اپنے ہاتھ عماد الملک کے قدموں تک لے گیا اور اس کے بعد ہر دو امیر بغل گیر ہوئے اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

خان جہاں چتر سے دور عماد الملک کے برابر چل رہا تھا اور ہر دو امیر باہمی گفتگو میں مصروف ہوئے۔

خانِ جہاں عماد الملک کو قصر سلطانی میں لایا اور دونوں امیر یک جا بیٹھے۔

خان جہاں نے زربفت و زردوزی کے کپڑے عماد الملک کے سامنے پیش کیے۔

عماد الملک واپس ہو کر اپنے مکان روانہ ہوا اور اس کے بعد خان جہاں نے ایک لاکھ تنگے عماد الملک کی دعوت کے لئے روانہ کئے۔

مختصر یہ کہ خان جہاں نے لشکر و فوج کی طلب میں تمام اقطاع و ممالک میں خطوط روانہ کئے۔ چنانچہ بداؤن و قنوج و سندھ و اودھ و جون پور و بہار و ترہٹ و جھوبہ و ایرج و چندیری و دھار و میان دوآب و غیر دوآب و سامانہ و دیپال پور و ملتان و لاہور و دیگر بلاد و ممالک کے لشکر خان جہاں نے قلیل مدت میں جمع کر دیئے۔

خان جہاں اس کام کے لئے ہر روز مسند پر بیٹھتا اور خان جہاں و عماد الملک کے درمیان محبت و ارتباط کی گفتگو ہوتی۔

خان جہاں نے لشکر کی فراہمی کے لئے عماد الملک کے بھائی کو روانہ کیا۔

جو اشخاص کہ سلطانی لشکر سے واپس آئے تھے وہ بے حد نادم و پشیمان تھے اور یہ کہتے تھے کہ کاش ہم یہاں نہ آئے ہوتے۔

عماد الملک بھی مع تمام حشم و لشکر کے جلد سے جلد روانہ ہو کر بادشاہ کے حضور میں پہنچ گیا اور اُس نے خان جہاں کے حالات سے بادشاہ کو اطلاع دی۔

مختصر یہ کہ ٹھٹھہ میں شدید قحط رونما ہوا اور ہر شخص نے مختلف مقامات کی راہ لی۔

جس طرح کہ پہلی بار فیروز شاہ کے لشکر میں تنگ دستی پیدا ہوئی تھی بعد کو غلے کی وجہ سے حیرانی و پریشانی ہوئی اسی طرح دوسری بار سندھ کے لشکر میں پریشانی اور قحط نمودار ہوا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ سرزمین ٹھٹھہ سے واپس ہوا اور اہل سندھ نے اپنے قدیم مکان میں آرام لیا اور انھوں نے بے خوف و خطر تمام اندوختہ غلّہ تخم ریزی کے لئے زمین میں بو دیا۔

اہل سندھ کا تمام غلّہ اس طرح ختم ہو گیا اور نئے غلّے کے تیار ہونے کا وقت آ گیا۔

اُس زمانے میں جب کہ نیا غلّہ تیار ہو رہا تھا، بادشاہ گجرات سے ٹھٹھہ روانہ ہوا اور فیروز شاہی لشکر اہل سندھ کے تمام غلّے پر قابض ہو گیا۔

اہل لشکر غلّے کی فراوانی سے بے حد مطمئن ہو گئے اور ٹھٹھہ میں قحط نمودار ہوا۔

یہ قحط ایسا شدید تھا کہ اہل سندھ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ ایک سیر غلّے کی

قیمت ایک اور دو تنگے ہوگئی۔

عماد الملک نے بادشاہ سے خان جہاں کی بے حد تعریف کی اور یہ عرض کیا کہ یہ وزیر تمام تدابیر ملکی میں بہترین صفات کا جامع ہے اور وزیران قدیم سے کسی طرح کم کا مستحق نہیں ہے۔

فیروز شاہ وزیر کے حالات سُن کر اور لشکر کی آمد سے باخبر ہو کر بے حد خوش ہوا۔

غرض کہ تمام لشکر سلطانی بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا اور ہر شخص کو خلعت عطا ہوا۔

اس کے علاوہ اہل سندھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان فیروز شاہ کا ارادہ ہے کہ مع تمام فوج و لشکر کے اس ملک میں داخل ہو۔

اہل سندھ بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہوئے اور اُن کے قلوب رنج و غم کا شکار ہوئے۔ ہر شخص نے راہ فرار اختیار کی۔

شاہی لشکر کو خدا کی رحمت سے اس مرتبہ بے حد اطمینان و فارغ البالی نصیب ہوئی۔

اس قحط کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سندھ کا ایک گروہ روزانہ کشتی میں سوار ہو کر بادشاہی لشکر میں آتا تھا اور ٹھٹھہ کا ملک روز بروز خراب و ویران ہوتا جاتا تھا۔

جام و بابنھ ان واقعات سے بے حد پریشان ہوئے اور انھوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ ہمارا فیروز شاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا مناسب ہے اور اس طرح تمام افکار اور اندیشوں سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

اس کے بعد جام و بابنھ نے ایک شخص کو حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر اوچھ روانہ کیا اور حضرت کو اپنے حال سے خبر دی۔

اہل سندھ نے حضرت سے التجا کی کہ جناب سید اوچھ سے یہاں تشریف لائیں۔

چودھواں باب

صُلح

نقل ہے کہ اہل سندھ نے اس امر پر اتفاق کیا کہ حضرت سید جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو واسطہ بنانا چاہیئے۔

جام و بانبھ نے ایک شخص کو اوچھ روانہ کیا اور حضرت کو اپنے احوال سے آگاہ کیا۔

حضرت سید جلال اوچھ سے فیروز شاہی لشکر میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت کے تشریف لانے سے تمام اہل لشکر حضرت کے قدمبوس ہوئے اور حضرت سید نے فرمایا کہ بابا اطمینان رکھو، انشاءاللہ چند روز میں صلح ہو جائے گی۔

حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نشان بارگاہ کے قریب پہنچے اور بادشاہ نے نہایت خلوص سے استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے لشکر میں لے آیا۔

فیروز شاہ اور حضرت سید جلال بخاری نے باہم دگر مصافحہ کیا اور حضرت سید نے بادشاہ سے فرمایا کہ ایک صالحہ و عفیفہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی اور اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا۔

ہر چند کہ یہ دعا گو خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی۔ اب تین روز ہوئے کہ اُس عفیفہ نے جنّت کی راہ لی اور اب اُمید ہے کہ ٹھٹھ جلد سے جلد فتح ہو جائے گا۔

اہل سندھ کو بھی معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھ میں تشریف فرما ہوئے۔ ان اشخاص نے حضرت کے حضور میں متواتر پیغام روانہ کرنا شروع کئے۔

اہل سندھ نے حضرت سے اپنی تکلیف کا اظہار کیا اور جناب سید نے بھی ان کے مقصود کے مطابق بادشاہ سے ارشاد فرما کر اُن کو مطمئن کر دیا۔

فیروز شاہ نے حضرت سید کی سفارش سے اہل سندھ کو ان کے مطالبات سے

دو چند عطا فرمایا۔
مختصر یہ کہ حضرت سید نے جام و بانبھ کے تمام مطالبات بادشاہ سے منظور کرائے اور بانبھ نے جام سے مشورہ کر کے کہا کہ چونکہ فیروز شاہ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سب سے قبل میں نے ملک میں شور و فساد برپا کیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اوّل میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں اور میرے بعد تم بادشاہ کی بارگاہ میں حاضری دو۔
جام کو بانبھ کی یہ رائے بے حد پسند آئی اور اس نے بانبھ کو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونے کی اجازت دی۔
مختصر یہ کہ بانبھ دوسرے روز بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

پندرھواں باب ۱۵

بانبھ کا بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا

نقل ہے کہ جس روز بانبھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس روز فیروز شاہ شکار کے لئے سوار ہوا تھا۔
عین شکار گاہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بانبھ بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا ہے اُس وقت بادشاہ ایک گرگ کو گرفتار کر رہا تھا۔
بادشاہ نے اس جانور کے گرفتار کرنے میں بے حد کوشش کی تھی، لیکن بانبھ کی آمد کی خبر سُن کر بادشاہ قطعاً متغیر نہ ہوا۔
ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جس شے کے لئے اُس نے بے شمار تکلیف برداشت کی ہو اُس کے دستیاب ہونے سے اُس کو خوشی و مسرت ہوتی ہے، لیکن سبحان اللہ اس تاجدار دین دار کا کیا کہنا کہ یہ بادشاہ بانبھ ایسے حریف کی آمد کی خبر سُن کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔
عقلا نے سچ کہا ہے کہ آئین ملک داری میں جو فراست فیروز شاہ کو نصیب تھی اُس کا

خیال کسی قلب میں نہ آیا ہوگا۔ ان عقلا کا یہ قول قطعاً صحیح ہے اور درحقیقت یہ بادشاہ تدابیر ملکی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔

غرض کہ بانبھ عین شکارگاہ میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور اُس وقت تک فیروز شاہ گرگ کے شکار سے فارغ ہو چکا تھا۔

بادشاہ چتر شاہی و بارگاہ بادشاہی کے زیر سایہ جولان گری کر رہا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک زرّیں چوب تھی۔

اسی درمیان میں بانبھ اپنی گردن میں دستار ڈالے ہوئے اور اپنی تلوار کو گلے میں باندھے ہوئے بے حد پریشانی کے عالم میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔

بانبھ مجرموں کی طرح حاضر ہو کر مثل بندگان فرماں بردار کے بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور رکاب سعادت کو بوسہ دیا۔

غرض کہ بانبھ نے بادشاہ کی قدم بوسی کی اور رکاب کو بوسہ دیا اور فیروز شاہ نے دست شفقت اُس کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا کہ "بانبھ تم مجھ سے کیوں خوف زدہ ہوتے ہو؟ میں عام طور پر کسی شخص کو مضرت نہیں پہنچاتا چہ جائیکہ تم۔ قطعاً مطمئن رہو، تمھارا مرتبہ انشاءاللہ دوگنا بلند و بالا ہو جائے گا۔"

غرض کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ بانبھ کو ایک اسپ تازی عطا ہو۔

فیروز شاہ بانبھ سے اس قدر گفتگو کر کے خاموش ہو گیا اور پھر شکار میں مشغول ہوا۔

اُسی روز بانبھ کے ہمراہ جام بھی آیا اور نہایت تیزی کے ساتھ بادشاہ کی قدم بوسی کے لئے دوڑا۔

جام نے بھی عقل سے کام لیا اور عین شکارگاہ میں بادشاہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔

حاجبان درگاہ و عہدہ داران شاہی تخت شاہی کے قریب قدم بوسی کو لے گئے اور جام دستار باندھے ہوئے مثل امانیان مشہور کے حاضر ہوا، اس لئے کہ دستار گلے میں ڈالنا اور تیغ کو گردن میں حائل کرنا صرف بار اوّل ضروری تھا۔

چونکہ بانبھ اس سے قبل مجرمین کی طرح فیروز شاہ کے حضور میں حاضر ہو چکا تھا اس لئے اب جام دستار بند ہو کر مثل امان یافتہ مجرم کے حاضر ہوا۔

غرض کہ جام نے نہایت عقیدت کے ساتھ شاہی رکاب کو بوسہ دیا، اور بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوا اور مسرت کے عالم میں گھوڑے کو کاوا دینے لگا۔

بادشاہ نے جام کی پشت پر دست شفقت پھیرا اور نہایت نرمی سے گفتگو کی جام نے عاجزی کا اظہار کیا اور جو قصور اُس سے سرزد ہوئے تھے ایک ایک کر کے بادشاہ کے حضور میں بیان کئے۔ اس موقع پر جام نے یہ مصرع پڑھا کہ :-

"شاہ بخشندہ توئی و بندۂ شرمندہ منم"

فیروز شاہ نے جام پر بے حد نوازش فرمائی اور نہایت شفقت سے احوال دریافت کیا۔

جام کو بھی ایک اسپ تازی عطا ہوا اور بادشاہ نے یہ مصرعہ پڑھا ع

"از من نہ سزد بدی و خود بد نہ کنم"

مختصر یہ کہ بادشاہ شکار گاہ سے واپس ہو کر اپنی فرودگاہ کو واپس آیا، اور جام و بانبھ کو خلعت عطا کئے۔ بادشاہ نے جام و بانبھ کو جامہ ہائے زردوزی و علم عطا فرمائے اور اُن کے دیگر ہمراہیوں کو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق خلعت عنایت ہوئے۔

غرض کہ فیروز شاہ نے اپنی بصیرت کی بنا پر حکم دیا کہ جام و بانبھ کو اطلاع دی جائے کہ اپنے خیل خانہ اور تابعین کے ہمراہ میرے ہمرکاب دہلی روانہ ہوں۔

۱۶ سولھواں باب

دہلی میں آمد

نقل ہے کہ جام و بانبھ بے حد سعی کوشش کے ساتھ شاہی اطاعت گزار حلقے میں داخل ہو گئے اور اُن کا خطرہ قطعاً زائل ہو گیا تو فیروز شاہ کے لشکر میں عام خوشی پیدا ہو گئی۔

لشکر گاہ کے ہر گوشے میں اہلِ لشکر اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی بسر کرنے

لگے اور ہر فرد مطمئن ہو گیا۔ فیروز شاہ نے ارادہ کیا کہ ٹھٹھہ سے روانہ ہو کر دہلی واپس آئے
بادشاہ نے جام کے فرزند اور تماجی برادر بانبھ کو سندھ کی حکومت عطا فرمائی۔
فیروز شاہ نے ان کو خلعت و مراتب عطا کیئے اور جدید حاکمان ملک نے اُسی وقت چار لاکھ تنگے نقد بطور خدمت عطا کیئے اور ہر سال چند لاکھ تنگے نقد اور اسباب و سامان پیش کرنے کا وعدہ کیا۔
فیروز شاہ جام و بانبھ اور اُن کے خیل خانے کے ہمراہ دہلی واپس ہوا۔
بادشاہ نے حکم دیا کہ جام و بانبھ کو دہلیز خاص کے سامنے قیام کی اجازت دی جائے اور فراشینہ سفید، فراش خانہ خاص سے عطا ہو۔
بادشاہ نے ملک سیف الدین خوجو کو حکم دیا کہ جام و بانبھ کو آئین سلطانی کے مطابق آداب شاہی سکھلائے اور اُن کی نگہبانی کرے۔
مختصر یہ کہ جام و بانبھ اپنے خیل خانے کو لشکر شاہی میں لے آئے اور کشتیوں میں سوار کرایا اور بادشاہ کامیاب و بامراد دہلی واپس ہوا۔
ملک سیف الدین خوجہ شاہی ہدایت کے مطابق شب و روز ان کی نگہبانی و خدمت کرتا تھا۔ ایک روز یہ خبر مشہور ہوئی کہ بانبھ کے فرزند و حاشیہ نشین جس کشتی میں سوار تھے وہ غرق ہو گئی۔ بانبھ یہ خبر سُن کر پریشان ساحل دریا کی طرف دوڑا۔
ملک سیف الدین خوجہ نے خیال کیا کہ شاید بانبھ دغا کرنا چاہتا ہے اور اس بہانے سے اپنے ملک کو واپس ہونے کا خواہشمند ہے۔
ملک سیف الدین خوجہ کو فکر لاحق ہوئی اور اس امیر نے اپنے فرزند کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر کے یہ پیغام دیا کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ بانبھ اور اس کے متعلقین کی کشتی غرق آب ہو گئی اور بانبھ اس خبر کو سُن کر ساحل دریا کی طرف جارہا ہے۔
بندۂ ناچیز کو اس خبر اور بانبھ کی حرکت سے گمان ہوتا ہے۔ اگر شاہی حکم ہو تو فدوی بانبھ کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا مانع ہو۔
بادشاہ نے قدرے تامل فرما کر ارشاد کیا کہ اپنے پدر کو ہدایت کر کہ وہ بھی بانبھ کے ہمراہ رہے اور اگر دیکھے کہ بانبھ کشتی میں سوار ہو کر اپنے وطن کو واپس ہو رہا ہے تو اس سے صرف یہ کہہ دے کہ اگر تو مرد ہے اور تجھ میں جرأت موجود ہے تو قدم آگے بڑھا۔

اپنے پدر کو ہدایت کردہ صرف یہ تقریر کرکے واپس ہوا اور بانبھ کا مانع نہ ہو، اس کے بعد میں خود بانبھ سے باز پُرس کر لوں گا۔

مختصر یہ کہ جب تک ملک سیف الدین کا پیغام پدر تک پہنچا نے، بانبھ کو معلوم ہوگیا کہ اُس کے زن و فرزند کے غرق آب ہونے کی خبر قطعاً غلط ہے اور اُس کے اہل و عیال و نیز خدام قطعاً زندہ صحیح و سالم ہیں۔

بانبھ یہ خبر سُن کر لشکر کی طرف واپس ہوا۔

اس واقعے کو معرض تحریر میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ ایسا مستقل مزاج فرماں روا تھا کہ ملک سیف الدین نے اپنے پسر کے واسطے سے بانبھ کے متعلق اس درجہ تشویش انگیز خبر بادشاہ تک پہنچائی، لیکن فیروز شاہ کے قلب میں خطرہ نہ پیدا ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ ایسا ہی صاحب تجربہ و پختہ کار فرماں روا تھا کہ اُس نے آئین فراست و جہاں داری سے یہ حکم صادر فرمایا ورنہ دوسرا حکمران ایسی وحشت ناک خبر سُن کر اس درجہ تحمل نہ کرتا۔

بادشاہ نے راہ سے ملتان کا قصد کیا اور اس اسلامی شہر میں پہنچ کر مشائخ ملتان کی زیارت کی اور اہل شہر کو اپنے انعام و اکرام سے سرفراز و شاد فرمایا۔

بادشاہ نے دہلی میں فتح نامہ روانہ کیا اور دارالملک میں فتح نامہ پہنچنے کے بعد خان جہاں وزیر نے جو اس مژدے کا منتظر تھا، فرمان شاہی کی طرف دوڑا اور مجمع عام میں شاہی فرمان کو بہ آواز بلند پڑھا۔

شہر دہلی میں اکیس روز کامل طبل شادی بجے اور قبّے آراستہ کیے گئے۔

خان جہاں نے بے حد شان و شوکت کے ساتھ سرحد دیپال پور تک بادشاہ کا استقبال کیا۔

سترھواں باب ۱۷

خان جہاں کا استقبال

خان جہاں نے سفر کی تیاری کی اور دیبال پور تک بادشاہ کا استقبال کیا۔ یہ وزیر بادشاہ کی ملازمت حاصل کر کے بے حد خوش ہوا اور بے شمار تحفے فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کیے۔

سلطان فیروز شاہ نے ٹھٹھ و گجرات کے تمام شدائد و مصائب کی تفصیل خان جہاں سے بیان کی۔

خان جہاں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ چونکہ خدا کی رحمت اور اُس کا فضل و کرم حضرت کے شامل حال ہے، اس لئے تمام تکالیف راحت سے بدل گئیں۔

ٹھٹھ ایسا دشوار و مخالف ملک جو سلطان معز الدین سام کے عہد حکومت سے تا ایندم کسی تاجدار دہلی سے فتح نہ ہوا تھا، پروردگار کے فضل و کرم سے حضرت کے قبضۂ تصرف میں آیا۔

جو ملک سلطان علاء الدین خلجی ایسے فرماں روا سے جو سلاطین روم و چین کا ہمسر تھا، فتح نہ ہو سکا اور جس سرزمین کو باوجود سالہائے سال کی کوشش کے حضرت خدا ئگان مغفور سلطان محمد شاہ تغلق کا جرار لشکر زیر نگین نہ کر سکا، وہی مخالف ملک بغیر تیغ زنی کے پروردگار عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت کے دست حق پرست پر فتح کرایا۔

خداوند عالم اگر غور فرمائیں تو حضرت کا یہ کارنامہ کچھ کم قابل ستائش نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ اپنے فتحمند لشکر کے ہمراہ شہر دیبال پور سے روانہ ہو کر دہلی پہنچا۔

تمام اہل شہر نے عمدہ و نفیس بیرقوں و لطیف ساز و سامان کے ساتھ بادشاہ کا استقبال کیا۔

دہلی میں قبے تیار کیے گئے اور شہر میں آرائش و عام خوشی منائی گئی اور تمام جانب سے خلق تماشے کے لئے شہر میں جمع ہوئی۔

قبوں کے سائے میں بے شمار نعمتیں انبار کر دی گئیں اور طعام و شراب و تنبول و میوۂ تر و خشک بکثرت مہیا کیے گئے۔

ہر تماشائی خوان نعمت سے مستفید ہوتا اور کسی شخص کو ممانعت نہ تھی کہ ان اشیاء سے مستفید نہ ہو۔

غرض کہ تمام عالم میں خوشی و اطمینان کا دَور دَورہ ہوا اور ہر مکان میں جشن کی مجلس منعقد ہوئی۔

ظاہر ہے کہ خلائق شہر شدید محنت و مشقت کے بعد اپنے مکان پہنچے تھے اور اپنے احباب و اعزہ سے ملاقات کی تھی، اس لئے ہر گھر میں دن عید رات شب برات کا سماں نظر آتا تھا۔

جو اشخاص کہ کوہجی رن کے مصائب کو برداشت کر کے زندہ و تندرست اپنے مکان پہنچے تھے، ان کے گھر میں غلغلۂ شادی بلند تھا اور جن غرباء نے کہ اُس صحرائے جاں ستاں میں دنیا کو خیرباد کہا تھا اُن کے مکانات میں شور و ماتم برپا تھا۔

غرض کہ بعض مکانات میں سرود اور بعض میں گریہ وزاری کی مختلف صدائیں بلند تھیں۔

فیروز شاہ نے جب یہ واقعات سُنے تو آبدیدہ ہو کر خان جہاں سے فرمایا کہ جو غریب کوہجی رن میں جاں بحق ہوئے ہیں اور اُن کا مال و اسباب برباد ہوا ہے، اُن کے گھروں میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے، اگر ٹھٹھہ کا سفر نہ کیا جاتا تو مخلوق کو یہ روزِ سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

بادشاہ نے خان جہاں کو حکم دیا کہ متوفی اشخاص کی تنخواہ و وظیفہ اُن کے ورثاء پر بحال رکھا جائے۔ ان ورثاء کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

بادشاہ نے مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ ان کے حالات میرے روبرو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جن اشخاص نے ہماری مخالفت کی ہے اور گجرات سے رقم لے کر دہلی فرار ہوئے ہیں اور ہم کو اس مصیبت کے عالم میں چھوڑ دیا ہے، اُن کا روزینہ اور مواضع بھی اُن پر بحال رکھے جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے کسی شخص کو کسی قسم کا بھی رنج و آزار پہنچے۔

غرض کہ جام و بانبھ اپنے تمام خیل خانے کے ہمراہ شاہی رعب و داب سے متاثر دہلی میں وارد ہوئے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے متعلقین کو سرائے ملکہ کے متصل قیام کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ یہ اشخاص اطمینان کے ساتھ یہاں زندگی بسر کریں۔

غرض کہ جام و بانبھ کے خیل خانے کو جائے قیام عطا ہوئی اور یہ گروہ جس محلے میں آباد ہوا، وہ حصہ سرائے ٹھٹھہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

فیروز شاہ نے مبلغ دو لاکھ تنگے بانبھ کے لئے اور اسی قدر رقم جام کے واسطے نقد خزانے سے بطور انعام خزانۂ شاہی سے مقرر کی۔

علاوہ اس سالیانہ کے ہر روز اس قدر انعام از قسم پارچہ و دیگر اشیاء ان کو عطا ہونے لگیں کہ انھوں نے ٹھٹھہ کو قطعاً گوشۂ دل سے فراموش کر دیا۔

دربار عام میں فیروز شاہ تخت شاہی پر جلوس کرتا اور جام و بانبھ جام خانہ میں جہاں سے نزد تر دست راست کی طرف جگہ پاتے تھے۔

مؤرخ عفیف انشاءاللہ ان کی درباری نشست کا حال بیان باریابی کے باب میں تفصیل سے بیان کرے گا۔

اس کے علاوہ مؤلف تمام خانان و ملوک کے مراتب دربار جو شاہی حکم کے مطابق اُن کے لئے تجویز کیے گئے تھے، نہایت شرح و بسط کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرے گا۔

غرض کہ اس واقعے کو چند سال گزر گئے اور برادر بانبھ مسمی تماچی نے بغاوت کی۔

فیروز شاہ نے جام کو اُس کے مقابلے میں روانہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جام نے ٹھٹھہ پہنچ کر تماچی کو ملک سے باہر کر دیا۔

بانبھ دہلی میں مقیم رہا اور بادشاہ کے خدام میں داخل ہو کر زندگی بسر کرتا رہا۔

اس درمیان میں سلطان تغلق شاہ حکمراں ہوا اور بانبھ کو چتر سفید عطا کر کے ٹھٹھہ روانہ کیا، لیکن بانبھ نے راہ میں وفات پائی۔

اٹھارھواں باب

طاس گھڑیال کی ایجاد

روایت ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے انوارِ بصیرت و نیز فہم و فراست سے دہلی میں ایک نادرِ روزگار شئے وضع فرمائی۔

ایک ایسی شئے جس کو نادرِ روزگار کہہ سکتے ہیں، طاس گھڑیال کی ایجاد ہے۔

یہ ایک ایسی یادگار ہے جو کسی فرمان روائے صاحبِ اقتدار کو نصیب نہ ہوئی، اس لیے کہ جس بادشاہ نے کوئی شے دُنیا میں وضع کی وہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے جلد سے جلد معدوم ہوگئی۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک تک چھ سلاطین اولو العزم نے دُنیا میں چھ یادگاریں چھوڑیں۔

کیومرث نے کلاہ، جمشید نے تیغ، فریدوں نے سریر، کیخسرو نے جامِ گیتی نما، اسکندر نے آئینہ، حضرت سلیمان نے مہر، اپنی یادگار چھوڑی۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ نے بھی طاس گھڑیال کو وضع کر کے خراسان سے بنگالہ تک تمام ممالک میں اپنی یادگار قائم کر دی۔

یہ چھ یادگاریں جو مذکورۂ بالا چھ شہریارانِ نامور نے دُنیا میں چھوڑیں، ان میں سے ہر یادگار سے صرف ایک ہی نفع مقصود تھا اور بیشتر وہ دُنیاوی نفع تھا۔

فیروز شاہ نے اپنے انوارِ بصیرت سے طاس گھڑیال وضع کرنے میں بے حد سعی و کوشش کی اور اگرچہ اس ایجاد سے بھی بظاہر دُنیاوی نفع خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو اس میں آخرت کے فوائد بھی موجود ہیں۔ چنانچہ یہ مؤرخ حالاتِ سلاطین یعنی شمس سراج عفیف مختصراً ساتِ منافع بیان کرتا ہے۔

نفعِ اوّل یہ ہے کہ گھڑیال کے بجانے سے اُس کی آواز اہلِ عالم کے گوش تک پہنچتی ہے

اور انسان روز و شب کے گزرنے سے آگاہ ہوتا ہے۔

اہل غفلت کو اپنی عمر عزیز کے گزرنے کا علم ہوتا ہے اور وہ حیات ناپائدار کے بیکار و ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔ دوسری منفعت یہ ہے کہ جب ہوا تاریک ہوتی ہے اور افق آسمان پر غبار آجاتا ہے تو غریب نمازی ظہر و عصر کا صحیح وقت معلوم نہیں کر سکتے اور اپنے قرائن و قیاس سے ظہر کی نماز عصر کے وقت اور عصر کی نماز مغرب کے وقت ادا کرتے ہیں۔

اس عہد میں علمار و مشائخ کے گروہ میں بے حد اختلاف ہے اور ہر فرد نے اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دیا ہے جس کی وجہ سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

جبکہ اس قسم کے اوقات کا فرق نمازیوں کو معلوم ہو جاتا ہے تو گھڑیال کی آواز سنتے ہی ہر شخص آگاہ ہو جاتا ہے کہ کس قدر دن گزر گیا اور کتنا ابھی باقی ہے اور اس طرح نماز ظہر و عصر کے اوقات میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب صاحبان تہجد نماز کے لئے تیار ہوتے ہیں اور شب کا پتہ نہیں چلتا تو ان کو ادائے نماز میں تردّد ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ ہمارے سردار و آقا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی اور حضورؐ کی اُمّت کے لئے سنّت ہے۔

اگر کوئی ایماندار مسلم تہجد کا پابند ہوتا ہے جس کا وقت نصف شب گزرنے کے بعد سے نماز کے آغاز تک ہے اور اُس کو اوقات شب کا علم نہیں ہوتا تو اُس کو ادائے صلوٰۃ میں تردد و شبہ ہوتا ہے، لیکن گھڑیال کی آواز سُنتے ہی اس قسم کے تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

چوتھی منفعت یہ ہے کہ ہر مصلّی کے لئے سایۂ اصلی کی شناخت بے حد ضروری ہے اور اس مسئلے میں علمار کے درمیان بے حد اختلاف ہے، بلکہ بعض علمار کا قول ہے کہ کامل دانشمند وہ شخص ہے جو چودہ علوم کا ماہر ہو اور ان چاردہ علوم میں ایک علم نجوم بھی ہے، جس کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذموم قرار دے کر اس کی تعلیم سے اُمّت کو منع فرمایا ہے، جس بنا پر علمار نے بھی ممانعت کا فتویٰ دیا ہے۔

سایۂ اصلی ہر ماہ شمسی میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اس لئے کہ ایک زمانے میں دن بڑا

ہوتا ہے اور رات چھوٹی، اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ رات بڑی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا۔

سال میں ایک قدم سے لے کر ساڑھے دس قدم تک شب و روز سائے میں فرق ہوتا رہتا ہے اور یہ فرق سوائے عالمِ ربانی کے دوسرا شخص نہیں جانتا۔

طاس گھڑیال کے وضع کرنے سے پاس اور گھڑی کی معرفت کے لئے جدید آئین و قوانین بنائے جاتے ہیں اور جب پاس مرتب ہو جاتا ہے، تو باریک بین حکماء کے قول کے مطابق آخری طاس پر گجر بجاتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس قدر پاس اُس روز پائی جاتی ہیں تو اسی مقدار میں پاس گزرنے کے بعد روزانہ گھنٹہ بجاتے ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ آفتاب اس مہینہ میں کس برج میں ہے اور سایۂ اصلی اس مہینے میں فلاں برج سے متعلق ہے اور اس قدر قدم کا تفاوت ہے۔

ایسی حالت میں علوم نجوم کی حاجت نہیں ہوتی اور انسان اس ممنوع علم کی تحصیل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

پانچواں نفع یہ ہے کہ جب روزہ دار ماہ مبارک رمضان میں روزہ رکھتے ہیں اور خدا کی قدرت سے نماز شام کے وقت ہوا تاریک ہوتی ہے اور اہل صوم یہ خیال کرتے ہیں کہ آفتاب غروب ہو گیا اور نماز مغرب کا وقت آ گیا۔

اہل صوم اپنے اس خیال پر روزہ افطار کر دیتے ہیں، لیکن جب ہوا صاف ہو جاتی ہے اور آفتاب نمودار ہو جاتا ہے تو غریب روزہ داروں کو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا روزہ ٹوٹ گیا۔

علمائے شریعت و مشائخ طریقت ہیں اس مسئلے میں بے حد اختلاف ہے، ہر شخص نے اپنے اجتہاد کے مطابق حکم دیا ہے، جس کی وجہ سے غریب روزہ دار قیل و قال میں گرفتار ہیں، لیکن طاس گھڑیال وضع کرنے کے بعد علماء کا اختلاف اور روزہ داروں کا اضطرار قطعاً رفع ہو گیا اور اہل صوم گھڑیال کی آواز سن کر روزہ افطار کرتے ہیں۔

چھٹی منفعت یہ ہے کہ جب روزہ دار سحری کے لئے اُٹھتے ہیں اور سحر کھانے کے بعد جب اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا ہے تو اُن کو اپنے صوم میں شبہ واقع ہوتا ہے، لیکن جب طاس گھڑیال کی آواز اُن کے کانوں تک پہنچتی ہے تو اُن کو بقیۂ شب کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اگر شب باقی ہے تو سحر کرتے ہیں ورنہ بغیر سحری کے روزے

کی ہیئت کر لیتے ہیں۔

ساتواں نفع یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ ثلث شب گزرنے کے بعد نماز عشا ادا کرے جو مستحب طریقہ ہے۔ تو اگر یہ شخص بیدار ہوا اور اس کے خیال میں شب باقی نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس شخص کو تردد ہوتا ہے، لیکن طاس گھڑیال کی آواز سن کر یہ تردد رفع ہو جاتا ہے۔

غرض کہ وضع طاس کے یہ سات فائدے معرض تحریر میں لائے گئے۔ اگر اس کار خیر کے تمام فوائد سے بحث کی جائے تو یہ بیان بے حد طویل ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ مذکورۂ بالا چھ یادگاروں سے صرف دنیاوی فائدہ مقصود تھا، لیکن طاس گھڑیال کے وضع کرنے سے دنیاوی نفع کے علاوہ دینی فوائد بھی حاصل ہوئے۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ ٹھٹھہ کی مہم سے واپس ہو کر دہلی میں مقیم ہوا اور بادشاہ نے ملک کے انتظام کی طرف توجہ فرمائی۔

بادشاہ نے چند روز بارگاہ شاہی کے نجومیوں سے طاس گھڑیال کی بابت گفتگو کی اور یہ نادر روزگار شئے وجود میں آئی۔

بے شمار خلقت گھڑیال کا تماشا دیکھنے کے لئے فیروز آباد میں جمع ہوئی اور اس عجوبۂ روزگار شئے کو دیکھ کر ہر شخص محو حیرت ہوا۔

جوان، ضعیف، مرد و عورت، غرض ہر سن و سال کے تماشائی اس نادر روزگار ایجاد کو دیکھنے شہر میں جمع ہوئے۔

طاس گھڑیال کو شک فیروز آباد کے اوپر نصب کیا گیا اور اس کی عظمت و بزرگی اس حد کو پہنچ گئی کہ خلقت خدا اس کا تماشا دیکھنے جمع ہوئی اور یہ اعجوبہ شئے علامات شاہی و سکۂ حکمرانی میں داخل ہو گئی۔ سکہ اس لازمۂ عظمت سے مراد ہے جس کا اطلاق صرف بادشاہوں پر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ دستور قرار پایا کہ سلاطین روزگار کے دربار کے روبرو ہمیشہ گھڑیال بجا کرے۔

حصّہ چہارم

انتظام مُلکی

پہلا باب

مہمات جنگ سے کنارہ کش ہونا

روایت ہے کہ سلطان فیروزشاہ نے جو برگزیدۂ خدا فرماں روا تھا دہلی میں قیام اختیار کیا اور مُلک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ اس درمیان میں ملابار سے قاصد حاضر ہوئے اور انھوں نے بادشاہ کی بارگاہ میں فریاد کی۔ ان قاصدوں نے فیروزشاہ سے عرض کیا کہ ملک ملابار میں حسن کانگو حکمراں ہے اور ہم شاہ کی بارگاہ میں فریاد رسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

واضح ہو کہ فیروزشاہ کی تخت نشینی کے وقت فرامین شاہی ملابار روانہ کیے گئے تھے لیکن اہل ملابار نے فرامین شاہی پر توجہ نہ کی اور بادشاہ کی اطاعت سے انحراف کر کے بالاتفاق حسن کانگو کو ملابار کا حکمراں تسلیم کیا اور فیروزشاہ اور اس کے احکام کو نظر انداز کیا۔

حسن کانگو تمام افعال قبیح کا علانیہ ارتکاب کرتا تھا۔ چنانچہ معتبر اشخاص نے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ حسن کانگو دربار عام میں زنانہ لباس پہنتا، زیورات استعمال کرتا اور امردان

ملک سے فعل قبیح کراتا۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو اس فعل شنیع سے محفوظ رکھے۔
مختصر یہ کہ حسن کانگو نے ملابار میں یہ حرکات اختیار کئے اور اہل ملک اُس سے قطعاً بیزار ہو گئے۔
بکن (دیکن) مفسدہ حوالی ملابار کا باشندہ تھا، یہ شخص جرار لشکر اور فیلان جنگی کے ہمراہ ملابار میں داخل ہوا اور اُس نے حسن کانگو کو زندہ گرفتار کر لیا۔
اس شخص نے حسن کانگو کو گرفتار کر کے تمام شہر کو، جو مسلمانوں کا مسکن تھا خراب و ویران کیا، مسلمان عورتیں بھی ہندوؤں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئیں۔
الغرض اہل ملابار نے تمام واقعات فیروز شاہ سے بیان کیئے اور بادشاہ نے جواب دیا کہ ابتدا میں تم نے میرے مقابلے میں بغاوت کی۔
جب خدائیگان مغفور، سلطان محمد تغلق نے وفات پائی تو میں نے فرمان اطاعت تمہارے نام صادر کیا، لیکن تم نے میری اطاعت قبول نہ کر کے دولت آباد کی راہ لی، اور حسن کانگو کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔
حسن کانگو سے افعال قبیح صادر ہوئے اور اس طرح خدا کا قہر تم پر نازل ہوا اور اہل کفر نے غلبہ پا کر تم کو زیر و زبر کر دیا۔
اب تم مضطر و بے نوا ہو کر میری بارگاہ میں فریاد رسی کے لئے حاضر ہوئے ہو۔ اور صورت حال یہ ہے کہ میں اور میرا تمام لشکر متواتر سفر کی وجہ سے بے حد خستہ و ماندہ ہے۔
چند روز میرا لشکر شہر میں آرام کرے گا اور اس کے بعد اگر حیات باقی اور خدا کا فضل و کرم شامل حال رہا تو اُس نواح کا رُخ کیا جائے گا۔
سُبحان اللہ سلطان فیروز شاہ کس درجہ صاحب فہم و فراست تھا کہ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ لشکر شاہی خستہ و ماندہ ہے اور چند مہم سر کر چکا ہے، ملابار کا سفر گوارا نہ کیا۔
غرض کہ فیروز شاہ نے قاصدوں کو معذرت کے ساتھ واپس کر دیا اور خود بدولت ملک کے انتظام میں مشغول ہوئے۔ چند روز کے بعد فیروز شاہ نے بہی خواہ وزیر سے خلوت میں مہمات ملک کی بابت مشورہ کیا اور خان جہاں کو اپنے رازِ دل سے آگاہ کر کے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دولت آباد کا سفر کروں۔
بادشاہ نے خان جہاں سے دولت آباد کے سفر کا ذکر کیا اور کہا کہ اگرچہ میری دلی خواہش

یہی ہے کہ میں سفر کروں لیکن خلق و لشکر کے ضعف کی وجہ سے مجھ کو پس و پیش ہے۔

حکمراں طبقہ لشکر کشی کرنے اور ممالک کو فتح کرنے کا بے حد حریص ہوتا ہے اور اس امر میں انتہائی کوشش بھی کرتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ اب گزر گیا اور اب جدید زمانے نے نیا دور پیش کیا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر روز دوسرے روز سے مشاغل میں کوتاہ ہے۔

اس موقع پر وزیر نے عرض کیا، مملکت و فرماں روائی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک شئے یہ ہے کہ رعایا کی پرورش اور ملک کا انتظام کیا جائے، اور اہلِ اسلام کے ساتھ ہمدردی برتی جائے اور ذمیوں کو مطمئن اور امانیوں کو امان عطا کیا جائے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ کفّار و اشرار کو تباہ و برباد کیا جائے اور ممالک کے فتح کرنے میں حد سے زیادہ کوشش کی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت کے عہدِ حکومت میں رعایا کی پرورش، ملک کا انتظام، علاقوں کی محافظت وغیرہ تمام امور ایسے اعلیٰ و عمدہ طور پر انجام پائے ہیں کہ اس کی نظیر کسی سابق فرماں روا کے کارناموں میں نظر نہیں آتی۔

اس کے علاوہ خدا کے فضل و کرم سے دشمنانِ اسلام کی تباہی و بربادی بھی اس عہدِ مبارک میں ہوئی ہے کہ اب شاہی لشکر اس قدر تازہ دم و قوی ہے کہ خود بادشاہ کو کسی ملک پر لشکر کشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب کبھی کہ دشمنانِ اسلام کسی مقام پر فتنہ و فساد برپا کریں تو حضرت کے جاں نثار و قابلِ اعتماد بندۂ درگاہ کو اس فساد کے مٹانے کے لئے نامزد فرما دیں تاکہ دیگر فتنہ انگیز افراد اس سے عبرت حاصل کریں۔

دہلی کے جوار میں اکثر ممالک ایسے ہیں جہاں اہلِ اسلام آباد و حکمراں ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں تلوار اٹھانے میں ایک فائدہ ہے اور دس نقصان۔

دس نقصانات کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) فوج کا جو قدم کہ مسلمانوں کی طرف بڑھتا ہے اور اسلام کی ایذا رسانی کی جو کوشش کہ لشکر کرتا ہے اس کا تمام گناہ خود فرماں روا کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

(۲) بیت المال مسلمانوں کو قوت پہنچانے کے لئے جمع کیا جاتا ہے، اہلِ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لئے نہیں۔

تیسرے یہ کہ کئی ہزار مسلمان نیک کردار بلا کسی سبب کے محنت و مشقت میں گرفتار ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ انسان کی عمر عزیز اور اس کا قیمتی وقت بیکار گزرتا ہے اور ہر دم و قدم پر اس کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھے جاتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ اگر ملک فتح ہو جاتا ہے تو بے شمار مستورات ذلیل و رسوا ہوتی ہیں۔

چھٹے یہ کہ غیر مشروع و خراب مال بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

ساتویں یہ کہ دیگر سلاطین کو اہلِ اسلام سے جنگ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

آٹھویں یہ کہ اس قسم کے افعال خوش خصال مسلمانوں کے درمیان پسندیدہ نہیں خیال کیے جاتے۔

نویں یہ کہ محض ایک فضول امر کے لئے کئی ہزار دشمن پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کل قیامت کے روز ہر شخص کا جداگانہ جواب دینا ہوگا۔

دسویں یہ کہ میدان حشر میں شفیعِ روز جزا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ندامت و پشیمانی حاصل ہوگی۔

اس موقع پر وزیر مذکور نے عرض کیا کہ بندۂ درگاہ کے خیال ناقص میں جو آیا عرض کر دیا۔

فدوی نے مختصر طور پر یہ دس گناہ حضور سے عرض کیے۔ ان کے علاوہ اگر اہلِ اسلام کی دیگر مضرتوں اور نقصانات سے بحث کی جائے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

ایک فائدہ جو فدوی نے عرض کیا وہ یہ ہے کہ تمام عالم میں یہ خبر ضرور مشہور ہو جائیگی کہ فلاں بادشاہ نے اہلِ اسلام کو جبر و قہر سے اپنا فرماں بردار بنالیا اور چند مسلمانوں کو جو اس ملک میں مقیم تھے زیر و زبر کر دیا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے قہر و غلبہ سے عنداللہ کسی قسم کا اجر و فائدہ نہیں ہے اور نقصانات بیشمار ہیں اور ہزارہا افراد دشمن ہو جاتے ہیں۔

صاحبانِ فہم و فراست صرف دُنیاوی شہرت کی خاطر اپنے کو خدا کی بارگاہ میں مردود و عاصی نہیں شمار کر سکتا۔

وزیر کی تقریر حضرت شاہ کو بے حد پسند آئی۔

وہ اپنے ارادے پر بے حد پشیمان ہوا اور چشم پُر آب ہو کر کہا کہ تمہاری تقریر تو واحد جہان بانی واساس سلطانی پر مبنی ہے۔

بادشاہ نے اس واقعے کے بعد قطعاً طے کر لیا کہ اہل اسلام پر لشکر کشی نہ کرے گا۔

جس قدر افراد کہ بارگاہ شاہی میں حاضر تھے انھوں نے زمیں بوس ہو کر بادشاہ کو دعا دی۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ جو شخص مسلمان ہو گا اُس کو غم اعمال کیونکر نہ ہوگا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ دنیائے دنی ہیچ ہے، اگر انسان دُنیا سے باایمان اُٹھے تو سُبحان اللہ اُس کے تمام افعال و کردار اور اُس کے خیالات و آثار، محمود و پسندیدہ خیال کیے جائیں گے۔

سُبحان اللہ ایسے دین دار بادشاہ اور ایسے نادر روزگار وزیر کی کیا تعریف کی جائے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے جو مقرب درگاہ الٰہی تھا، چالیس سال حکمرانی کی اور اہل اسلام کو کسی قسم کی مضرت نہ پہنچائی۔

دوسرا باب ۲

فیروز شاہ کو غلاموں کے جمع کرنے کا شوق

فیروز شاہ نے بندگان درگاہ کے جمع کرنے میں بے حد کوشش و اہتمام کیا۔

بادشاہ نے اس معاملے میں اس قدر سعی و کوشش کی کہ ہر جاگیردار و عامل کے نام ایک فرمان اس مضمون کا جاری فرمایا کہ اس مقام پر جہاں کہ آئین شاہی کے مطابق غارت گری کی جائے وہاں اسیروں کا انتخاب کیا جائے اور جو افراد کہ بارگاہ شاہی میں خدمت کرنے کے قابل ہوں، اُن کو حضور میں روانہ فرمایا جائے۔

ناظرین کو معلوم ہے کہ جس امر میں شاہانِ اولوالعزم کوشش فرماتے ہیں، وہ کس درجہ کامیاب و بار آور ہوتا ہے۔

غرض کہ ہر جاگیر دار جو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا تھا، اپنی حیثیت کے مطابق چیدہ و خوبصورت غلام بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا۔

جاگیر داران منتخب و خوب صورت غلاموں کو پاکیزہ لباس و کلاہ پہنا کر بادشاہ کے حضور میں حاضر کرتے تھے۔ یہ غلام علاوہ اس کے عمدہ موزے پہنے، دستار اور کمر خدمت باندھے حضور میں پیش ہوتے تھے۔ یہ عام قاعدہ تھا کہ جاگیر دار ہر سال فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اسپان تازی و ترکی و بے شمار فیلان تنومند اور انواع و اقسام کے پارچہ جات اور زر و نقرہ کے ظروف اور ہتھیار و شتر و خچر وغیرہ ہر شے کثرت سے اپنے ہمراہ لاتے اور نادر اشیاء بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے۔

ان اشیاء کے علاوہ جاگیر دار غلام بھی لاتے، کیونکہ حضرت شاہ کا حکم تھا کہ صاحبانِ مقطعہ جس قدر بندگانِ خدمت پیش کریں اُن کی قیمت ادا کی جائے اور اُس کو معاوضے میں یہ رقم محصول میں مجریٰ دی جائے۔ بلکہ بے قیاس خدمتی کا قاعدہ خود سلطان فیروز شاہ نے وضع کیا تھا، سلاطین قدیم کے زمانے میں یہ دستور نہ تھا۔

ہر جاگیر دار قدیم زمانے میں اپنی جاگیر سے حاضر ہوتا اور جو کچھ اُس کی مقدرت ہوتی وہ لے کر بادشاہ کے حضور میں آتا، لیکن یہ رقم محصول میں وضع نہ ہوتی تھی۔

فیروز شاہ کا دورِ حکومت آیا اور بادشاہ نے فرمایا کہ اہالی مقطعہ کے اخراجات بیشمار ہیں، اس گروہ کو رقم خدمتی معاف کر دینا بہتر ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر صاحب مقطعہ، جو اپنی جاگیر سے حاضر ہو اور اپنے حصۂ ملک کے نفائس و تحائف حضور میں پیش کرے، تو ان تحائف کی قیمت محاصل شاہی میں مجرا کر دی جائے تاکہ جانبین کی عزت و وقار قائم رہے اور جاگیر دار بھی شاہی ملاحظہ کے قابل اشیاء حضور میں پیش کر سکے۔ غرضکہ چالیس سال کامل یہ قاعدہ جاری رہا۔

فیروز شاہ ہر اُس امیر پر جو بندگان خدمتی زیادہ پیش کرتا بے حد نوازش فرماتا اور جو جاگیر دار کہ ان بندگان پیشی کی تعداد میں کمی کرتا اُس پر اُسی لحاظ سے عنایت مبذول فرماتا۔

اس طور پر تمام اہالی مقطعات کو علم ہوگیا کہ بادشاہ کو بندگانِ خدمتی فراہم کرنے کا بیحد شوق ہے۔ تمام جاگیرداروں نے اس کام کو دیگر امور خدمت پر مقدّم خیال کیا اور چند سال میں بادشاہ نیک خصال کی سعی و کوشش سے اس قدر بندگان خدمتی جمع ہو گئے کہ اُن کا اندازہ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔

جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بندگانِ خدمت بکثرت جمع ہو گئے ہیں تو اُس نے بعض کو شہر ملتان اور بعض کو دیپال پور اور بعض کو سامانہ اور بعض کو گجرات وغیرہ ہر حصۂ مُلک میں سکونت کا حکم دیا۔

بادشاہ نے اُن بندگانِ خدمت کی پرورش کے لئے وظائف مقرر کئے اور بعض افراد کے لئے اُسی حصۂ مُلک میں جاگیر مقرر کر دی۔

دوسرے افراد جو شہر میں مقیم تھے اُن کی نقد تنخواہ مقرر کی اور ہر شخص کا مشاہرہ مقرر کر دیا۔

بادشاہ نے بعض افراد کو سَو اور بعض کو پچاس[50] اور بعض کو پچیس[25] اور تیس[30] اور بعض کو بیس تنگے ماہوار عطا فرمائے اور کسی شخص کی تنخواہ دس[10] تنگے سے کم نہ تھی۔

ان بندگانِ شاہی کو چھ، چار یا تین ماہ کے بعد رقم نقد خزانۂ سرکار سے عطا ہوتی تھی۔

ان بندگانِ شاہی میں بعض نے حفظ کلام اللہ اور بعض نے دیگر علوم دینیہ کی تحصیل شروع کر دی اور بعض ہندوستان سے ہجرت کر کے شاہی حکم کے مطابق کعبۃ اللہ چلے گئے، اور بعض اشخاص صنعت و حرفت کے کارخانوں میں تعلیم کے لئے مقرر کیے گئے اور اس طرح تقریباً بارہ ہزار بندگان بادشاہی مختلف صنعت و حرفت میں لگا دیئے گئے۔

ان کے علاوہ چالیس ہزار بندگانِ شاہی روزانہ نوبت سواری خانہ میں حاضر رہتے تھے اور اس طرح جملہ ایک لاکھ اسّی ہزار بندگانِ فیروز شاہی شہر و اقطاعات میں جمع ہو گئے۔

فیروز شاہ ان بندگانِ دولت کی آرام و راحت کا خاص انتظام کرتا تھا، چنانچہ اُن کی بیخ و بنیاد اس قدر مضبوط ہو گئی کہ حد بیان سے باہر ہے۔

بادشاہ اس گروہ کی پرورش و پرداخت کو اپنے اوپر واجب خیال کرتا تھا اور شاہی توجہ نے اس سلسلے کو ایسا مستحکم کیا کہ بندگانِ بادشاہی کے معاملات سلطنت کے کار و بار سے قطعاً علیحدہ ہو گئے

ان بندگان بادشاہی کے عرضہ دار و مجموعہ دار و خزانہ دار و دیوان و چاؤش و غوری و نائب چاؤش غوری علیحدہ مقرر کیے گئے

دیوان بندگان، دیوان وزارت سے بکلی جدا قرار پائے۔

جب کبھی بادشاہ سواری کرتا تو بندگان تیر انداز صف لبستہ بادشاہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ان کے علاوہ بندگان تیغ دار و بندگان اور د، اور بعض بندگان ہزارہ اسپان تازی و ترکی پر سوار اور بندگان ماہلے گاؤ میش پر سوار بادشاہ کے عقب میں چلتے تھے۔

غرض کہ اس طرح بے شمار بندگان شاہی جمع ہو گئے اور اس حد تک نوبت پہنچی کہ تمام کارخانجات خاص میں اُن کا تقرر ہو گیا۔ چنانچہ آب دار و شراب دار و جام دار و مطبخی و عطر دار و طشت دار و چتر دار و شمع دار و پردہ دار و سلاح دار و شکرہ دار و یوز بان و سیہ گوش دار و بہل بان و دستور بند و خاصہ دار و دوار و سنگتراش و خاصہ دار و سقہ وغیرہ، دیگر اہل عمل محل درون و محل برون و تحمل خانہ وغیرہ میں بھی بندگان بادشاہی مقرر کر دیئے گئے۔

اس کے علاوہ نوبت پاس و ترمناک وغیرہ کی سفری و حضری میں بھی انہی کا تقرر ہو گیا بندگان قرآن خوان کتاب خانہ و علم خانہ و گھڑیال خانہ میں متعین کیے گئے۔

دوادین و نیز دیوان عرض و دیوان وزارت میں بھی ان کا تقرر ہوا اور بعض بندگان بادشاہی مقطعان و پرگنہ دار و شحنگان محلہ مقرر کیے گئے۔

غرض کہ کوئی مقام بندگان فیروز شاہی سے خالی نہ رہا اور حقیقت یہ ہے کہ دہلی میں کسی فرماں روا نے اس قدر بندگانِ دولت جمع کرنے کی توفیق نہ پائی تھی۔

سلطان علاء الدین مرحوم نے تقریباً پچاس ہزار پروردگانِ نعمت جمع کیے تھے اور اس گروہ میں بشیر و مبشر بھی تھے، لیکن علائی دور کے بعد خدا کی حکمت سے کسی بادشاہ کو بندگان شاہی جمع کرنے کی طرف توجہ نہ ہوئی۔

سبحان اللہ، چونکہ روز ازل خداوند تعالیٰ نے یہ مقدر فرما دیا تھا کہ چند سال یعنی سلطان فیروز شاہ کے انتقال کے بعد گروہ اہلِ اسلام میں جنگ و جدال کا بازار گرم ہو اور یہ امر انہی بندگان شاہی کے واسطے ظہور پذیر ہو، اس لئے پروردگار عالم نے فیروز شاہ کو بندگانِ شاہی کے جمع کرنے پر متوجہ کیا۔

بادشاہ نے چالیس سال کامل بندگانِ دولت کو جمع کیا اور چونکہ پروردگار عالم

کی مشیت و تقدیر کا ظہور ضروری و ناگزیر ہے اِس لئے فیروز شاہ نے بندگانِ بادشاہی کا جمیع کرنا بھی اپنے فرائض سلطنت میں خیال کیا اور اس امر میں دل و جان سے سعی و کوشش کی یہاں تک کہ اہلِ مقطع بندگان کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے اور فیروز شاہ اُن کو بعض اُمراء و ملوک کے سپرد کرتا تاکہ ان کو تعلیم دی جائے۔

اُمراء ان بندگان شاہی کو اپنے فرزند کی طرح پالتے اور اُن کے خورونوش و لباس وغیرہ کا کافی انتظام کرتے اور بے حد ہمدردی کے ساتھ اُن کو تعلیم دلواتے اور ہُنر سکھاتے تھے۔

اُمرائے دربار بندگان بادشاہی کی پرورش و پرداخت کرتے اور ان کو علم و ادب میں طاق کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے اور بادشاہ ان اُمراء پر حد سے زیادہ نوازش فرماتا۔

یہ امر اس حد کو پہنچ گیا کہ بادشاہ کی سعی و کوشش انتہائی نے بے شمار بندگانِ شاہی کو جمع کر دیا اور آخر کار اس گروہ نے جگر گوشگان بادشاہ کے سر قلم کر کے دربار کے سامنے آویزاں کئے، جیسا کہ سلطان محمد فیروز شاہ کے مقدمہ ذکر میں معرضِ تحریر میں آئے گا۔

تیسرا باب ۳

خلیفۂ بغداد کا خلعت

نقل ہے کہ جس طرح حضرت خلیفۂ بغداد نے سلطان مرحوم محمد تغلق کے لئے جامہ روانہ فرمایا تھا اسی طرح سلطان فیروز شاہ کے لئے بھی خلعت حکومت روانہ کیا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حضرت خلیفہ نے خود سلطان محمد کے معروضہ پر خلعت روانہ فرمایا تھا اور سلطان فیروز کو بلا کسی تحریک کے اس اعزازِ دینی سے سرفراز فرمایا۔ خلعت کے علاوہ چند مراتب عزت مزید بھی روانہ فرمائے۔

خلیفہ کی بارگاہ سے ہر بار تین خلعت آتے تھے، ایک سلطان فیروز شاہ کے لئے اور ایک شاہزادہ فتح خاں اور ایک خان جہاں کے لئے۔

مختصر یہ کہ خلیفہ کی بارگاہ سے خلعت آتا اور بادشاہ اُس کا استقبال کیا کرتا تھا اور خلعت کو دونوں ہاتھوں سے لے کر اس کو آنکھوں سے لگاتا اور سر پر رکھتا۔

اس تعظیم کے بعد بادشاہ منظر عام پر ہر کہہ ومہہ کے روبرو خلیفۂ زمانی ابن عم ابن رحمان والامام وارث ملک اماماں ابوالفتح ابی بکر بن ابی الربیع سلیمان خلد اللہ ملکہ کا خلعت زیب بدن کرتا۔

منشور حکومت، جس میں فیروز شاہ کو حکمرانی کرنے کی قطعی اجازت دی گئی تھی اور جس میں خلیفہ نے بادشاہ کو سید السلاطین کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا، پیش ہوا اور بادشاہ نے بے حد تعجیل کے ساتھ آگے بڑھ کر قدم اُٹھایا اور فرمان کو آنکھوں سے لگا کر تادیر اپنے سر پر رکھا اور بعد کو بہ آواز بلند پڑھا۔ بادشاہ شہر کی طرف واپس ہوا اور حجاب بارگاہ نے صدا بلند کی اور فیروز شاہ نے خلیفہ کے قاصدوں سے معانقہ ومصافحہ کیا اور ہر شخص کے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔

بادشاہ نے ہر فرد کی پرسشِ احوال کی اور اس کے بعد شہزادہ فتح خاں کو خلعتِ خلافت پہنا کر خان جہاں کو بھی اس شرف سے سرفراز فرمایا۔

فیروز شاہ نے ہر فرد کو اُس کی حیثیت کے مطابق خلعت عطا فرمائے اور اس کے بعد تمام خانان وملوک کو بھی جامدار خانۂ خاص سے جامہ ہائے خلعت عنایت کیے۔

اس روز بادشاہ نے تمام خلائق کے روبرو جشن عام کر کے ہر شخص کو نوازش شاہانہ سے سرفراز فرمایا۔

فیروز شاہ نے خلعتِ خلافت کو بے حد تعظیم وتکریم سے پہنا اور اُس جامے کو تبرکاً جامدار خانے میں رکھوا دیا۔ بادشاہ نے اُن نشان ہائے مراتب کو بھی علم خانۂ خاص میں محفوظ کرا دیا۔

چونکہ سلطان فیروز شاہ نے خود بینی وخود ستائی سے قطع نظر کر کے محض خدا پر بھروسہ کیا اور اپنے لئے جامۂ خلافت کی درخواست نہیں کی۔ اس لئے خداوند کریم نے محض اپنے لطف وکرم سے اُن کو اس عزت سے سرفراز فرمایا۔

سبحان اللہ جس زمانے میں کہ ہمارے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت کو خواب میں وحی سے سرفراز فرمایا۔

ہر بار ملک مقرب خواب میں حضرت سے عرض کرتا کہ تم خدا کے رسول ہو، اور ہر مرتبہ

حضرت کو اس منصب عظیم کی بشارت دینا تھا۔

اس موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے چھ ماہ خواب میں منصب نبوّت کی بشارت سنی لیکن اس پر بھی اپنے کو اس منصب کا اہل نہ خیال کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلے میں علماء کو اختلاف ہے، اور انہوں نے فرمایا ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے، اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کے بعد چھ ماہ کامل خواب میں بشارت وحی ہوتی رہی اور اس لئے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خواب نبوّت کا چھیالیسواں جزو ہے۔

اس زمانے کے بعد حضرتؐ پر بیداری میں وحی آنے لگی، جیسا کہ اس کا تمام قصہ تفاسیر میں مرقوم ہے اور تمام کتابوں میں منقول ہے۔

چونکہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بینی سے کنارہ کشی فرمائی، اس لئے خدائے برتر نے حضرتؐ کو اپنے انعامات رحم و کرم سے سرفراز و مالامال فرمایا اور حضرتؐ کو خاتم الانبیا قرار دے کر اپنا مقرب ترین بندہ بنا دیا۔

اسی طرح چونکہ سلطان فیروز شاہ نے جو تمام خوبیوں سے آراستہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی فطرت میں انبیا و اولیا کے خصائل ودیعت فرمائے تھے، غایت بزرگی کی وجہ سے خود بینی سے قطع نظر کی اور خلیفہ کی بارگاہ میں اپنے لئے خود جامۂ حکومت کی درخواست نہ کی، اس لئے خدائے برتر نے اُس کو غیب سے جامہ عطا فرما کر بادشاہِ ختمِ سلاطین قرار دیا۔

چوتھا باب

محل بارجا میں جلوس کرنا

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے تین محل بارجا مقرر کئے تھے۔ ایک محل صحنِ گلبن کے نام سے مشہور تھا جس کو محل ڈاکہ بھی کہتے تھے جس کے معنی محل انگور کے ہیں۔

محل دوم، محل چھجۂ چوبیں اور محل سوم محل بار عام کے ناموں سے موسوم تھے۔
محل سوم، محل میانگی بھی مشہور تھا۔
محل بار جا صحن گلبن وہ قصر شاہی تھا جہاں کہ تمام خانان و ملوک و امراء و معارف اور بعض اہل قلم اپنے مراتب کے موافق بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتے تھے۔
محل چھجۂ چوبیں صرف خواص کے لئے مخصوص تھا۔ اور محل سوم قصر میانگی، خاص و عام ہر شخص کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔
مورخ عفیف محل صحن گلبن کے حالات مقدمے میں ہدیۂ ناظرین کر چکا ہے اور محل میانگی کے جملہ احوال جشن ہائے شب برات و عیدین و نوروز و ایام میزبانی و ملاقات قاصدان اطراف کے ذکر میں معرض بیان میں آچکا ہے۔
مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ شہر دہلی سے منتقل ہو کر فیروز آباد میں مقیم تھا، بادشاہ جب کبھی محل بار جا میں جلوس کرنے کا ارادہ کرتا تو دو یا تین روز کے بعد عبادات و قرأت قرآن سے فارغ ہو کر چند سورتیں کلام اللہ کی تلاوت فرماتا۔
سبحان اللہ سلطان فیروز شاہ کس درجہ خوش اوقات فرماں روا تھا۔
بادشاہ چھ سورتیں روزانہ تلاوت فرماتا اور جمعہ کے دن سورۂ کہف اور شب جمعہ کو سورۂ طٰہٰ بلا ناغہ تلاوت فرماتا۔
فیروز شاہ روزانہ چند پارے کلام اللہ کے پڑھتا اور معمولی اوراد و وظائف میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوتا تھا۔
بادشاہ کا عقیدہ اس قدر پختہ تھا کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں کہ اسم اعظم اس کی زبان پر آتا تو غایت ذوق و شوق میں اس جگہ کو بوسہ دیتا اور آنکھوں سے ملتا تھا اور یہ طریقہ گویا اپنے لئے واجب خیال کرتا۔
مختصر یہ کہ بادشاہ کی عبادت کے بعد ملازمین بادشاہی تخت کو آراستہ کرتے اور اول بادشاہ خود تشریف لاتا اور تخت سلطنت پر جلوس کرتا۔
بادشاہ کے بعد سراپردہ داران خاص و عہدہ دار حاضر ہوتے اور بادشاہ کے حضور میں آداب و مجرا بجالاتے اور آگے بڑھ کر عرض کرتے کہ حاضرین بارگاہ کے سلام و مجرے کی بابت کیا ارشاد ہے۔ بادشاہ حکم دیتا کہ مخلوق کو سلام کے لئے حاضر کرو اور سراپردہ داران خاص پہلے

حجاب کو حاضر بارگاہ ہونے کی اجازت عطا کرتے اور اس کے بعد بندگان تیغ دار زریں و نقرئی سپر ہاتھ میں لیے ہوئے حاضر ہوتے۔

ان کے بعد دیوان رسالت کی نوبت آتی۔ دیوان قضا کے کارکن دیوان رسالت کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ان تمام جماعتوں کے بعد دیوان عالی وزارت حاضر ہوتے اور اپنے محل مقررہ پر جانب راست مؤدب کھڑے ہوتے۔

دیوان وزارت کے بعد دیوان عرض کی نوبت آتی اور کوتوالان ملک دیوان عرض کے ہمراہ ہوتے تھے۔

تمام شاہزادگان و نیز عمدہ اعیان ملک بادشاہ کے عقب میں جگہ پاتے البتہ بعض جاگیردار و کارکنان سلطنت کو بھی جانب چپ قیام کرنے کی اجازت ہوتی تھی اور ہر شخص اپنے منصب کے مطابق درگاہ میں استادہ رہتا تھا۔

تمام حاضران بارگاہ میں کوئی شخص بھی بغیر کلاہ مراول کے حاضر نہیں ہو سکتا تھا لیکن چند تیغ دار جن کو بارگاہ شاہی سے جامۂ زردوزی و بند سفید و کمر زریں و کلاہ بار بکی بطور خلعت عطا ہوتی تھی وہ البتہ اپنے خاص لباس میں بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔

سُبحان اللہ سلطان فیروز شاہ کا کیا عمدہ طریقۂ حکومت تھا کہ تمام اُمراء و اعیان ملک و نیز تمام اہل قلم بے حد رغبت و مسرت کے ساتھ جامۂ زرینہ پہنتے اور کسی فرد کو بھی اس قسم کا لباس زیب بدن کرنے میں تامل نہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ دربار بارگاہ پر یا اس کے نشیب میں کسی شخص کو بھی بغیر موزہ و موٹے بند استعمال کیے ہوئے بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بار جا کے وقت بادشاہ شکروں کے اُڑانے اور گھوڑوں کو چکر دلوانے میں مشغول ہوتا۔

جو افراد کہ تخت شاہی کے متصل استادہ ہوتے اُن کی ترتیب حسب ذیل ہوتی تھی۔

خان جہاں وزیر جانب راست تخت شاہی سے قریب جگہ پاتا تھا۔

امیر معظم امیر احمد اقبال خان جہاں سے بالاتر لیکن بقدر ایک زانو کے خان جہاں کے عقب میں بیٹھتا تھا۔

اس مرتبۂ نشست سے مراد یہ تھی کہ امیر احمد اقبال کا مرتبہ نہ خان جہاں سے برتر ہے اور نہ فروتر۔

اِس کے علاوہ ملک نظام الملک امیر حسین امیر میراں جو نائب وزیر ممالک تھا، خان جہاں سے فروتر بیٹھتا تھا۔ غرض کہ تخت شاہی سے متصل ہی تینوں امیر جگہ پاتے تھے۔

جانب چپ خان جہاں کے عقب میں ایک جامہ دوتہہ کر کے بچھایا جاتا تھا اور اس جا کے صدر میں قاضی صدر جہاں بیٹھتے تھے اور اُن کے متصل بانبھ کو نشست کی اجازت عطا ہوتی تھی۔

بانبھ سے متصل منگل خاں اعلیٰ جگہ پاتا تھا۔

جانب چپ تخت شاہی سے متصل خالی جگہ رہتی تھی۔

ایک جامہ خانہ دوتہہ کر کے بازوئے چپ کی جانب قدرے فاصلے سے بچھایا جاتا تھا اور اس جامہ خانے کے صدر میں جانب چپ ظفر خاں کو جائے نشست عطا ہوتی تھی۔

ظفر خاں کے متصل احمد خاں اور نیز بنو صاحب دوچتر اور اُس کے متصل اعظم خاں خبر رساں جگہ پاتے تھے۔ اور اُن کے عقب میں رائے مدار دیو (رائے بلار) ورائے سمیر دراوت روہرن زمین پر نشست کرتے تھے۔ اس زمانے میں مورخ عفیف شاہی حکم کے مطابق محل سلام میں حاضر ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ خان جہاں بارگاہ میں حاضر ہوتا اور اُس کے ہمراہ دیوان وزارت کے تمام اصحاب حاضر ہوتے تھے۔ خان جہاں اور اس کے رفقا محل حجاب سے سلام کرتے تھے اور طرف راست کے تمام اُمرا اپنے مقامات پر استادہ ہو جاتے تھے۔

دستور مشہور کے برادر زادہ و برادران حجاب دیوان سے بالاتر جگہ پاتے تھے۔ اور ان میں اور حجاب دیوان میں صرف دو اشخاص کا فاصلہ ہوتا تھا۔

غرض کہ دستوران سلطنت آگے بڑھتے اور بار دوم سر بزمیں ہوتے تھے۔

بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کرتا اور دستوران ملک بار سوم سر بزمیں ہو کر اپنے مقام پر بیٹھ جاتے تھے۔

ملک الشرق نظام الملک نائب وزیر اس زمانے میں وزیر کے برابر بیٹھتا تھا سلاطین قدیم کے عہد میں نائب وزیر کو تخت شاہی کے روبرو بیٹھنے کی اجازت تھی لیکن جب سلطان فیروز کے عہد حکومت میں ملک نظام الملک کو نیابت کا عہدہ عطا ہوا تو چونکہ یہ امیر بادشاہ کا خاص مشیر تھا اور نیز یہ کہ بادشاہ کی ہمشیر اس کے حبالۂ عقد میں تھی، اور نظام الملک

تمام خوبیوں سے آراستہ تھا، بادشاہ نے حکم دیا کہ نائب وزیر، وزیر سے فروتر تخت شاہی کے روبرو نشست اختیار کرے۔ مختصر یہ کہ خان جہان بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے محل و مقام پر بیٹھتا اور بادشاہ اس کی جانب روئے سخن پھیر کر اس سے کلمہ و کلام میں مشغول ہوتا تھا۔

بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ وزیر کی موجودگی میں کسی شخص غیر سے گفتگو نہ کرتا تھا۔

اگر بادشاہ کسی شخص غیر کو اپنے حضور میں طلب کرنا چاہتا تو بھی خان جہاں کی طرف اشارہ کرتا۔

خان جہاں اس شخص کو طلب کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا۔

اگر بادشاہ کسی شخص پر غضب و غصہ کرتا تو بھی خان جہاں کی طرف رُخ کرتا تھا۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ ہر معاملے میں خان جہاں سے گفتگو کرتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو آئینِ کلام کہ دیگر سلاطین عالم نے سیاست و تدبر سے وضع کیے تھے، فیروز شاہ الہامِ الٰہی سے مستفید ہو کر ان پر عمل کرتا تھا۔

قابوس حکیم نے قابوس نامے میں تحریر کیا ہے کہ سلاطین عالم کا فریضہ ہے کہ وزیر کی موجودگی میں شخص غیر سے کلمہ و کلام نہ کرے، اس لئے کہ اگر وزیر کی موجودگی میں بادشاہ کسی امیر کو مخاطب کی عزت سے سرفراز فرمائے گا تو اُس روز رُبع مملکت کو نقصان پہنچ جائے گا۔

اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وزیر کو تمام ملک سے محاسبہ کرنا پڑتا ہے اور خواہ بادشاہ کا پسر ہو یا برادر، ہر رکن شاہی بھی وزیر کے محاسبہ میں گرفتار ہوتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر تمام اصحاب سلطنت وزیر کے دشمن ہوتے ہیں، اگر بادشاہ وزیر کی موجودگی میں شخص غیر سے کلمہ و کلام کرے گا تو عمدہ ارکان دربار کو یہ گمان ہو گا کہ شائد بادشاہ وزیر سے ناراض ہے اور اس وجہ سے دوسرے شخص سے تخاطب کر رہا ہے۔

اس گمان کی بنا پر وزیر کی عظمت قلوب میں کم ہو جائے گی اور نیز وزیر بھی بددل ہو کر یہ گمان کرے گا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور صادر ہوا ہے، جس کی وجہ سے بادشاہ مجھ سے ناراض ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وزیر اپنے فرائض محاسبہ کو بخوبی انجام نہ دے سکے گا اور جب عمال کے محاسبے میں فرق آئے گا تو مال خزانۂ شاہی میں نہ داخل ہو سکے گا اور مال و دولت کی کمی سے بنیاد سلطنت کمزور ہو گی اور ملک میں خلل پیدا ہو جائے گا، اس لئے کہ بادشاہی کی بنیاد و نظامِ حکومت، مال و دولت پر مبنی ہے۔

دستور الوزرا میں مرقوم ہے کہ جو مال و دولت عمال شاہی قعرِ زمین میں دفن کر دیتے ہیں، وزیر اپنی فہم و فراست و نیز تدبر و سیاست سے یہ رقم قعرِ زمین سے نکال لیتا ہے۔

شاہانِ عالم وزرار و دستورانِ ہوشمند کی قدر و قیمت جانتے ہیں، جو محتاجِ بیان نہیں ہے۔

چونکہ سلطان فیروز شاہ صاحبِ تجربہ فرماں روا تھا اور اُمورِ جہاں داری کا ماہر تھا، اس لئے بادشاہ وزیر کی موجودگی میں شخص غیر سے قطعاً کلام نہ کرتا اور اگر کسی شخص کو قدم بوسی کے لئے تخت کے روبرو طلب کرتا تو بادشاہ اپنے نورِ بصیرت سے اُس شخص کے آباو اجداد کے احوال سے اُس کو فوراً پہچان لیتا، یہ محض خدا کا فضل تھا جو اِس فرماں روا کے شاملِ حال رہا، ورنہ ظاہر ہے کہ انسان ضعیف البنیان کو فطرۃً اس قسم کا ادراک کہاں میسّر ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہزاروں انسانوں کی جو قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں، آبائی شرافت کو محض اُن کے بُشرے سے دریافت کر لینا اور پھر اُن سے اُنہی کی حیثیت کے مطابق گفتگو کرنا اور اُن حاضرین کو مسرت و خوشی کے ساتھ واپس کرنا کہ وہ دعا دیتے ہوئے جائیں ایک ایسا دشوار امر ہے جس کو اکتساب سے قطعاً سروکار نہیں ہے۔

بادشاہ کی یہ شناخت و فراست محض اُس کی خوبیٔ بصیرت و عطیۂ الٰہی ہے، جس میں اُس کی کوشش کو دخل نہیں ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ فرماں روائی کے چند اہم ترین نکتے اس باب کے آخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے جائیں گے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ ایک پہر تک محل بار جا میں نشست اختیار کرتا اور اس کے بعد دوسرے محل میں چلا جاتا اور خانانِ درگاہ و ملوکِ بارگاہ اپنے اپنے مسکن کو واپس چلے جاتے۔

خان جہاں آئینِ قدیم کے مطابق مسندِ وزارت پر جلوس کرتا، جہاں عُمّال کے اعمال کا محاسبہ پیش ہوتا تھا اور ہر شخص اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہوتا تھا۔

اس مقام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے دربار کی نشست کا یہ قاعدہ تھا کہ تختِ حکومت کی جانبِ راست خان جہاں اور امیر احمد اقبال و نظام الملک کو جگہ

دی جاتی تھی اور جانب چپ تخت سے متصل باوجود قربت و عہدہ کے کسی شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی، حالانکہ سلاطینِ قدیم کا دستور تھا کہ اُن کا دستِ چپ بھی اُمراء سے خالی نہ ہوتا تھا۔

ایسی حالت میں بادشاہ کے اس فعل کو کس مصلحت پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مورّخ عفیفؔ جس زمانے میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تھا، اُس عہد میں دست چپ امراء کے وجود سے خالی تھا اور مورّخ نے اپنے والد ماجد سے اس کا سبب دریافت کیا۔

والد صاحب نے فرمایا کہ دستِ چپ زمانہ قدیم سے سرلشکر کے لئے مخصوص ہے۔

سلطان فیروز شاہ نے اپنے آغازِ حکومت میں سرلشکر کا عہدہ اپنے غلام بشیر آ کو عطا کرکے اُس کو عماد الملک کے خطاب سے سرفراز فرمایا، لیکن اُس شخص کی نشست جانبِ چپ متصل تخت نہ تھی۔

فیروز شاہ کے اوائل عہد میں خان جہاں اگرچہ وزیر تھا، لیکن جانبِ چپ بیٹھتا تھا۔ اور دستِ راست کی طرف خانِ اعظم تاتار خاں کو جگہ عنایت ہوتی تھی۔

چند سال کے بعد خانِ اعظم تاتار خاں نے وفات پائی اور خاں جہاں کو حکم ہوا کہ اپنے مقرّر کردہ مقام پر نشست اختیار کرے اور اس طرح جانبِ چپ خالی رہ گیا۔

اس درمیان میں خانِ اعظم ظفر خاں بنگال سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسا کہ مورّخ حصہ دوم میں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکا ہے۔ اور فیروز شاہ نے حکم دیا کہ ظفر خاں کو مسند عطا کی جائے، اور یہ امیر جانبِ چپ نشست اختیار کرے۔

چند سال کے بعد ظفر خاں نے بھی وفات پائی اور اُس کا فرزند دریا خاں اپنے پدر کا جانشین ہوا اور اس شخص کی نشست کی بابت بادشاہ سے عرض کیا گیا۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ جانبِ چپ صدر میں اپنے مرحوم پدر کی جگہ نشست اختیار کرے۔

اس طرح اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ محل بار جا صحن گلبن میں سید درکائیؒ و مولانا جلال الدین رومیؒ و شیخ الاسلامؒ کی جگہ کہاں تھی؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید درکائیؒ جانب راست صدر جہاں سے فروتر جگہ پاتے اور مولانا جلال الدین رومیؒ سید درکائیؒ کے متصل قیام فرماتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ ہمیشہ ایک پہر روز گزرنے کے بعد بادشاہ کی ملاقات کو آتے اور اُس وقت بادشاہ محل چھجہ میں قالین کے اوپر بیٹھتا تھا۔

شیخ الاسلامؒ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے اور فیروز شاہ اُن کا استقبال کرتا اور اپنے ہاتھ شیخ کے قدموں تک لے جاتا۔

حضرت شیخ بادشاہ کو دعا دیتے اور اپنے سینے سے لگاتے تھے اور اس کے بعد بادشاہ و شیخ دونوں اصحاب ایک ہی جگہ بیٹھتے تھے اور اس مجلس میں شخص غیر کو گنجایش نہ تھی۔

بادشاہ جناب شیخ سے کلمہ و کلام کرتا اور طعام و شربت و میوہ و تنبول وغیرہ کا دَور ہوتا تھا اور اس کے بعد شیخ الاسلامؒ بادشاہ سے رخصت ہو کر تشریف لے جاتے اور بادشاہ چند قدم اُن کا استقبال کرتا۔

رخصت ہونے کے وقت بھی حضرت شیخ بادشاہ کو دعا دے کر اُن کو اپنے سینے سے لگاتے۔

اگر حضرت شیخ کو بادشاہ سے کسی ضرورت کے متعلق کچھ فرمانا ہوتا تو وہ زبانی نہ ارشاد کرتے، بلکہ ایک کاغذ پر لکھ کر اپنی دستار میں لپیٹتے، اور اُسکو چھوڑ جاتے۔

بادشاہ حضرت شیخ کو رخصت کر کے واپس آتا اور قالین پر حضرت کی دستار و کاغذ کو پاتا اور اس خط کو اوّل سے آخر تک پڑھتا۔

بادشاہ حضرت شیخ کے نامے کا جواب، حضرت کی حسب خواہش اُسی وقت لکھ کر اپنے حضور میں اُس کو مرتب کرا کے کسی معتمد امیر کے سپرد کرتا اور اُس کو حکم دیتا کہ یہ خط جلد سے جلد شیخ الاسلام تک پہنچا دے، بلکہ حضرت شیخ سے پیشتر اُن کی خانقاہ تک پہنچ جانا۔

اُس وقت قاضی بغدادی و ملک مبارک کبیر وغیرہ محل چھجہ میں بادشاہ کے پس پشت استادہ رہتے تھے۔

پانچواں باب

ملوک و اُمراء کی مسرّت و فارغ البالی

نقل ہے کہ فیروز شاہ کے عہد حکومت میں تمام خانانِ درگاہ و ملوکِ کرام و تمام عمّالِ شاہی و فرقہ ترکش بند، غرضکہ تمام خاص و عام، احرار و غلام، تمام اشخاص خوش و خرم تھے اور تمام خلائق کو ہر وقت تازہ مسرت و بے اندازہ نشاط حاصل ہوتی تھی۔

اُس عہد کی تاثیر و نیز سلطان فیروز شاہ کے قدوم کی برکت نے تمام ملک کو مبارک و میمون بنا رکھا تھا۔

جب کبھی کہ فیروز شاہ ملک کے کسی جانب سفر کرتا تو اُس نواح کے ملوک کو اس درجہ خوشی و مسرت ہوتی، گویا یہ گروہ اُس نواح کی حکمرانی کو جا رہا ہے۔

بادشاہ نے خدائے برتر کی توفیق سے ہر امیر کو بے حد انعامات و اقطاعات و پرگنات و قصبات و قریات و باغات وغیرہ مدد معاش میں عطا فرمائے تھے۔

ان اُمراء کو بادشاہ کے ان عطیات میں بے حد برکت حاصل ہوئی، اور مشکل سے کوئی ایسا امیر ہوگا کہ اُس کے پاس فراش خانہ نہ ہو۔

ہر امیر کے توشے خانے میں فرش کا عمدہ ذخیرہ تھا اور ہر شخص کے ہمراہ صاحب جمال و خوش آواز کنیزوں کا ایک گروہ رفع ملال کے لئے رہتا تھا۔ جس مقام پر کہ امرا مقام کرتے، ہر منزل میں بے شمار اطمینان بخش سامان و فراغ بالی و ارزاں غلہ میسّر آتا تھا۔

کسی فرد کو بھی نہ بادشاہ کے مظالم کا خوف تھا اور نہ کسی شخص غیر غائب و حاضر سے کسی طرح کا خطرہ تھا۔

سلطان فیروز شاہ کے عہد میں اگر بادشاہ کسی وجہ سے شہر سے غائب ہوتا تو خلایق بادشاہ کی غیر حاضری سے بے حد پریشان ہوتی اور چند ہی روز میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ کے عہد حکومت میں چونکہ بادشاہ مقبول بارگاہ الٰہی تھا ہر صیغے و ہر شعبے میں بے انتہا مسرت و فارغ البالی تھی۔

مخلوق خدا اس درجہ مرفہ الحال تھی کہ ہر خیمے سے سرفنکی آواز بلند تھی، اور جو امراء کہ صاحب اقتدار تھے، وہ الوان نعمت تیار کرا کے مخلوق کو تقسیم کرتے تھے۔

بادشاہ کے لشکر کی خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ کسی فرد و بشر کو لشکر سے واپس جانے کا خیال بھی نہ آتا تھا، اس لئے کہ ہر اہلِ لشکر کے مکان میں اس قدر آسودگی تھی کہ کسی سپاہی کے دل میں اپنے اہل و عیال کی طرف سے کوئی خطرہ نہ گزرتا تھا۔

بادشاہی لشکر میں ہر فرد کو اس قدر آرام و فراغت حاصل ہوتی تھی کہ معمولی مہم میں بھی بے شمار اشخاص بادشاہ کے ہمرکاب ہو جاتے تھے اور اس درجہ خوش و مطمئن رہتے کہ واپسی کا خیال بھی نہ کرتے تھے۔

شہر کے اہلِ بازار بے شمار مال و اسباب اپنے ہمراہ لے کر بے حد مسرت و خوشی کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ ہو جاتے تھے، بلکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی تھی کہ اہل خدمت میں وہی لوگ لشکر بادشاہی میں داخل ہو کر روانہ ہوتے تھے، جن کو رئیس شہر اجازت دیتا تھا۔

چونکہ لشکر شاہی میں بے انتہا آرام سفر حاصل ہوتا تھا اس لئے بعض گروہ اہل بازار اس معاملے میں رئیس شہر کی منت و سماجت کرتے تھے اور اس کے عوض قدرے رقم بھی رئیس کو نذر کرتے تھے۔

سبحان اللہ اس بادشاہ کا دورِ حکومت کس قدر بابرکت تھا جو معرض بیان میں نہیں آسکتا ہے۔

جب بادشاہ خدا کی مدد و عنایت سے شکار سے واپس ہوتا اور شہر میں آتا تو تمام خانان و ملوک درگاہ مسرت و خوشی کے عالم میں اپنے مکانات کو واپس جاتے۔

بادشاہ خدا کی عنایت و مہربانی سے کوشک سلطانی میں جو دریائے جمنا کے ساحل پر واقع تھا، مقام کرتا، فیروز شاہ کے ورود سے چند روز قبل خان جہاں کے حکم کے مطابق تمام شہر فیروز آباد میں قلعی کرائی جاتی تھی اور در و دیوار پر طرح طرح کے نقش و نگار بنائے جاتے تھے اور نذر کے لئے بیشمار اسباب مہیا کیا جاتا تھا۔

شہر کے ہر چہار جانب برجیں لگائی جاتی تھیں اور ہر پچاس بیرق کے فاصلے پر

ایک ڈھول، دو شہنا اور ایک یرغون رکھے جاتے تھے۔

تقریباً بارہ ہزار بیرقیں شہر کے ہر چہار جانب سے جمع ہوتی تھیں اور یہ تمام نشانات بادشاہ کے دربار کے روبرو یکجا ہوتے تھے۔

بادشاہ دریائے جمنا کے کنارے قیام فرماتا اور یہ حکم تھا کہ خانان و ملوک میں کسی فرد بشر کو تنہا شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس حکم سے یہ مقصد تھا کہ تمام اُمرا بادشاہ کے ہمرکاب شہر میں داخل ہوں تاکہ رونق و حشم میں معتدبہ اضافہ ہو جائے۔

غرض کہ آفتاب کے طلوع ہونے اور نماز فجر کے ادا کرنے کے بعد، خان جہاں مع تمام لشکر و اعیانِ شہر کے دریا کو عبور کرتا اور تمام بیرقوں و حشم کے ہمراہ بادشاہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا تھا۔

اس کے بعد فیروز شاہ خدا کی عنایت و مہربانی سے بے حد مطمئن و مسرور، ساعت سعید میں شہر میں داخل ہوتا تھا۔ تمام عہدہ داران شہر کے تحائف و رقوم نذر، بادشاہ کے ملاحظے میں پیش ہوتے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اوّل خان اعظم ہمایوں خان جہاں کے اور بعد اس کے ملک الشرق ملک نظام الملک نائب وزیر کے تحائف پیش ہوتے اور اس کے بعد دیگر خواتین و اُمرا و علما و سادات و اعیان شہر و دیگر باشندگان ملک کے تحائف بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیے جاتے تھے۔

جو اشخاص کہ دیگر شہروں کے بھی کسی خاص وجہ سے خان جہاں کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اُن کی نذریں بھی بادشاہ کے ملاحظے میں گزرتی تھیں۔

غرض کہ تمام خلائق اعلیٰ و ادنیٰ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے۔

بادشاہ کے وہ ہمراہی داخلِ لشکر جو دیہات و قریات کے باشندے تھے نہایت اطمینان و مسرت کے ساتھ اپنے مکانات کو جاتے اور اپنے اعزہ و احباب سے ملاقات کرتے اور سفر کے تمام واقعات بیان کرتے تھے۔

سبحان اللہ! اس فرشتہ خصال کے عہد میں خلقت خدا اس درجہ فارغ البال و مرفہ الحال تھی اور ہر شے اس قدر کثرت و ارزانی کے ساتھ دستیاب ہوتی تھی کہ حد بیان سے باہر ہے، اور یہ تمام برکات بادشاہ کے قدموں کی برکت سے تھی۔

عہدِ فیروز شاہی کے برکات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ مساکین بھی اپنی دختران خرد سال کو کم سنی کے زمانے میں بیاہ دیتے تھے۔

سبحان اللہ اس بادشاہ دین دار کے عہدِ مبارک کا کیا کہنا کہ اُس کے عصر میں ذرّہ برابر بھی ناخوشی کا ظہور نہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام برکات خود بادشاہ کے قدموں کا طفیل تھیں، ورنہ اُس کے انتقال کے بعد تمام شہر زیر و زبر ہو گیا، اور جو اشخاص کہ اب زندہ ہیں وہ اُس مبارک و بابرکت عہد کو یاد کرتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مبارک عہد اپنے برکات کی وجہ سے کبھی گوشۂ دل سے فراموش نہ ہوگا۔

چھٹا باب

عہدِ فیروز شاہی کے برکات

نقل ہے کہ فیروز شاہ کے بابرکت عہد میں فارغ البالی حد کمال کو پہنچ گئی تھی یہ ارزانی صرف شہر تک محدود نہ تھی، بلکہ تمام ممالک محروسہ کا ایک حال تھا۔ بادشاہ کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں قحط کا نام و نشان تک سُنائی نہ دیا، فیروز شاہی عہد کے برکات کے مقابلے میں تمام اہلِ شہر علائی برکات کو قطعاً بھول گئے۔

عہدِ علائی کے برکات تاریخ میں بے نظیر تھے، لیکن فیروز شاہی عہد کی فراغت نے اُن کو بھی گوشۂ دل سے فراموش کرا دیا۔

سلطان علاء الدین نے ارزانی کے لئے جس قدر بلیغ کوشش کی، اُس کے حالات کتب تواریخ میں مفصل مذکور ہیں۔ علاء الدین نے سوداگروں کو رقم عطا کی اور بے شمار زر و دولت اُن کے سامنے پیش کیا، اُن کے وظائف مقرر کئے اور اُن کو ہر قسم کے رحم و کرم شاہی سے سرفراز کیا، اُس وقت اس درجہ ارزانی پیدا ہوئی، لیکن عہدِ فیروز شاہی میں

بغیر کسی قسم کی سعی و کوشش کے غلہ و دیگر اجناس میں ارزانی پیدا ہوئی۔

فیروز شاہی عہد کے یہ برکات محض عطائے ربانی تھے، جو اس بادشاہ کے حسن عقیدہ کے نتائج ہیں۔

اُس عہد میں غلّے کی ارزانی کا یہ عالم تھا کہ شہر دہلی میں گیہوں آٹھ جیتل فی من، اور چنا اور جَو چار جیتل فی من کے نرخ سے فروخت ہوتے تھے۔

اسی طرح شہر میں شکر بھی ایک جیتل فی من کے حساب سے فروخت کی جاتی تھی۔

غرضکہ اس بادشاہ کی پاک عقیدت کی برکت سے ہر قسم کا غلّہ ارزاں تھا، اور اِسی طرح کپڑوں میں خواہ سپید بے رنگ ہو یا زرینہ، بے حد ارزانی پیدا ہو گئی۔

اُس زمانے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ شیرینی کا قدیم نرخ بھی گھٹایا جائے۔

مختصر یہ کہ عہدِ فیروز شاہی میں، جو چالیس سال کا دورِ حکومت ہے، خدا کے فضل و کرم سے تمام چیزیں بے حد ارزاں ہو گئی تھیں۔

اگر کسی وجہ سے ملک میں گرانی پیدا ہوتی تو البتہ غلّہ فی من ایک تنکہ فروخت ہوتا تھا، اور یہ گرانی بھی چند روز تک محدود تھی اور اس کے بعد بدستور سابق ارزانی ہو جاتی تھی۔

خلقت خدا نے چالیس سال کامل قحط کا نام تک نہ سُنا۔

غرض کہ عہد فیروز شاہی کی بہترین نعمت اشیاء کی بے حد ارزانی تھی، جس کی نظیر مشکل سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

اس بادشاہ کے عہد میں ارزانی کی طرح آبادی میں بھی بے حد ترقی ہوئی، چنانچہ میانِ دوآب میں کوہ سکھر دوآبہ و کھرلہ سے لے کر کول تک ایک گاؤں بھی خراب و ویران نہ تھا اور اس حصۂ ملک، یعنی میان دوآب میں بچاس پرگنے معمور تھے۔

غیر دوآب میں بھی آبادی کا تقریباً یہی حال تھا، چنانچہ ہر حصۂ ملک میں ایک کوس کے درمیان چار گاؤں آباد تھے اور ہر موضع کے باشندے بے حد اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

اس بادشاہ کے عہدِ بابرکت میں ملک میں بے حد آسائش و آسودگی تھی۔

فیروز شاہ کو باغات کے نصب کرنے کا بھی بے حد شوق تھا اور ہر باغ کا صحن مجملہ

خوبی و لطافت سے آراستہ کیا جاتا تھا، چنانچہ شہر دہلی کے جوار میں ایک ہزار دو سو باغ سرسبز و شاداب موجود تھے۔

جو باغات کہ اوقاف و نیز دیگر اشخاص کی ملکیت میں داخل تھے، بادشاہ نے اُن کو بحال رکھا۔

بادشاہ کو باغات نصب کرنے کا اس درجہ شوق تھا کہ اُس نے سلطان علاء الدین کے تعمیر کردہ باغوں میں اور تیس باغ نصب کیئے اور بند رسالورہ میں اسّی باغ، اور چتور میں چوالیس باغ نصب کیئے گئے اور ہر باغ میں ہر قسم کے انگور سپید و سیاہ، خرمائی و چیتوری دارغوانی و پیری، و آلو دخایہ غلامان، سات قسم کے پیدا ہوتے تھے۔

ان انگوروں کا نرخ یہ تھا کہ ایک جیتل کو ایک سیر فروخت ہوتا تھا۔

اسی طرح ہر باغ میں مختلف میوہ جات بھی پیدا ہوتے تھے اور عہد فیروز شاہی میں علاوہ حصّہ املاک باغبانان کے ایک لاکھ اسّی ہزار تنگے دیوانی کو محصول ملتا تھا۔

اس زمانے میں میانِ دوآب کا محصول اسّی لاکھ تنگے تھا۔

بادشاہ دین پناہ کی انتہائی سعی و کوشش سے چھ کرور پچاس لاکھ تنگے جوار دہلی کا محصول حاصل ہوتا تھا۔

اگرچہ فیروز شاہ نے اپنے تدبر و سیاست سے مملکت دار الملک کو مختصر کر دیا تھا، تاہم اس حصّہ ملک کا محصول اس قدر تھا کہ بادشاہ نے اس رقم کو اُمراء کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔

بادشاہ نے خانانِ ملک کو اُن کی خانی اور اُمراء و ملوک کو اُن کی جاہ و حشمت اور اعیانِ ملک کو اُن کی آرام و راحت کے مطابق رقوم عطا فرمائی ہیں۔

فیروز شاہ نے اہلِ لشکر و دیگر حشم کو مواضع اُن کی ضروریات کے مطابق عنایت کیئے تھے اور غیر وجہی ملازمین کو نقد رقم خزانۂ سرکار سے عطا ہوتی تھی۔ اسی طرح دیگر ضروریات زندگی کا قیاس کرنا چاہیئے۔

چونکہ وجہ داروں کا اطلاق، اُن کے اقطاعات کے متعلق ہوتا اس لئے ہر اقطاع سے اُن کو وجہ یا نصف کامل کے طور پر حاصل ہوتا تھا۔

اس زمانے میں بے شمار اشخاص اپنے احباب کے اقطاعات جانبین کی رضامندی

سے خرید کرتے تھے اسی طرح شہر میں ایک ثلث اُن کو دیا جاتا تھا
اصل مالکوں کو نصف مسلم وصول ہوتا تھا اور خریداران اقطاع کو بھی کامل نفع اسی طور پر حاصل ہوتا تھا۔ اس طرح بے شمار افراد اس عہد میں دولتمند ہو گئے۔

مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ نے تمام بلاد و ممالک کا محصول تمام خلقت پر تقسیم کر دیا تھا، چنانچہ خان جہاں وزیر کو علاوہ سپاہ و احباب و اولاد کی تنخواہ کے تیرہ لاکھ تنگے سالانہ عطا ہوتے تھے۔ جس کے معاوضے میں ان کو مقطع دیے گئے عطا ہوئے تھے۔

اسی طرح بادشاہ نے ہر امیر کو اس کی حیثیت کے موافق عطیات شاہانہ سے سرفراز فرمایا تھا اور بعض اُمرا کو آٹھ اور بعض کو چھ اور بعض کو چار لاکھ تنگے سالانہ عطا ہوتے تھے۔

غرض کہ سلطان فیروز شاہ نے اس طریقے پر عمل کیا اور تمام خانان و ملوک فیروز شاہی بے حد دولت مند ہو گئے۔ اُمرا نے بے شمار مال و زر و جواہر و الماس جمع کر لیے۔

ملک شاہین شحنہ نے، جو بارگاہ شاہی میں نائب امیر خاص تھا، وفات پائی اور اُس کے متروکات کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس امیر کے خزانے میں علاوہ دیگر اسباب و نفائس و بے شمار جواہرات کے مبلغ پچاس لاکھ تنگے نقد موجود ہیں۔

اس کے علاوہ عماد الملک بشیر سلطانی کے مال و اسباب و متروکات کا حال ناظرین کو معلوم ہے۔ چنانچہ اس کے مال و دولت کا مفصل حال اس کتاب کے حصہ پنجم کے بیان میں آئے گا۔

اس کے علاوہ چونکہ فیروز شاہ نے رعایا کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا اور اپنے بر و احسان سے اُن کو زیر بار منت کیا، اس لئے تمام مخلوق بادشاہ کی جان نثار ہو گئی۔ اور ہر خاص و عام بادشاہ کا کلمہ پڑھنے لگا۔

ساتواں باب

فیروز شاہی حشم و لشکر کا تفصیلی بیان

فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں علاوہ بندگانِ بادشاہی کے اسی ہزار سوار ملازم تھے اور یہ تمام جرار و نامدار سوار و پہلوان سال تمام تک بادشاہ کے ملاحظے میں پیش ہو جاتے تھے یہ البتہ ہوتا تھا کہ زیادہ تر اسپ کم قیمت کی کیفیت دیوان عرض میں پیش کی جاتی تھی، اور اس کی بابت اصلاح کی ہدایت بھی ہوتی تھی۔

اکثر اوقات اس قسم کی خبریں بادشاہ تک پہنچتی تھیں لیکن فیروز شاہ ان شکایات پر توجہ نہ کرتا تھا۔

جب سال تمام ہو جاتا تھا اور اکثر سواروں کے گھوڑے بیکار رہ جاتے تھے۔ اس وقت دیوان عرض کے عمال بادشاہ سے عرض کرتے تھے کہ باوجودیکہ سال ختم ہو گیا ہے، لیکن اس قدر بیکار و معطل گھوڑے باقی ہیں۔

اس موقع پر بادشاہ ارشاد فرماتا تھا کہ جمعہ کے روز ان کو نشست اختیار کریں۔

یہ مدت بھی تمام ہو جاتی اور اس پر بھی بعض جانور بیکار باقی رہ جاتے اور جب یہ کیفیت بادشاہ سے عرض کی جاتی کہ جمعہ کے معاوضے میں بھی یہ سوار لنگ ہی رہے اور باوجود اس کے بھی گھوڑے اسی حالت پر ہیں تو بادشاہ یہ حکم صادر فرماتا کہ سواروں کو دو ماہ کی مہلت دی جائے۔

یہ زمانہ بھی تمام ہو جاتا اور عُمّال بادشاہ سے عرض کرتے کہ دو ماہ کی مہلت بھی ختم ہو گئی اور سواروں کے گھوڑے دیوان عرض میں ملاحظے کے لئے انہیں پیش ہوئے۔

اس زمانے میں ملک رضی جو ابل دل امیر تھا، نائب عارض ممالک تھا اور حشم لشکر کی بخوبی نگہداشت کرتا تھا۔

یہ امیر بادشاہ سے عرض کرتا کہ جن سواروں نے اپنے گھوڑے دیوان عرض میں نہیں پیش

کیئے ہیں:- ان میں سے اکثر افراد ایسے ہیں جنھوں نے اپنے احباب کو اطلاعات لانے کے لئے اقطاعات میں روانہ کیا ہے' اس لئے صاحبان خیل جب اس مصلحت سے فارغ ہوں گے' اُس وقت جانوروں کو شہر میں واپس لائیں گے۔

یہ افراد اس انتظار میں تھے کہ سال تمام ہو گیا اور یہ افراد دشواری و مشکل میں گرفتار ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ اس گروہ میں اکثر وہی اشخاص ہیں جن کے جانور مقطعہ جات کو روانہ کر دیئے گئے ہیں۔

بادشاہ یہ تقریر سُن کر بے حد خوش ہوتا اور فرماتا کہ اگر کوئی شخص اپنے سرگروہ کی مصلحت کی بنا پر کام کرے اور اُس کی عدم موجودگی میں سال تمام ہو جائے اور وہ بھی عرض میں نہ حاضر ہو اور اُس کا گھوڑا پیش نہ ہو سکے تو ایسا شخص مجبور ہے اگر ہم ایسے افراد کو رد کر دیں گے تو ان کی حالت زار ہو جائے گی۔ اور ان کے گھروں میں ماتم برپا ہو جائے گا۔

اس موقع پر بادشاہ یہ حکم دیتا کہ ان سواروں کے سرگروہ پر تاکید کی جائے کہ جو سوار کسی مصلحت کی وجہ سے مقطعہ جات کو روانہ ہوا ہے وہ شخص دیوان مقطعہ میں عرض کا اہم ادا کرے اور گھوڑا یا تو سپرد کرے اور یا اس مقام پر چھوڑ دے تاکہ جن غریبوں کے گھوڑے موجود نہیں ہیں اُن کو کسی قسم کا تعلق نہ باقی رہے۔

سبحان اللہ فیروز شاہ اپنی رعایا پر کس درجہ شفیق و مہربان تھا کہ مادر و پدر بھی اپنے فرزندوں پر ایسے شفیق نہ ہوں گے۔

بادشاہ کی مہربانی کا یہ عالم تھا کہ اس مدتِ چہل سالہ میں کوئی فرد بھی دیوان عرض میں ایسا نہ رہا جس کا گھوڑا مقابلے کے لئے پیش نہ ہوا ہو

فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ سال تمام ہو گیا اور ایک ملازم درگاہ سے دیوان عرض میں جانور نہ پیش کر سکا۔

اتفاق سے یہ شخص اُس روز محل کے اندر خدمت نوبتی پر مامور تھا۔

یہ شخص نہایت ملول و غمگین بنا تھا اور آہ سرد بھر کر اپنے ایک دوست سے اپنے غم کی داستان بیان کر رہا تھا۔

بادشاہ نے بھی اس شخص کی گفتگو سُنی اور اُس کو اپنے حضور میں طلب کر کے اُس سے حقیقت حال

کو دریافت کیا ان اشخاص نے اصل حقیقت کو بادشاہ سے مخفی رکھنا چاہا لیکن فیروز شاہ نے بجد اصرار کیا اور فرمایا کہ تم دونوں میں کیا گفتگو ہو رہی تھی۔

جس ملازم کا جانور پیش نہ ہوا تھا اُس نے اپنا حال بادشاہ سے عرض کیا اور کہا کہ میں نے جانور دیوان عرض میں پیش نہیں کیا اور اس میں جو اخراجات درکار ہیں ان پر میں قادر نہیں ہوں۔

بادشاہ نے دریافت فرمایا کہ اس رسم کو ادا کرنے میں کس قدر رقم کی ضرورت ہے اور اُس نے جواب دیا کہ ایک تنگہ زر درکار ہے۔

بادشاہ نے ملک خریطہ دار کو حکم دیا کہ اس شخص کو ایک اشرفی عطا کی جائے۔

سوار اشرفی لے کر دیوان عرض میں حاضر ہوا اور عمال سررشتہ کو رقم دے کر قانونی گرفت سے نجات حاصل کی۔ یہ ملازم واپس آیا اور بادشاہ نے اس سے دریافت کیا کہ تیری تمنا پوری ہو گئی اور اُس شخص نے عرض کیا کہ خداوند عالم کی عنایت و مہربانی سے میں کامیاب ہو گیا اور بادشاہ نے اُس وقت فرمایا کہ الحمد للہ۔

اس حکایات کے معرض تحریر میں لانے سے غرض یہ ہے کہ فیروز شاہ معاملات ملکی میں خدمت شریعت کے مطابق رعایا پر شفقت و نوازش کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔

آٹھواں باب

عماد الملک کے بیٹے کا شاخسانہ

نقل ہے کہ ملک اسحاق نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے بوڑھے ماتحتوں کے حال سے بادشاہ کو آگاہ کیا اور عرض کیا کہ میرے لشکر میں بوڑھے سوار ملازمت میں آ نہیں سکتے ان کے بجائے جوانوں کو مقرر کیا جائے۔

اس زمانے میں عماد الملک بیر ضعیف ہو چکا تھا اور اس کے بجائے اُس کا پسر ملک اسحاق دیوان عرض کے فرائض انجام دیتا تھا۔

فیروز شاہ نے ملک اسحاق سے فرمایا کہ تو نے جو کچھ کہا واجباً درست و صحیح ہے اور

مناسب یہی ہے کہ جو شاہی ملازم بوڑھے ہو گئے ہیں اُن کو رخصت کیا جائے اور ان کے بجائے ان کے فرزند و اعزہ یا کوئی شخص غیر نوکر رکھا جائے۔

اس میں تو شبہ نہیں کہ ہر صورت میں ان پیران کہن سال کو ذلت نصیب ہو گی لیکن تیرا پدر بشیر ابھی اب ضعیف اور بوڑھا ہو چکا ہے سب سے پیشتر اپنے کہن سال باپ کو اس کے عہدے سے برطرف کر اُس کے بعد میں دیگر ضعیف و کہن سال اشخاص کو برطرف کروں گا۔

بادشاہ کے اس جواب سے ملک اسحٰق خاموش ہو گیا۔

فیروز شاہ نے خدا کے فضل و کرم سے اس موقع پر بھی اپنی نیک فطرتی کا ثبوت دیا اور فرمایا کہ اگر ان ملازمین کہن سال کو جواب عاجز و لاچار ہو گئے ہیں برطرف کر دوں گا اور ان کے بجائے اُن کے اعزہ یا اغیار کو مقرر کروں گا تو یہ پیران مسکین تباہ و برباد ہو جائیں گے اور پیرانہ سالی میں ان کو بے حد دقت پیش آئے گی اس لئے ان پیرانِ کہنِ سال کی ملازمت میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے۔

بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر ان برطرف سواروں کے بجائے اُن کے فرزند مقرر کیے جائیں یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانے میں فرزند اکثر و بیشتر ناخلف ہوتے ہیں اوّل تو ضعف پیری کی وجہ سے ان کہن سال ملازمین کے قلوب افسردہ ہو رہے ہیں اس پر اگر ان کو ملازمت سے برطرف بھی کیا جائے گا اور ان کے بجائے ان کے ناخلف فرزند مقرر کیے جائیں گے تو وہ ان غریبوں کو اور زیادہ ذلیل و خوار کریں گے اور اُن کے فرزند ناخلف اُن کی اطاعت نہ کریں گے تو ان غریبوں کے قلوب اور زیادہ شکستہ ہوں گے تو جا اور میرا فرمان لوگوں تک پہنچا دے کہ جو سوار پیر و معمر ہو گئے ہیں ان کے بجائے ان کے فرزند سواری کریں اور جن اشخاص کے فرزند نہ ہوں اُن کے بجائے اُن کے داماد بطور وکیل خدمات کو انجام دیں تاکہ تمام پیرانِ کہن سال اپنے مکان میں مطمئن بیٹھیں اور جوان باقوت ہمرکاب رہیں۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اے اسحاق اس طرح کا معروضہ پیش کر اس لئے کہ پروردگار عالم جو رب العالمین ہے پیری کی وجہ سے اپنے بندوں کو رزق سے محروم نہیں کرتا میں جو مخلوق و بندہ ہوں کس طرح کہن سال اشخاص کو اُن کے رزق سے محروم کر دوں۔

مختصر یہ کہ بادشاہ دین دار کی ذات سے جو ملک صفات تھا امور ملکی میں جو فعل بھی

صادر ہوتا تھا اُس کی نوعیت یہی ہوتی تھی اور بادشاہ کا ہر فعل اور اُس کا ہر قول اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ تاریخ میں بطور یادگار درج کیے جائیں۔

ہر چند یہ مورّخ ارادہ کرتا ہے کہ فیروز شاہ کے ذاتی خصائل و عادات کے تذکرہ کو طول نہ دے لیکن اس بادشاہ کے افعال اس قدر پسندیدہ ہیں کہ اُن کا ذکر خیر تمام نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ ملک اسحاق نے بادشاہ کی تقریر سُنی اور فیروز شاہ کے فرمان سے تمام عمال ذمحکمہ جات کو اطلاع دی۔

نواں باب ۹

سنگین مناروں کی تعمیر

نقل ہے کہ سلطان فیروز شاہ دہلی میں مقیم ہوا اور بادشاہ نے دہلی کے نواح سیر و تفریح شروع کی اور قرب وجوار کے دشمن ومخالفین کو پامال کرنا شروع کیا۔ بادشاہ کے عہد سے پیشتر دہلی میں دو سنگین منارے تھے ایک منار سالورہ وخضرآباد کے نواح کے موضع نویرہ میں دامن کوہ میں واقع تھا اور دوسرا منارہ قصبۂ میرٹھ میں واقع تھا۔

یہ دونوں منارے پنڈوؤں کے عہد حکومت سے انہی مقامات پر واقع تھے اور دہلی کے کسی فرماں روا کو یہ سعادت میسر نہ ہوئی کہ ان مناروں کو شہر دہلی میں منتقل کرے۔

فیروز شاہ نے جو توفیق یافتہ بھی تھا اس امر میں بے حد کوشش کی اور دونوں منارے دہلی میں نصب کیے۔ ایک منارہ کوشک فیروز آباد کے اندر جمعہ مسجد کے متصل نصب کیا گیا اور منارہ اُس کے نام سے موسوم ہوا۔ دوسرا منارہ کوشک حصار میں لایا گیا۔

مختصر یہ کہ معتبر راویوں نے مورّخ عفیف سے یہ روایت کی کہ یہ منارے بھیم نے تیار کیے تھے جو بے حد دراز قامت تھا اور نیز یہ کہ زور و قوت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ یہ راجہ تمام پہلوانانِ عالم سے زور و کشتی کرتا تھا۔ اہل ہند کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ

بھیم مذکور روزانہ تیرہ من طعام کھاتا تھا اور اپنے زمانے کا ایسا گرز ور پہلوان تھا کہ کوئی مرد اس سے مقابلہ نہ کرسکتا تھا اور اس درجہ دلاور تھا کہ اگر ہاتھی کو نیزہ میں لے کر پھینکتا تو جانور مشرق سے مغرب میں جا کر گرتا تھا۔

اس زمانے میں تمام ہندوستان میں غیر مسلم آباد تھے اور باہم دگر جنگ و جدال میں مشغول رہتے تھے۔ بھیم کے پانچ بھائی تھے اور یہ شخص اپنے تمام بھائیوں میں چھوٹا تھا اور اکثر اوقات اپنے بھائیوں کے مویشی چراتا تھا اور یہ دو منارے اس کی چوب دست تھے جن کو ہاتھ میں لے کر بکریوں کو چراتا تھا۔

اسی زمانے میں خدا کی قدرت سے مویشیوں کا قد بھی اسی زمانے کے بنی آدم کے قد وقامت کے مناسب و موزوں ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ یہ اشخاص بیشتر اوقات دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔

بھیم نے اس عالم سے رحلت کی اور یہ دو منارے بطور اپنی یادگار کے ان دو مقامات پر چھوڑے۔

اسی زمانے کے ہندوؤں نے باہم اتفاق کیا اور ان مناروں کی ان مقامات پر حفاظت کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں آدمیوں کا قد بھی بے حد دراز ہوتا تھا چنانچہ عہد قدیم کے انسانوں کی درازیٔ قد کے واقعات تمام معتبر اخبار وسیر میں مرقوم ہیں۔

مختصر یہ کہ پروردگارِ عالم نے یہ عنایت ہمارے پیغمبر و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی کہ آپ کی امت کو کوتاہ قد پیدا فرمایا پروردگارِ عالم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سات عنایات فرمائیں اور آپ کو سات بشارتیں دیں۔

ان بشارات میں ایک یہ ہے کہ اے محمدؐ کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے تمہاری امت کو خاتم الامم کیوں قرار دیا ہے یہ اس لئے ہے تاکہ تیری امت کے افراد زیادہ زمانے تک قبر میں نہ رہیں۔

دوسرے یہ کہ میں نے تمہاری امت کو زیادہ قوت نہیں دی ہے اور یہ اس لئے کہ یہ اپنی قوت پر غرور نہ کریں اور میری نافرمانی نہ کرسکیں۔

(۳) تمہاری امت کے قد کوتاہ خلق کئے تاکہ جامہ و طعام کے زیادہ محتاج نہ ہوں اور

ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے میں مجھ سے دور نہ ہو جائیں۔

پروردگار تو نے اپنے لطف و کرم سے ہم کو مسلمان پیدا فرمایا ہے تو مسلمانوں ہی کے درمیان ہمارا حشر کر۔

مختصر یہ کہ بھیم نے یہ دو منارے سنگین اپنی دست کاری و قوت سے تیار کیے تھے۔

فیروز شاہ نے ان مقامات کی سیر کی اور دونوں مناروں کو ملاحظہ کر کے ان کو شہر دہلی میں منتقل کیا اور بے حد سعی و مشقت کے ساتھ شہر میں لاکر فیروز آباد اور کوشک حصار میں نصب کیا۔

ان مناروں کے زمین سے کھودنے کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ فیروز شاہ نے ساپورہ اور خضر آباد کا سفر کیا اور ایک شکار کے عقب میں گھوڑا دوڑایا۔

بادشاہ خضر آباد میں جو دہلی سے نو کوس کے فاصلے پر آباد ہے پہنچا اور کوہ بابیہ کی جانب موضع نویرہ میں ایک منارہ سنگین ملاحظہ کیا۔

بادشاہ کے دل میں یہ آیا کہ اگر یہ منارۂ عجیب دہلی میں لایا جائے تو یقیناً ایک عجیب و غریب یادگار دنیا میں باقی رہ جائے گی۔

بادشاہ نے بے حد غور و فکر کے بعد ان مناروں کو بیخ سے نیچے نکالنے کا ارادہ کیا اور جس قدر قریات و قصبات کہ اس مشہور منارہ کے جوار میں واقع تھے اُن کے اور دوآب وغیرہ دوآب کے تمام مقامات کے باشندوں کو جمع کیا۔

فیروز شاہ نے احرار و غلام و نیز سوار و پیادے بے شمار فراہم کیے اور طرح طرح کے اسباب و مختلف اقسام کے آلات جمع کیے

بادشاہ نے درخت سُنبل کی چھال کے رسّے تیار کرائے اور اسی درخت کے تختے تیار کیے گئے اور یہ تمام رسے اور تختے منارہ کے تکیہ گاہ پر باندھے گئے۔

یہ احتیاط اس لئے کی گئی کہ چونکہ منارہ پتھر کا ہے ایسا نہ کہ خم ہونے سے ٹوٹ جائے اور زمین پر گر پڑے۔

مختصر یہ کہ منارہ بیخ تک کھودا گیا اور منارہ خم کھا کر تختوں اور رسّوں پر آگیا چنانچہ چند روز کے بعد منارہ زمین پر گرا اور خدا کے فضل و کرم سے یہ اہم طے ہوئی

منارہ کی بیخ پر غور کیا گیا اور معلوم ہوا کہ یہ عجیب و غریب شے ایک ایک سنگ بزرگ چہار گوشہ پر قائم ہے اور یہ منارہ بجائے ایک ستون کے زمین کے اندر سے بلند اور اسی سنگ پر واقع ہے۔

سنگ چہار گوشہ بھی زمین سے نکالا گیا۔

اس کے بعد بیالیس ۴۲ پہیوں کی ایک گاڑی بنائی گئی اور گاڑی کے ہر پہیہ میں رسیاں لپیٹی گئیں اور ہزار انسان اس ستون کے اُٹھانے میں لگائے گئے۔

آخر کار بے حد مشقت و محنت کے بعد ستون گاڑی پر رکھا گیا اور گاڑی کے ہر پایہ پر دس من کی ایک رسی باندھی گئی اور ہر رسی کو کھینچنے کے لئے دو سو مزدور مقرر کیے گئے۔

اس کے بعد گاڑی چلی اور بے حد مشقت و محنت کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے لائی گئی۔ بادشاہ نے دریا میں تمام کشتیاں جمع کیں۔

واضح ہو کہ اُس زمانے میں دریائے جمنا میں بزرگ و وسیع بجروں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا اور بعض کشتیاں اتنی بڑی تھیں کہ اُس میں سات ہزار و پانچ ہزار من غلہ آ جا سکتا تھا۔

چھوٹی سے چھوٹی کشتی بھی اتنی وسعت رکھتی تھی کہ اُس میں دو ہزار من غلہ آسانی کے ساتھ آ جاتا تھا۔ الغرض یہ کشتیاں جمع کی گئیں اور منارہ بے حد محنت و حکمت کے ساتھ کشتیوں پر رکھا گیا اور دریائی راہ طے کر کے یہ عجیب و غریب ستون کوشک فیروز آباد میں لایا گیا۔

اس زمانہ میں خاکسار مؤلف کا سن بارہ سال کا تھا۔

غرض کہ منارہ دربار فیروز آباد کے اندر لایا گیا اور جمعہ مسجد کے متصل ایک عمارت کی تعمیر کا آغاز ہوا اس عمارت کو ماہر و بہترین کاریگروں نے سنگ کہرسل اور چونہ سے تیار کیا۔

عمارت کی ہر پوشش پر بادشاہ کی حکمت و تدابیر سے منارہ کو اوپر چڑھاتے تھے اور اُس کے بعد دوسرے پوشش کی ابتدا کرتے تھے۔

غرضیکہ اس طرح منارۂ مذکور ہر پوشش پر بلند ہوتا گیا اور اب وقت آیا کہ منارہ سیدھا کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے دس من کی متعدد رسیاں تیار کی گئیں اور عمارت یعنی چبوترہ کی ہر پوشش پر لکڑی کے چرخ باندھے گئے۔

اس کا ایک سرا منارہ کے سرے پر باندھا گیا اور دوسرا چرخ سے باندھا گیا۔

ہزارہا آدمی چرخ پر زور کرتے اور اُس کو چلاتے تھے اور مزدوروں کی بے انتہا کوشش و قوت سے منارہ نصف گز بلند ہونے لگا۔

منارہ کے نصف گز بلند ہونے کے بعد ستون کے گرد چوب بزرگ سینبل کے تختے بجائے تکیہ کے رکھے گئے تاکہ منارہ چبوترہ پر نہ گر سکے۔

غرض اس طرح چند روز کوشش کی گئی اور بادشاہ کی نیت صادق اور خدا کے فضل و کرم سے منارہ راست و ہموار ہو گیا۔

منارہ کے گرد سر سے پاؤں تک بے شمار تختے لکڑیوں کے بندھے تھے تاکہ منارہ ان تختوں پر قائم رہے اور کسی مقام سے خم نہ ہونے پائے۔

غرض کہ بادشاہ نے اپنی حکمت و تدبیر سے ایسا سنگین و بلند منارہ تیر کی طرح راست و ہموار بلند و بالا کر دیا جس کو دیکھ کر انسان کی عقل دنگ ہو جاتی ہے۔

یہ منارہ ایسا راست و ہموار بلند ہوا کہ کسی مقام پر ذرہ برابر بھی خم نہ آیا۔

سنگ چہار گوشہ منارہ کو ہموار کرتے وقت زمین میں گاڑ دیا گیا اور منارہ اسی پتھر پر قائم کیا گیا۔

غرضکہ منارہ چند روز میں استادہ ہو گیا اور اُسی کے سرے پر سنگ سیاہ و سپید لگائے گئے اور سنگ سیاہ کے اوپر ایک قبہ مسی جس پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا بطور کلس کے نصب کیا گیا۔

منارہ مذکور تیس گز بلند تھا آٹھ گز چبوترہ کے اندر ہے اور جو بیس گز بلند و بالا ہے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس منارہ کو اُس کے اصل مقام پر کس شخص نے کس تدبیر سے نصب کیا تھا۔

منارہ کے پاس چند سطریں ہندی میں چاندی سے کندہ کی گئی ہیں۔

فیروز شاہ نے بے شمار ہندی افراد کو جمع کیا تاکہ ان سطور کا مطلب حل ہو اور یہ پڑھی جائیں لیکن کوئی شخص اُس کے سمجھنے میں کامیاب نہ ہوا۔

ایک روایت یہ ہے کہ بعض اہل ہنود نے اُن سطروں کو پڑھ لیا اور منارہ پر یہ مرقوم تھا کہ اس منارہ کو کوئی مسلم و غیر مسلم فرماں روا مدت دراز تک اس کے مقام سے منتقل نہ کر سکے گا، لیکن آخر زمانہ میں ایک مشہور فرماں روا فیروز شاہ نام پیدا ہو گا جو اس منارہ کو اس مقام سے

علیحدہ کر دے گا

غرض کہ یہ امر بادشاہ کی خوش عقیدگی کا ثمرہ تھا کہ توفیق الٰہی سے وہ ہر ایسی آرزو اور خواہش میں کامیاب ہوتا تھا۔

منارہ دوم کا جو کوشک شکار میں نصب کیا گیا افسانہ یہ ہے کہ یہ مینارہ میان دوآب حوالیٔ قصبۂ میرٹھ میں واقع تھا۔ منارہ کوشک شکار زریں اس سے قدرے چھوٹا ہے۔

فیروز شاہ نے اس منارہ کو بھی اسی حکمت عملی سے دنیز مختلف حکمتوں اور مشقت سے زمین سے نکال کر کوشک شکار میں نصب کیا۔

غرض کہ بادشاہ نے منارۂ دوم کو کوشک شکار میں نصب کیا اور اس روز فیروز شاہ نے خاص وعام کے لیئے جشن مسرت مقرر کیا۔

شہر کا ہر باشندہ عیش وعشرت کا متوالا تھا اور ہر فرد غم و آلام سے آزاد تھا۔

کوشک شکار میں شربت کے لیئے خم رکھے گئے اور ہر آنے والے کو عام اجازت تھی کہ جس قدر خواہش ہو شربت پیئے اور کسی شخص کو مخالفت کا خوف خطرہ بھی نہ تھا۔

غرض کہ منارہ قائم ہوا اور کوشک تیار کیا گیا اور بادشاہ نے اس مقام پر ایک شہر آباد کیا۔

تمام خانان اور امرائے فیروز شاہی نے اس شہر میں اپنے لئے عمارات تعمیر کرالیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ کا ان مناروں کو اس طرح نصب کرنا بادشاہ کا قابل یادگار کارنامہ ہے جو کسی گوشۂ دل سے فراموش نہیں ہوسکتا۔

یہ سچ ہے کہ ہر اُلوالعزم فرماں روا نے اپنی یادگار زمانہ میں چھوڑی ہے اور اسی طرح اپنی جہاں داری دفراست وسیاست کا ثبوت دیا ہے چنانچہ سلطان شمس الدین التمش نے جامع مسجد دہلی کے گرد ایک منارۂ بزرگ تعمیر کیا جس کا تفصیلی حال خود ناظرین کو بخوبی معلوم ہے۔

غرض کہ اس طرح ہر بزرگ و باقی فرماں روا نے بے شمار یادگاریں ومثالیں چھوڑی ہیں جن سے اُس کا نام نیک تاقیام قیامت روشن و باقی رہے گا مگر یہ دو منارے عجیب جو فیروز شاہ نے نصب کیئے ایسی یادگار ہیں جن کا مثل تاریخ میں موجود نہیں ہے۔

جس زمانے میں کہ امیر تیمور ہندوستان تشریف لائے اور خلائق شہر بادشاہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئی تو امیر مذکور نے چند روز شہر میں قیام فرمایا اور ہر تاجدار کی یادگار کو ملاحظہ کیا۔

صاحبقران نے ان مناروں کو بھی ملاحظہ فرما کر ارشاد کیا کہ خدائے تعالیٰ کی مشیت و حکمت سے ہر تاجدار نے اس دنیا میں اپنی یادگار چھوڑی ہے لیکن ہر فرماں روا کی یادگار استداد زمانہ سے نابید و ضائع ہو گئی ہے اور آج اس کا نام بھی کوئی شخص زبان پر نہیں لاتا لیکن یہ منارے سنگین جو فیروز شاہ نے اپنی یادگار چھوڑے ہیں یہ تا قیام قیامت باقی رہیں گے۔

امیر تیمور نے فرمایا کہ میں نے مختلف ممالک کی سیر کی ہے اور ہر شہر میں مختلف یادگاریں تمام سلاطین روزگار کی دیکھی ہیں لیکن اس طرح کی کوئی شئے میری نظر سے نہیں گزری۔

غرض کہ بادشاہ نے ان مناروں کے تمام تفصیلی حالات و اپنے عہد کے مشہور واقعات وغیرہ نقرہ سے ان مناروں پر کندہ کرائے۔

جبکہ مختلف دور زمانے کے آئیں گے اور ہر قرن میں انسان ان مناروں کو دیکھے گا تو ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ کام انسانی طاقت سے باہر ہے۔

دسواں باب
شکار کے حالات

نقل ہے کہ فیروز شاہ ملکی معاملات میں اسرار سلطنت بہ حسن و خوبی عمل کرتا تھا۔
بادشاہ نے ملکی مصالح کی وجہ سے سیر و سفر سے کنارہ کشی کر لی لیکن بعد کو خیال کیا کہ سلاطین کے سیر و سفر میں خلائق کو آرام و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

بادشاہ نے خیال کیا کہ سلاطین کا بغیر کسی مصلحت ملکی سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

چونکہ فیروز شاہ نے مفسدان گریز پا کی طرف سفر کرنا ترک کر دیا تھا اس لئے شکار کا ایک مشغلہ اختیار فرمایا جس کے ضمن میں بادشاہ مفسدوں اور حریفوں کی تنبیہ و تادیب کر دیتا تھا فیروز شاہ کو شکار کا شوق ایام طفلی سے تھا عہد حکومت میں یہ مشغلہ بھی ملکی مہمات میں سے ایک اہم مشغلہ قرار دیا۔

سلطان محمد تغلق نے بارہا فرمایا کہ ملک نائب امیر حاجب یعنی فیروز شاہ بے حد عاقل و دانا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کو شکار کا بیحد شوق ہے اور اسی مشغلہ میں بے حد مصروف ہے۔

مختصر یہ کہ سلطان محمد تغلق نے بار ہا فیروز شاہ کو نصیحت کی اور کہا کہ شکار پرندے سے گریز کرو اور کنجشک ملک کو شکار کرو۔

مختصر یہ کہ سلطان محمد نے فیروز شاہ کو نصیحت کی لیکن مرحوم سلطان کو معلوم نہ تھا کہ فیروز شاہ ختم الملوک ہے اور اس کے شکار سے بھی بے شمار مسلمانوں کو نفع پہنچے گا۔

بادشاہ جب شکار کے لیے سفر کرتا اور شکار گاہ میں صید افگنی میں مشغول ہوتا تو اس وقت بے حد خوش و بشاش ہوتا اور جو شخص بھی اس وقت اپنی خواہش و آرزو کو پیش کرتا بادشاہ فوراً اس کی حاجت روائی فرما دیتا مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت میں مختلف قسم کے شکار کھیلے اور اس معاملہ میں حد سے زیادہ کوشش کی اور ہر قسم کے جانور فراہم کئے۔

بادشاہ نے چیتے اس قدر جمع کیے جن کا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔

بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں بے شمار شیر شکار کیے اور باز و چرغ و ترمتی و شاہین وغیرہ پرند اس قدر جمع کیے کہ انسان اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا

تمام شکاری درند و پرند بندگان بادشاہی کے سپرد تھے اور ہر جانور پر دو اور تین بندگان شاہی مقرر تھے اور تمام نگہبان جانور و اسپ سوار بادشاہ کے ہم رکاب جاتے تھے۔

بادشاہ شکار کا اس درجہ شایق تھا کہ پینتالیس نشان جو مراتب شکار تھے بادشاہ کے ہمراہ ہوتے تھے اور ایک فراش خانہ ایک دہلیز ایک بارگاہ ایک خواب گاہ اور ایک گنبد سفید جو خاص فیروز شاہ کی یادگار تھا ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

فیروز شاہ شکار کے لیے روانہ ہوتا اور اس کے ہمراہ فوج بھی ہوتی تھی اور نیز تمام خانان و ملوک و شاہزادگان اس فوج کے برابر چلتے تھے۔

اس کے علاوہ پر طاؤس کے دو نیزے جو خاص سلطان تغلق کی ایجاد تھے فوج خاصہ شاہی کے میمنہ و میسرہ میں ہمراہ ہوتے اور نیز میمنہ کے ساتھ میں محافظان درند اور میسرہ میں نگہبان پرند فراہم ہو کر راہ طے کرتے تھے۔

فیروز شاہ کے اصطبل میں گھوڑوں کا ذخیرہ بھی بہت کافی تھا۔

تمام بادشاہی جانور پانچ پائیگاہوں میں باندھے جاتے تھے جن کو پنج محل کہتے تھے۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ پائیگاہ کا مفصل حال بادشاہی کارخانہ جات کے بیان میں ہدیۂ ناظرین ہوگا منجملہ ان پانچ پائیگاہوں کے ایک پائیگاہ شکرہ خانہ میں تھی اور ایک ہزار دو سو گھوڑے

شکروں کے ہمراہ ہوتے تھے اس زمانے میں ملک وپلان امیر شکار تھا اور ملک خضر کو نیابت کی خدمت سپرد تھی۔

بازبدگان دفو جداران شکرہ خانہ علیحدہ چلتے تھے۔

شکرہ خانہ کا ہر کارکن امرائے کبار میں داخل تھا اور شکرے کی پرورش میں ہر امیر بے حد سعی دکوشش کرتا تھا۔

چونکہ فیروز شاہ کو اس مشغلہ میں بے حد انہماک تھا اسی لئے ہر امیر اپنے فرائض کو بے حد مستعدی و مشقت سے انجام دیتا تھا۔ اور اس امر میں کوشاں رہتا تھا کہ بقیہ عمر بھی اسی شغل میں گزر جائے۔

شکار کے وقت صف شکار درست کرنے میں خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔

فیروز شاہی شکارگاہ میں ایسی صف بندی ہوتی تھی کہ سلاطین قدیم میں بہت کم کسی نے ایسی کی ہوگی۔

اگر کسی صاحب جاہ بادشاہ کو صف بندی شکار کا خیال بھی ہوتا تھا تو ایک ہی وقت یہ انتظام ہوتا تھا اور اس کے بعد صف بندی توڑ دی جاتی تھی لیکن سلطان فیروز شاہ سات سات اور آٹھ آٹھ روز اسی قسم کی صف بندی کو قائم رکھتا تھا اور ہر روز اسی صف بندی میں صید افگنی ہوتی تھی۔

چونکہ بادشاہ نے اسی مشغلۂ شکار میں انواع واقسام کے طریق صف بندی سے کام لیا اس لئے یہ مورّخ عفیف ہر صف بندی کا حال جداگانہ معرض تحریر میں لاتا ہے تاکہ صاحبانِ بصیرت کو نصیحت آمیز سبق حاصل ہو جائے۔

یہ سرزمین قطعاً بے آب ہے اور ہر جانب چند کوس تک خرابہ ہی خرابہ ہے۔

اس زمین کا یہ حال ہے کہ سو گز کھودنے کے بعد پانی برآمد ہوتا ہے اور اگر کوئی مسافر راہ بھول کر اس جنگل میں آوارہ ہو جاتا ہے تو بے آبی کی وجہ سے بے حد مضطر و پریشان ہو کر جان کھوتا ہے، اسی لئے کہ پانی صرف دوسری منزل پر دستیاب ہو سکتا ہے۔

گورخر کی خصلت یہ ہے کہ بے آب مقام پر رہتا ہے اور ایک ایسی سرزمین میں سکونت اختیار کرتا ہے جہاں اسّی کوس تک پانی دستیاب نہ ہو اور یہ فاصلہ قطعاً خرابہ ہو۔

اس جانور کا خاصہ ہے کہ جب پیاسا ہوتا ہے تو اسّی کوس زمین طے کر کے پانی کے پاس

آتا ہے اور پانی پی کر پھر اپنے مسکن کو واپس آتا ہے۔
گورخر کا شکار صرف موسم گرما میں کر سکتے ہیں۔
اس جانور کی فطرت یہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں ایک مقام پر مل کر رہتے ہیں۔
یہ جانور گرمی میں تو مِل جُل کر رہتے ہیں لیکن جاڑے و برسات کے موسم میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔
مختصر یہ کہ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ گورخر کا شکار کرے اور لشکر گاہ کو سرستی اور ابہر میں چھوڑ کر خود گورخر کے شکار کے لئے روانہ ہوا۔
فیروز شاہ لشکر گاہ سے سوار ہوا اور ارشاد ہوا کہ جن سواروں کے گھوڑے تیز و تازہ و قوی ہیں وہ ہمراہ رہیں اور ضعیف جانوروں کے سوار بنگاہ میں مقیم رہیں۔
اس کے علاوہ بادشاہ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو بادشاہ کے ہمراہ رہے گا تین شبانہ روز کا ذخیرۂ آب اپنے اور اپنے مرکب کے لئے مہیا و تیار رکھے۔
بادشاہ کے حکم کے مطابق خانان و ملوک نے اونٹوں پر اور بعض افراد نے کہاروں اور گھوڑوں کی پشت پر پانی کا ذخیرہ ہمراہ لیا۔
فیروز شاہ عصر کے وقت شکار گاہ کو روانہ ہوا اور تمام شب تیزی کے ساتھ سفر کرتا رہا اور دن کو ظہر کے وقت گورخر کے جنگل کے قریب پہنچا۔
بادشاہ نے اس مقام پر پندرہ کوس کے گرد شکار کی صفیں درست کیں اور اس کے بعد آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر حلقۂ شکار کو چار کوس کے درمیان محدود کر دیا اور اس طرح بیشمار گورخر صفوں کے اندر آ گئے
بادشاہ نے شب کو اسی مقام پر منزل کی دوسرے روز دوبارہ شکار کو روانہ ہوا اور صبح سے شام تک صید افگنی کر کے مغرب کے وقت فرودگاہ واپس آیا۔
غرض کہ فیروز شاہ نے شب بھر اسی طریق پر بسر کی دوسرے و تیسرے دن دو گھڑی شکار کر کے لشکر گاہ کو واپس آ جاتا۔
اس طرح فیروز شاہ نے ستر کوس کا سفر کر کے گورخر کا شکار کیا اور اس کے بعد لشکر گاہ کو واپس آیا۔
بادشاہ نے اس شکار میں کافی گورخر شکار کیے۔

ہرنی و گور و نیل گائے کے شکار کا بیان

اس قسم کے جانور حوالی بداؤں اور آلہدا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اس لئے کہ یہ جانور زیادہ تر اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں جنگل بھی ہو اور گھاس اور پانی بھی پایا جاتا ہو اور اس قسم کا جنگل دہلی میں نہیں پایا جاتا۔

اس امر کی وجہ یہ ہے کہ فیروز شاہ رعیت پرور فرماں روا تھا اور اس بادشاہ نے ملک کی معموری اور رعیت کی مرفہ حالی میں بے حد سعی و کوشش کی تھی۔

بادشاہ نے پائے تخت کے قرب و جوار کو اس درجہ آباد و معمور کیا کہ دہلی کے نواح میں اس قسم کے جنگلوں کا نام و نشان نہ رہا اور صرف حوالی بداؤں میں ایک جنگل محض شکار کے لئے باقی رہ گیا بلکہ احتمال یہ تھا کہ بادشاہ کی انتہائی توجہ و کوشش کی وجہ سے یہ مقام بھی آباد و معمور ہو جائیگا

بادشاہ ہر سال فیروز آباد سے سیر و شکار کے لئے روانہ ہوتا۔

فیروز شاہ اسی بداؤں کے جنگل میں جو شکار کے لئے مخصوص کر دیا تھا آتا اور بے شمار جانوروں کا شکار کرتا تھا۔

مورخ عفیف ہر وقت بادشاہ کے ہمراہ رہتا تھا۔

فیروز شاہ جلد سے جلد صحرا میں پہنچتا اور ارادہ کرتا کہ شکار کی صف بندی کرے تو ایک روز قبل تمام حشم و لشکر کو حکم صادر ہوتا تھا اور تمام لشکر اسی شب کو طویلہ میں مقیم ہوتا اور رات کو دہل پاس بین بجائی جاتی تھی۔

بادشاہ اسی روز قیام گاہ سے کوچ کرتا اور تمام سوار و پیادے احرار و غلام بادشاہ کے ہمراہ ہوتے اور نیز پائیگاہ بھی بادشاہ کے ساتھ ہوتی۔

فیروز شاہ اُس روز ایک بلند مقام پر ایستادہ ہوتا تھا اور اُسی بلندی کے نیچے سواران لشکر صف بندی کے لئے روانہ کئے جاتے تھے۔

بادشاہی حکم کے مطابق دو نشانات شکار دیا کئے جاتے تھے ایک نشان جانب راست اور دوسرا جانب چپ رہتا تھا دست راست کی جانب ملک نائب باربک سواروں کو صف بندی کے لئے روانہ کرتا تھا اور دوسری طرف ملک عماد الملک یہ خدمت بجا لاتا تھا۔

ان امراء کے عقب میں نشان شکار ہوتے تھے۔ ہر گروہ کے افراد صف بندی

کے لئے تیار ہوتے اور سب سے پیشتر اُسی گروہ کے نیزہ باز روانہ کیئے جاتے تھے اور انکے عقب میں سواران خیل دار چلتے تھے۔

بعض اشخاص نے ازروئے حسد جو انسان کی فطرت کا خاصہ ہے بادشاہ سے عرض کیا کہ عرض لشکر کا اس سے بہتر موقع دوسرا نہیں ہے اس لئے کہ ہر خیل دار کے سوار اس وقت دم ریز گھوڑا دوڑاتے ہیں۔

بادشاہ کو ان اشخاص کی یہ گفتگو بھلی نہ معلوم ہوئی، یہ کلام سُن کر مُنھ پھیر لیا۔

جب تمام سوار میدان کو روانہ کر دیئے جاتے تھے اور دونوں نشان دس کوس کے فاصلے پر نکل جاتے تھے تو بندگان خاص کو صف بندی کا حکم دیا جاتا تھا۔

بندگان خاص میں بھی ہر سو امرا پر ایک بیرق قومی ہوتی تھی اور یہ گروہ بھی شکار کا رُخ کرتا تھا۔

اُمراء کے بعد پائیگاہ شکرہ خانہ کے اسپ روانہ کئے جاتے تھے اور کارخانہ جات نشان کے عمال دکارکن بھی شکارگاہ کا رُخ کرتے تھے۔

آخر میں فیلان شکاری روانہ ہوتے تھے لیکن اگر صف بندی کا دور بڑا ہوتا تھا تو سواران پائیگاہ ہاتھیوں سے پیشتر روانہ کئے جاتے تھے اور اُن کے بعد ہاتھیوں کی باری رہتی تھی۔

مختصر یہ کہ دونوں نشانات اپنی اپنی جگہ پر یکجا ہوتے تھے اور اس مقام پر اس قدر آگ جلائی جاتی تھی کہ دھواں بلند ہوتا تھا اور یہ معلوم ہو جاتا کہ صف بندی مکمل ہو گئی۔

اس وقت بادشاہ حکم دیتا تھا کہ سواران مذکور آہستہ آہستہ حلقہ صف بندی میں داخل ہوں، اور دوسری بار بادشاہی فرمان پہنچتا تھا کہ اس قدر احتیاط کی جائے کہ جانور حلقے کے باہر نہ نکل سکیں۔

سوار حلقہ شکار میں داخل ہوتے تھے اور بادشاہ کا فرمان صادر ہوتا تھا کہ سوار آہستہ آہستہ پیل مال کرتے ہوئے حلقہ شکار میں داخل ہوں اور دوسری بار یہ تاکید ہوتی تھی کہ جانور حلقے کے باہر نہ رہیں، صید افگنی کا دَور چھوٹا ہوتا تھا اور بہرہ کے سوار ایک یا دو صف میں منقسم ہو جاتے تھے اور دو صفوں سے تین صفوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔

یہ قرب طرفین کے سواروں کا اس درجہ بڑھ جاتا تھا کہ حلقہ شکار میں مقابلے کے سوار ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

شب تمام ہونے کے بعد روز روشن ہوتا اور بادشاہ حکم دیتا تھا کہ ہر شخص حلقے کے اندر جس جس مقام پر پہنچ چکا ہے وہیں قیام کرے لیکن شکارگاہ میں کسی جگہ کا تعین نہ ہوتا تھا اور جو شخص کہ جس مقام پر پہنچ جاتا تھا وہیں قیام اختیار کرتا تھا۔

اسی طرح خیلداروں کے خیمے ایک دوسرے سے متصل برپا کئے جاتے تھے اور یہ اتصال ایسا مکمل ہوتا تھا کہ صف بندی کے دور کی طرح خیموں کا ایک دائرہ بن جاتا تھا اس لئے کہ ہر خیل دار کا خیمہ اپنے دوسرے ہم مرتبہ فرد سے متصل نصب کیا جاتا تھا اور اسی طرح صف بندی کا دور جو چار یا پانچ کوس ہوتا تھا اس کے گرد ایک دائرہ خیموں کا بھی بن جاتا تھا۔

خیموں کے دور کے مقابل کٹگھرے باندھے جاتے تھے اور اس طرح صف بندی کے دور کے گرد ایک دور کٹگھروں کا بھی ہوتا تھا۔

سراپچہ کے عقب میں خیلداروں کے قیام گاہ کا انتظام کیا جاتا تھا اور اسی طرح اہل بالالہ بھی اپنے خیل کے متصل قیام کرتے تھے۔

غرض کہ جب صف بندی کا دور مکمل ہو جاتا تھا تو جانوروں کی تلاش کی جاتی تھی، اگر شیر یا ببر یا گرگ وغیرہ جانور حلقے کے اندر ہوتے تو بادشاہ پیشتر ان جانوران موذی کا شکار کرتا اور اس کے بعد دوسرے جانوروں پر توجہ کرتا تھا۔

صف بندی کے زمانے میں دہلیز نہ ہوتی تھی بلکہ بارگاہ و خواب گاہ و گنبد سفید برپا کیا جاتا تھا۔

فیروز شاہ ہر خیل دار کو حکم دیتا کہ اپنے ماتحت افراد سے اپنے حلقے میں ہوشیار رہے اور ان افراد کو سرائے میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس حکم کی بنا پر تمام خیل دار اپنی اپنی چوکی میں ترکش باندھے ہوئے ہوشیار اور بیدار رہتے تھے۔

جب صف بندی کا دور اسی طرح مستحکم ہو جاتا تھا اور ہر قسم کے شکار صف بندی کے حلقہ میں نظر بند ہو جاتے تھے تو بادشاہ ہر روز شکار کے لئے سوار ہوتا تھا اور تقریباً پانچ سو یا چھ سو سوار جن میں شاہزادے اور خانان و ملوک بھی شامل ہوتے تھے بادشاہ کے ہمرکاب ہوتے تھے۔

بادشاہ صف بندی کے حلقہ میں داخل ہو کر شکار کرتا اور اپنے شکار کے عقب میں

تیر پھینکتا اپنے الغ کے مقابل میں جو خیلدار شکار مارتا وہ جانور بطور انعام اُس امیر کو عطا ہوتا تھا۔

فیروز شاہ اس طریقہ سے سات یا آٹھ روز شکار کھیلتا اور خود شکار کے عقب میں گھوڑا دوڑاتا، بادشاہ جب ارادہ کرتا کہ صف بندی توڑ دی جائے اور باقی ماندہ شکار کو گرفتار کریں تو شاہی حکم کے موافق ایک آتشیں تیر صف بندی میں پھینکا جاتا تھا اور ڈھول اور شہنائی بجائی جاتی تھی۔ اس آواز کو سن کر تمام خلائق حلقہ کے اندر آ جاتے اور صف بندی کے اندر جو باقی ماندہ شکار ہوتا اُس کو گرفتار کر لیتے تھے۔

کہار اور کوانی جو سلطانی لشکر میں ملازم تھے شکار پکڑنے کے لئے دوڑتے اور ہر شخص کوئی نہ کوئی جانور گرفتار کر کے لے آتا تھا۔

پہرہ یعنی صف بندی کے زمانے میں اس قدر شکاری گوشت فراہم ہو جاتا تھا کہ کثرت کی وجہ سے خراب و گندہ ہو کر بو پھیل جاتی تھی۔

بعض اشخاص شکاری گوشت میں زیرہ ملا کر شہر دہلی تک لاتے تھے۔

اگر بادشاہ جنگلی بھینسوں کا شکار کرتا اور یہ جانور بہت ہوتے تو شاہی حکم کے مطابق ان کے لئے بھی صف بندی کی جاتی لیکن ان جانوروں کے لئے ایک ہی وقت اس قسم کی صف بندی ہوتی تھی اور جب بادشاہ شکار سے فارغ ہو جاتا تو اسی وقت صف بندی توڑ دی جاتی تھی اس لئے کہ جنگلی بھینسے اپنی بے انتہا قوت و طاقت کی وجہ سے حلقہ صف بندی کے اندر زیادہ قیام نہ کر سکتے تھے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ ہر سال سواری کرتا اور ہر سواری میں اسی قسم کی تین چار صف بندیاں کرتا تھا اور اس کے بعد اپنے بنگاہ کے ہمراہ دہلی کو واپس آ جاتا تھا۔

یہ امر قطعاً صحیح ہے کہ اس قسم کی شاہانہ عزیمت اور تاریخ میں اُس کا اندراج عقلمندوں کے لئے باعث مسرت ہے۔

شیر و ماہی کا شکار

فیروز شاہ کبھی کبھی ہر قسم کے جانوروں کا شکار کرتا تھا اور ہمیشہ بے حد سعی و کوشش کے ساتھ شکار کے لئے سواری کرتا تھا اور ہر وقت شکروں کے اُڑانے اور جانوروں کے شکار کرنے میں مصروف رہتا تھا۔

فیروز شاہ اپنے قصر عزت میں قیام کرتا اور بادشاہ کے حضور میں شکرہ کو باولی دیتے تھے

اور اگر سوار راہ میں ہوتا تو شکرہ بھی جانوروں پر اڑایا جاتا تھا۔

اگر بادشاہ کے سامنے کوئی چارپایہ جانور آجاتا تو اُس جانور پر چیتے اور سیہ گوش بھی چھوڑے جاتے تھے، حالت یہ تھی کہ بارہ ہزار بندگان باہلی بادشاہ کے ہم رکاب ہوتے تھے۔ واضح ہو کہ باہلی اس گروہ کو کہتے ہیں جو ہرن کو پکڑنے کے جال جانوروں پر لاد کر ہمراہ چلتے تھے۔

جب ہرن کسی مقام پر ٹھہر جاتے تھے تو باہلی جال کو زمین پر بچھا کر جانوروں کو پکڑ لیتے بعض بندگان باہلی نرگاؤمیش پر سوار ہوتے تھے اور پہلوانان زور آور بہادران نامدار کے آہنی و فولاد کے پیکان ہاتھ میں لے کر چلتے تھے۔

جب کبھی کہ شیر کسی جنگل میں گرفتار ہوجاتا تھا تو باہلی گروہ تمام و کمال نرگاؤمیش کو یکجا کرتے تھے اور خود اُن کی پیٹھ پر سوار ہو کر چلتے تھے۔

نرگاؤمیش شیر کو دیکھ کر اپنے شاخ باہم دِگر متصل کرتے تھے اور تمام جانور شیر پر نرغہ کر دیتے تھے۔

بندگانِ باہلی جانوروں کی پشت پر شیر کو نیزہ سے زخمی کر کے اُن کا شکار کرتے تھے۔

کبھی کبھی بادشاہ کے حکم سے بڑے بڑے جال شیر پر ڈالے جاتے تھے اور چاروں طرف ہاتھی کھڑے کیئے جاتے تھے۔

ہاتھی پیل مالی کرتے ہوئے جال پر چلتے تھے اور شیر کو دام کے نیچے گرفتار کر لیتے تھے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ فیروز شاہ کے حکم سے ہاتھی شیر پر چھوڑے جاتے تھے اور شیر ہاتھیوں پر حملہ کرتا تھا اور بادشاہ خود شیر کو تیر سے ہلاک کر دیتا تھا۔

اس جانور کے شکار کا مشغلہ اس حد تک پہنچ گیا کہ چند جانور بادشاہ کے دربار کے روبرو باندھے جاتے تھے جن میں سے نصف جانور دربار کے دائیں طرف اور نصف بائیں طرف رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح اگر تلی اور دہندی میں مچھلیاں پائی جاتیں تو بادشاہ جالوں سے مچھلیوں کو پکڑنے کا حکم دیتا۔

شاہی حکم کی تعمیل کی جاتی اور تمام مچھلیاں پکڑ لی جاتی تھیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ سلطان فیروز شاہ نے معاملہ شکار میں اس درجہ کوشش کی کہ اس کی

نظیر شاہانِ سابقہ کے حالات میں نہیں ملتی۔

اسی طرح بادشاہ نے دو آہنی دیگیں تیار کرائی تھیں اور یہ ظروف اس درجہ بڑے تھے کہ ہر دیگ میں سو جانوروں کا گوشت پک سکتا تھا۔

ان دیگوں کے لئے دو چولہے دس پایہ کے تیار کیئے گئے تھے۔ ان چولھوں اور دیگوں کو ایک سو تیس کہار بادشاہ کے ہمراہ سفر میں لے جاتے تھے۔

جب کسی منزل میں بادشاہ کا قیام ہوتا اور شکاری جانوروں کا گوشت جمع ہو جاتا تو یہ گوشت دیگدوبہ میں پکایا جاتا اور خلق اللہ کو تقسیم کیا جاتا۔

غرض کہ بادشاہ دین پناہ نے اپنے عہدِ حکومت میں ہر شے نادرِ روزگار ایجاد کی اور اپنا نیک نام یادگار چھوڑا، بخلاف دیگر شاہانِ گزشتہ کے کہ اُن کے کارنامے اُنہی کے ساتھ ختم ہو گئے اور نام و نشان باقی نہ رہا جن کی شرح و تفصیل عقلاء کے لئے عبرت انگیز سبق ہے۔

گیارھواں باب ۱۱

فیروزشاہ کی تعمیر کردہ عمارات

سلطان فیروزشاہ نے عمارات کی تعمیر میں خاص طور پر توجہ کی۔

دہلی کے کسی سلاطین و بادشاہ نے اس درجہ عمارات کی تعمیر میں اس قدر جدوجہد نہ کی ہوگی جو فیروزشاہ سے ظاہر ہوئی۔

فیروزشاہ کو تعمیر سے اس قدر انہماک تھا کہ اُس نے شہر و حصار و کوشک و بند و بندر و مسجد و مقبرہ، غرضکہ ہر قسم کی بے شمار عمارات تعمیر کرائیں، چنانچہ شہر حصار فیروزہ و فتح آباد کے حالات سے مورخ ناظرین کو مطلع کر چکا ہے۔

اسی طرح بادشاہ نے شہر فیروزہ و فیروزہ آباد ہارنی کھیڑہ و تغلق پور کاسنہ و تغلق پور ملک کوت و شہر جونپور وغیرہ آباد و معمور کیئے۔

بادشاہ نے ہر مقام و ہر شہر میں آرام و آسائش کے لئے مستحکم و مضبوط حصار و قلعہ جات

تعمیر کیئے۔

بادشاہ نے حصار و بلاد کے علاوہ پُر تکلف کوشک بھی تعمیر کیئے، چنانچہ کوشک فیروز آباد و کوشک نزد دلی و کوشک مہندواری و کوشک حصار فیروزہ و کوشک فتح آباد و کوشک جونپور و کوشک شکار و کوشک بند فتح خاں و کوشک ساپورہ و دیگر محلات بادشاہ کی یادگار ہیں۔

اسی طرح بند کے اقسام میں بند فتح خاں و بند مالجہ، جہاں بادشاہ نے آب زمزم بھی ڈالا تھا، اور بند مہپال پور و بند شکر خاں و بند ساپورہ و بند سہپنہ و بند وزیر آباد وغیرہ بھی بے حد مضبوط و مستحکم تیار کرائے۔

ان عمارات کے علاوہ خانقاہیں اور سرائیں مسافروں کے قیام کے لئے تعمیر کی گئیں فیروز شاہ نے بندگان خدا کے آرام کے لئے دہلی میں ایکسو بیس خانقاہیں تعمیر کرائیں۔

بادشاہ نے یہ تجویز فرمایا کہ ہر چہار جانب سے مسافر آئیں اور ان سراؤں میں قیام کریں اور ہر خانقاہ میں تین روز شاہی مہمان رہیں اور اسی طرح ایک سو بیس خانقاہوں میں تین سو ساٹھ روز یعنی تمام سال بطور مہمان قیام کریں۔

سبحان اللہ بادشاہ کی نیک نیتی کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے۔

بادشاہ نے ہر خانقاہ میں متولی و عہدہ دار مقرر فرمائے اور ان خانقاہوں کے اخراجات خزانہ شاہی سے ادا کیئے جاتے تھے۔

غرض کہ فیروز شاہ نے ہر مقام اور ہر موقعہ پر جو عمارتیں تعمیر کرائیں وہ تمام و کمال پختہ تھیں جن میں سوا دروازوں کے چوبینہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں ملک بخاری شحنہ میر عمارت تھا جو کار عمارت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ امیر کو بادشاہ نے چوب زر عطا فرمائی تھی اور عبدالحق عرف جاہر سوندھار کو گرز زریں عطا ہوا تھا۔

فیروز شاہ نے عملہ عمارت کے ہر گروہ میں ایک شحنہ مقرر فرمایا تھا چنانچہ سنگ تراش و چوب تراش و آہنگر اور درودگر آرہ کش و چونہ ریز و راج وغیرہ ہر فرقے میں ایک تیز و چالاک شحنہ متعین تھا۔

مختصر یہ کہ ایسا عظیم الشان عمارت خانہ جو فیروز شاہ کے عہد با برکت میں تیار ہوا۔ کسی اور بادشاہ کے عہد میں تعمیر نہ ہوا تھا اس لئے کہ عمارت خانہ میں لاکھوں تنگے صرف ہوئے بلکہ یہ کہنا

مبالغہ نہ ہوگا کہ بے شمار مال اس میں خرچ کیا گیا۔

عہدِ فیروز شاہی میں مقابر شاہانِ گزشتہ و اولیائے کرام کی مرمت و زینت

بادشاہ نے اپنے عہدِ سعدلت میں شاہانِ گزشتہ و نیز اولیاء و مشائخ کے مقابر کو بھی محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے درست کیا۔

اُس نے تمام سلاطین ماضیہ کی قبروں کی از سرِ نو مرمت کرائی۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کا یہ کارنامہ محض رضائے الٰہی حاصل کرنے اور خود بادشاہ کی نیک نیتی و دیانت داری پر محمول ہو سکتا ہے ورنہ بادشاہانِ عالم اپنی عظمت و جلال کے مقابلے میں شاہان گزشتہ کے حالات بھی سُننا گوارا نہ کرتے تھے، اُن کے مقابر کا خیال و مرمت کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلاطین ماسلف کی قبور اکثر خراب و پست رہتی ہیں اور یہی حال اب ہوا جس کی وجہ سے اُن مقابر کے متعلقین کو پریشانی لاحق ہوئی۔

آئینِ جہاں داری کی یہ مقررہ رسم ہے کہ ہر بادشاہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر ارباب برکات کے لیے چند قریے وقف کرتا ہے اور اُن مواضع کی آمدنی اُنہی اصحاب کے زمرے کے سپرد کرتا ہے تاکہ ان اصحاب برکات کی رحلت کے بعد اُن کی خانقاہوں اور مدارس میں خیر جاری رہے لیکن عہد فیروز شاہی میں یہ تمام قریات و قصبات خراب و برباد ہو گئے تھے؛ اور اہلِ خانقاہ پریشان ہو کر اس درجہ ناامید ہوئے تھے کہ تمام مقابر تیرہ و تار ہو گئے تھے۔

سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و الہام ربانی سے اپنے عہد میں فراست و کیاست سے کام لیا اور اس کار خیر میں بے حد سعی و کوشش کرتا رہا۔

بادشاہ نے تمام سلاطین کے مقابر کی مرمت کرائی اور جس قدر قریات و قصبات کہ اس سے قبل ہر مقبرہ کے لیے مختص تھے اور جو جو خراب و ویران ہو گئے تھے اور جن کی رعایا ہلاک ہو گئی تھی اُن کو از سرِ نو آباد و معمور کیا اور جو مجاور و خدام مقابر منتشر و پریشان ہو گئے ان تمام اصحاب کو جمع کیا اور سلاطین و پیشوایانِ ملت کے مقابر کو آباد کیا۔

بادشاہ نے سلاطین کی طرح مشائخ و علماء کے مقبروں اور خانقاہوں کی بھی مرمت کرائی اور ان مقدس مقامات یعنی سلاطین و مشائخ اہلِ دین کے حظیروں اور مقبروں میں یہ جدت کی کہ ان کے گنبدوں کے دروازوں میں چوب صندل کے تختے لگا کر ہر مقبرہ کو از سرِ نو

آراستہ کیا۔

کیا عجیب بات ہے کہ اس بادشاہ دیندار کے عہد میں زندہ و مردہ کو یکساں نفع پہنچتا رہا۔

عجیب تر امر یہ ہے کہ مہمات ملکی کی وجہ سے کار عمارت کسی وقت بیکار و معطل نہ رہا۔

قاعدہ عام یہ تھا کہ جب کسی عمارت کا آغاز ہوتا تو دیوان وزارت ضروری سامان کی فہرست تیار کرکے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا اور تمام مال عہدہ دار و کارکن عمارت کے سپرد کر دیا جاتا تھا اُس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوتا تھا۔

غرض کہ اس طرح چالیس سالہ عہد فیروز شاہی میں اقسام و انواع کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔

بارھواں باب ۱۲

بیکار امراء کے حالات پر توجہ کرنا

ہر بار بادشاہ کی شکار سے واپسی ملک کے لئے باعث خیر و برکت ہوتی تھی۔

کوتوال ممالک، جو بے حد دلیر و باوقار و نیز صاحب عدل و انصاف امیر تھا اپنے فرائض منصبی کو بیحد ہوشیاری و خبرداری سے انجام دیتا تھا۔

بادشاہ نے کوتوال مذکور کے نام ایک فرمان اس مضمون کا روانہ کیا کہ بیکار افراد شہر میں جس مقام پر ہوں اُن کو اُس کے حضور میں پیش کرے۔

کوتوال شہر محلّہ کے ہر محلہ دار کو اپنے روبرو طلب کرتا اور محلّے کے افراد کے احوال سے آگاہی حاصل کرتا تھا، طبقۂ شرفا میں جو افراد کہ بیکار و بے معاش عسرت و غربت کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے وہ شرم و غیرت کی وجہ سے کسی کو اپنا منہ نہ دکھاتے تھے۔

میر محلّہ اس قسم کے شریف بیکاروں کو کوتوال کے پاس حاضر کرتے اور ملک نیک نام کوتوال ان افراد کے نام و کیفیت و حالات کو قلم بند کر لیتا تھا اور مناسب موقعہ پر ان افراد کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا۔

فیروز شاہ ان افراد میں ہر شخص کو اُس کے بزرگوں کے نام سے شناخت کر لیتا اور کسی نہ کسی شغل و کام میں ان کو لگا دیتا تھا۔

سبحان اللہ بادشاہ کے قلب و دماغ اور اُس کی مردم شناسی کی کیا تعریف کی جائے کہ جس شخص کو بادشاہ نے کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا تھا اور اُس کے حال سے قطعاً لاعلم ہوتا تھا اس کو بھی اُس شخص کے اسلاف کے حالات سے پہچان لیتا تھا۔

اگر بیکار شخص اہل قلم میں ہوتا تو اس کو بادشاہ کارخانہ میں ملازم کرتا تھا اور اگر مقبول کارکن ہوتا تو اُس کو خان جہاں کے سپرد کر دیتا تھا۔

اگر امیدوار عرض کرتا کہ اس کو فلاں امیر کے سپرد کر دیا جائے جو صاحب جاگیر ہے تو بادشاہ اس جاگیردار کے نام فرمان روانہ کرتا اور امیدوار جاگیردار کے پاس بھیج دیا جاتا تھا ایسا اتفاق کم ہوتا تھا کہ کوئی شخص بیکار رہتا اور جس مقام پر کہ یہ بیکار افراد مقرر کیئے جاتے تھے وہاں ان کی جگہ بے حد مضبوط و مستحکم ہوتی تھی۔

سبحان اللہ بادشاہ نے اس قدر افراد کو کام سے لگا دیا تھا۔

بادشاہ نے اس معاملہ میں بارہا فرمایا کہ کارکن افراد بیکاری کے عالم میں بیحد رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور فقر کی وجہ سے سر نہیں اُٹھا سکتے۔

یہ افراد روزانہ دربار کے سامنے بیٹھنے اور اس امر کے دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کون شخص شاہی عتاب میں گرفتار ہوا اور کون معزول اور کون قید کیا گیا۔

بیکار افراد اس انتظار میں نماز صبح کے وقت گھر سے نکلتے تاکہ اگر کوئی شخص معزول و معتوب ہوا ہو اور دوسرا فرد اُس جگہ پر مقرر کیا جائے تو ہم بیکار افراد اس کی کوشش کریں۔

ان کو اپنے مقاصد میں جب ناکامی ہوتی ہے تو دل سے آہ کرتے ہیں اور بے حد مایوس و رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔

فیروز شاہ نے بارہا فرمایا ہے کہ میں نے اس لایعنی تعلق کو ان کے قلوب سے دور کر دیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ جس مقام پر کسی بیکار شخص کا پتہ چلتا تو بادشاہ اُس کو فوراً کسی شغل میں لگا دیتا تھا۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کا یہ فعل کس درجہ قابل تعریف تھا اور اُس کی نیت کیسی خالص و عمدہ تھی، بادشاہ کی ہر نیت خیر پر مبنی تھی اور اُس کے ہر قول و فعل میں طلب آخرت موجود تھی،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ اعمال کا ثمرہ نیت کے مطابق ملتا ہے، چنانچہ اس قول پر بادشاہ نے عمل کیا اور دارین میں نیک ہوا۔

تیرھواں باب ۱۳

کارخانہ جات کی شرح و تفصیل

روایت ہے کہ فیروز شاہ کی سرکار میں چھتیس ۳۶ کارخانے تھے اور بادشاہ کو اسباب کارخانہ جات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔

ہر شاہی کارخانہ میں بے حد نفیس و بیش قیمت چیزیں موجود رہتی تھیں اور ہر کارخانہ کا اسباب حد شمار سے باہر تھا۔ ہر کارخانہ کا تمام اسباب طلائی و نقرئی مرصع تھا۔

ہر سال ہر کارخانہ میں بیشمار رقم خرچ ہوتی تھی، چنانچہ ان چھتیس کارخانوں میں بعض کارخانے رائین تھے اور بعض غیر رائین۔

رائین کارخانوں میں پیل خانہ و پائیگاہ و مطبخ و شراب خانہ و شمع خانہ و شتر خانہ و سگ خانہ و آبدار خانہ وغیرہ داخل تھے۔

ان کارخانوں میں ہر روز بے شمار رقم خرچ ہوتی تھی، چنانچہ رائین کارخانوں میں ہر ماہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنگے خرچ ہوتے تھے۔

اس رقم میں کارخانوں کے اسباب کی قیمت و عمال کارخانہ کی تنخواہ داخل نہیں ہے۔

چنانچہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنگے نقرئی رائین پر خرچ ہوتا تھا۔

کارخانہ جات غیر رائین کا خرچ مقرر نہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کارخانوں میں ہر سال اسباب کی فرمائش ہوتی تھی اور نئے اسباب آتے رہتے تھے۔

جامدار خانہ میں علاوہ بہاری و تابستانی اسباب کے چھ لاکھ تنگے سالانہ نقرئی اسباب کی خرید میں صرف ہوتے تھے۔

محل خانہ میں علاوہ اخراجات سہ ماہی و عمال کی تنخواہ کے اسی ہزار تنگے ہر سال خرچ

ہوتے تھے۔

فراش خانہ میں فرش پر دو لاکھ تنگے صرف ہوتے تھے۔

غرضیکہ فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں اس قسم کی فرمائشات کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر کارخانہ کسی نہ کسی اعلیٰ امیر و خان کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جامدار کارخانہ ملک علی و ملک اسمٰعیل کے سپرد تھا جو میر جامداری میمنہ کے نگران کار بھی تھے۔

پیل خانہ کے افسر ملک شاہین سلطان و شکرہ خانہ کے ملک خضر بہرام اور غسل خانہ و پائیگاہ خاص و رکاب خانہ کے ملک محمد حاجی اور زرادخانہ و سلاح خانہ کے ملک مبارک کبیر سلاحدار خاص و وکیلِ در تھے۔

طشت دار خانہ ہلال خاں اور جواہر خانہ سلطانی الشرق خواجہ جہاں سرور سلطانی کے سپرد تھا، اسی طرح ہر کارخانہ کے منتظم خانان کبار و ملوک نامدار تھے۔

ہر کارخانہ کے اہل تصرف کو بادشاہ خود مقرر کرتا تھا، چنانچہ ملک کمال الدین نورتن خاں جامدار خانہ کا حاکم مختار تھا جو صاحب بند بہیر بھی تھا۔

اسی طرح ہر کارخانہ کے حاکم مختار امیران نامدار تھے جن کا تقرر بادشاہ فرماتا تھا۔

اسی زمانہ میں علم خانہ و رکاب خانہ و بہیل خانہ میسرہ کے عہدہ دار مورخ عفیف کے والد اور چچا تھے جن کے بجائے ان کارخانوں میں مؤرخ نگرانی کی خدمت بجالاتا تھا۔

اس کے علاوہ ان معاملات کے بارے میں بارہا بادشاہ نے فرمایا ہے کہ دنیوی مملکت میں بھی دو گوہر لطیف ہیں جو دوجوہر شریعت کے ساتھ عالم میں موجود ہیں، ایک قسم تو اقطاع و پرگنات و معاملات میں اور دوسرا گوہر کارخانہ جات میں، چنانچہ لکھو کھا روپیہ اقطاعات کا محصول جمع ہوتا ہے اور اسی طرح لکھو کھا روپیئے کارخانہ جات میں جمع ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میرے ایک کارخانہ کا خرچ شہر ملتان کے اخراجات سے کم نہیں ہے۔

بادشاہ نے تمام چھتیس کارخانوں میں عمال و خرچ کرنے والے خود مقرر فرمائے تھے۔

خواجہ ابوالحسن تمام کارخانہ جات کا منتظم و حاکم تھا بادشاہ جو فرمائش کرتا بیشتر خواجہ ابوالحسن کے نام فرمان آتا اور وہ تمام منتظمین کارخانہ جات کو حکم دیتا اور فرمان شاہی کی آن واحد میں تعمیل ہو جاتی تھی۔

اس زمانے میں کارخانہ جات کا محکمہ دیوانی علیحدہ تھا جہاں تمام کارخانہ جات کے

حساب وکتاب کی تنقیح ہوتی تھی۔

اگرچہ کارخانہ جات کے عمّال سے دیوان وزارت میں بھی محاسبہ ہوتا تھا اور جس طرح کہ دیوان وزارت کے عمال اقطاعات کا حساب وکتاب جانچتے تھے، اسی طرح کارخانہ جات کا محاسبہ بھی کرتے تھے۔

ہر شاہی کارخانہ میں بے شمار محاسبہ ہوتا تھا اور اس میں خاص طور پر فراش خانہ و پیل خانہ و عَلم خانہ و پائیگاہ کی تنقیح سختی سے ہوتی تھی۔

ان کارخانہ جات کے افسر سہ ماہی رقم اخراجات حاصل کرتے تھے۔

فیروز شاہ کی پائیگاہ پانچ مقامات سے مخصوص تھی، پائیگاہ بزرگ سہروان وسلطان پور میں تھی اور دوم قبلہ میں، اور سوم دربار شاہی کے اندر جس کو پائیگاہ محل خاص بھی کہتے تھے، چہارم پائیگاہ لشکر خانہ خاص، اور پنجم پائیگاہ بارگیر داران بندگانِ خاص۔

مذکورۂ بالا پانچ پائیگاہوں کے علاوہ کئی ہزار گھوڑے حوالی شہر دہلی میں چرتے تھے جن کو سر پنج بھی کہتے تھے۔

اس کے علاوہ کارخانہ نفر یعنی شتر علٰحدہ تھا اور اس کارخانہ کا عہدہ دار ملک دل شاد تھا جس کو اس زمانے میں دل شاد شحنہ نفر کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔

دل شاد مذکور کو سلطان ابوبکر شاہ نے اپنے عہدِ حکومت میں صفدر خاں کا خطاب اور چتر لعل عطا کیا تھا۔

کارخانہ نفر میں بے شمار شتر موجود تھے جن میں اکثر جانور مختلف مواضع میں چرتے تھے۔

یہ جانور حوالی شق وبلاہن میں چرتے اور یہ تمام مواضع ساربانوں کے وجہ معاش میں عطا کیئے گئے تھے۔

چند جانور شہر میں بھی چرتے تھے۔

بادشاہ کی سواری کا وقت آتا اور تمام جانور شہر میں لائے جاتے تھے، ہر سال اونٹوں کا اضافہ ہوتا تھا اس لئے کہ تمام جاگیردار ہر قسم کی نفیس وبیش قیمت اشیاء بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرتے تھے اور انھیں تحائف میں شتر بھی پیش کیئے جاتے تھے۔

سبحان اللہ کیا بابرکت وعمدہ دور ملک تھا جس میں ہر قسم کی راحت وآرام کا سامان موجود تھا۔

عہد فیروز شاہی کی ایک برکت یہ تھی کہ چالیس سال کامل سخت محاسبہ کسی شخص سے نہ کیا گیا، دیگر محاسبان ملک نے جب دیکھا کہ فیروز شاہ خدا کی توفیق و مدد سے تمام خلائق و رعایا پر احسان و لطف کرتا اور باوجود اس قدر دولت و وسعت سلطنت کے کسی شخص کے گناہ کبیرہ کی بھی باز پرس نہیں کرتا تو یہ عمال بھی رعیت سے نرمی و آسانی سے پیش آتے تھے۔

فیروز شاہ کے عہد میں اگر کسی جاگیر دار سے محاسبہ کیا جاتا تو جس وقت کہ یہ جاگیر دار بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کرتا تو جاگیر دار کو فوراً دیوان وزارت میں حاضر کر لیتے اور اُس کے جمع و خرچ کا اندازہ کرتے اور اس کے بعد اس شخص کو تخت شاہی کے روبرو حاضر کرتے اور جو رقم کہ بقایا ہوتی اُس کی باز پرس کرتے۔

سوال و جواب کے بعد جاگیر دار کو اُس کے وطن روانہ کر دیتے۔

اسی طرح سال تمام پر تمام کارخانہ جات کے محرر دیوان وزارت میں حاضر کئے جاتے تھے اور ان سے محلات وصول کر لیتے تھے اور باقی از قسم نقد و جنس کا حساب نہ کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ چالیس سالہ عہدِ حکومت میں عمال سے سختی کے ساتھ محاسبہ نہیں کیا جاتا تھا۔

اس امر سے بادشاہ بے خبر نہ تھا بلکہ دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرتا تھا۔

غرضیکہ اس عہد بابرکت کے عمال جس عیش و مسرت میں زندگی بسر کرتے تھے اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

خدا کے رحم و کرم سے اُمید ہے کہ جس طرح فیروز شاہ رعیت سے سلوک کرتا اور ان کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے چشم پوشی کرتا تھا اسی طرح خداوند کریم انتظامِ مملکت و اُمورِ سلطنت کے سوال و جواب میں خود بادشاہ سے سخت باز پرس نہ فرمائے گا اور اُس کو اپنے رحم و کرم سے بخش دے گا جس طرح کہ بادشاہ و فرماں روا دنیا میں تمام خلائق کے سردار ہیں اسی طرح آخرت میں اُن کا محاسبہ بھی بے حد سخت ہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دنیا سے رحلت فرمائی تو حسب معمول جس طرح کہ تمام انبیائے کرام بیت المقدس کے اندر دفن ہیں حضرت کو بھی اُسی مقدس مقام کے اندر دفن کرنے کے لئے لے گئے اور ارادہ کیا کہ اندرون بیت المقدس دفن کریں۔

بیت المقدس کے اندر سے صدائے غیب آئی کہ یوسف علیہ السلام کو بیت المقدس کے باہر دفن کرو اس لئے کہ یوسف علیہ السلام علاوہ نبی ہونے کے مصر کے بادشاہ بھی تھے اور

اگرچہ یوسفؑ نے رعایا و مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کیا لیکن بریں ہمہ اُن سے محاسبہ کیا جائے گا چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام بیت المقدس کے باہر دفن کیئے گئے حالانکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اس مقدس مقام کے اندر دفن ہیں۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کس درجہ متقی و فرماں روا تھے؟

روایت ہے کہ مصر میں ہفت سالہ قحط نمودار ہوا جس کی وجہ سے تمام اہل مصر نے بے حد تکلیف اُٹھائی اور کوئی فرد بشر بھی بستر پر آرام سے نہ سویا۔

اس زمانے میں حضرت یوسف علیہ السّلام نے شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھایا اور ایک نوالہ بھی غذا کی طرف خوشی سے ہاتھ نہ لے گئے۔

لوگوں نے سوال کیا کہ آپ شکم سیر ہو کر کیوں نہیں غذا تناول فرماتے حضرت نے جواب دیا کہ اگر شکم سیر ہوں گا تو بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔

اگرچہ حضرت یوسفؑ پیغمبر تھے لیکن بریں ہمہ فرماں روائی کے فرائض ادا فرماتے تھے پھر بھی باوجود حضرت کی اس احتیاط کے حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام انبیاء کے چھ ماہ بعد جنت میں داخل ہوں گے اور یہ زمانہ مقام حساب ہی میں بسر ہوگا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فیروز شاہ اس عالم میں آخرت کے حساب کے خوف سے بید کی طرح لرزتا تھا اس لیئے بندگانِ خدا کے ساتھ نرمی و لطف سے پیش آتا تھا۔

چودھواں باب ۱۴

سکہ ششہ گانی

روایت ہے کہ فیروز شاہ نے بھی اپنے عہدِ حکومت میں مثل دیگر شاہان عظیم الشان کے مختلف اقسام کے روپیہ اور اشرفیاں ایجاد کیں، چنانچہ تنگہ زر و نقرہ میں و نیز سکہ چہل و ہشت گانی و مہر بست و پنج گانی و بست چہار گانی و دوازدہ گانی و دہ گانی و ہشت گانی و

شش گانی دہیر ایک جیتل اس بادشاہ کے مروّجہ سکے ہیں۔

اس ایجاد کے بعد فیروز شاہ نے خیال کیا کہ اگر اہلِ بازار جو مفلس و نادار ہیں کوئی شے خرید کریں اور قیمت ادا کرنے کے بعد نیم جیتل یا ایک دانگ باقی رہ جائے اور ظاہر ہے کہ اس دکان دار کے پاس دانگ کا خردہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر راہ گزر اپنی رقم باقی رکھے تو یہ رقم ضائع ہو جائے گی اور اگر دوکان دار سے طلب کرے تو چونکہ اس قسم کا سکہ موجود نہیں ہے وہ کیونکر ادا کریگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خریدار و دوکان دار میں حجت و تکرار ہوگی۔

فیروز شاہ نے اسی خیال کی بنا پر دہیر نیم جیتل یعنی ادھیہ اور دہیر دانگ جیتل یعنی بکھ بھی ایجاد کی تاکہ فقراء و مساکین کا مقصد حاصل ہو جائے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہی عہد میں دار الضرب مہر شش گانی کجر شاہ کے سپرد تھا اور یہ عہدہ دار اس سکہ کے تیار کرانے میں بے حد سعی و کوشش کرتا تھا۔

عہد فیروز شاہی میں کئی لاکھ تنکے مہر شش گانی کجر شاہ کی نگرانی میں تیار ہوئیں۔

اس زمانہ میں دو ہوشیار و چالاک بندگان شاہی نے تخت شاہی کے روبرو حاضر ہو کر بادشاہ سے عرض کیا کہ مہر شش گانی میں عمال سلطانی نے دو حبہ نقرہ کی کمی کر دی ہے اگر بادشاہ اس کا امتحان فرمائیں تو حق و باطل کی تمیز ہو جائے گی اور ان عہدہ داروں کو ان کے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

فیروز شاہ نے یہ معاملہ وزیر کے سپرد کر دیا، اس زمانے میں خان جہاں زندہ تھا۔ (اس نے ۷۷۲ھ میں رحلت کی ہے)

مختصر یہ کہ اس موقعہ پر وزیر نے عرض کیا کہ سلاطین مہر کی مثال دوشیزہ دختر کی ہے، اگر سوء اتفاق سے یہ دوشیزہ صحیح یا غلط کسی وجہ سے بدنام ہو جاتی ہے تو باوجود حسن و جمال کے کوئی شخص اس کا خریدار نہیں ہوتا اسی طرح اگر سلاطین عالم کی مہر طمع انگیز گفتگو کی وجہ سے صحیح یا غلط کسی سبب سے کم مشہور ہو جائے تو فوراً بدنام ہو کر تمام عالم میں ناقص مشہور ہو جاتی ہے اور پھر کوئی شخص اس کا خواہاں نہیں رہتا۔

وزیر کی یہ گفتگو سن کر بادشاہ نے فرمایا کہ اس معاملہ کی تحقیق کرنی ضروری ہے، کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق و باطل آشکارا ہو جائے۔

وزیر نے عرض کیا کہ اس معاملہ کو مہمل چھوڑنا بھی ہے اور علانیہ اس کا امتحان کرنا بھی نازیبا ہے۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اس راز کو مفصّل بیان کرو تاکہ میرے دل سے شبہ دوٗر ہو جائے۔
وزیر نے عرض کیا کہ مخبروں کو قید کرنا چاہئے اور اس کے بعد خلوت میں بیٹھ کر مہر کا امتحان کرنا چاہیئے۔

مخبر فوراً قید کر دیئے گئے اور دیوان وزارت کے قید خانہ کے سپرد کیئے گئے اور مہرُ کی آزمائش دوسرے روز پر اُٹھا رکھی گئی۔

خان جہاں دربار شاہی سے واپس ہوا اور اس نے کجر شاہ کو طلب کیا' اُس سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ کم مایہ عمّال کو زر کی طمع بہت ہوتی ہے اور اسی طمع میں اُن سے بد دیانتی کا ظہور ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ کارکن فرقہ مال جمع کرنے کی فکر میں رہتا ہے میری اس گفتگو کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دیانت سے معرا ہو لیکن کارکن وعمال سے اس کی تحقیق کرو' اگر مخبر کا بیان صحیح ثابت ہو گا تو میں ایک ایسی تدبیر کروں گا کہ جس سے مخبروں کو مات ہو گی اور شاہی مہر کی خوبی تمام عالم پر ظاہر ہو جائے گی۔

غرضیکہ کجر شاہ' خان جہاں سے رخصت ہو کر اپنے ماتحت کارکن افراد کے پاس آیا اور اُس نے نہایت صداقت کے ساتھ معاملہ کی تحقیق شروع کی۔

غرضیکہ بیحد گفتگو وبحث کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مہر ششگانی میں ایک حبہ نقرہ کی کمی ہے۔
کجر شاہ' خان جہاں کے پاس آیا اور اُس نے تمام واقعہ صحیح طور پر بیان کر دیا۔

خان جہاں نے کہا کہ اس واقعہ کی تحقیق کے لئے زرگروں کا ایک گروہ خلوت میں طلب کیا جائے گا تم جاؤ اور اُن سے مشورہ کر کے ان کو اپنا ہم خیال بناؤ۔

کجر شاہ وزیر کی طرف سے مطمئن ہو کر زرگروں کے پاس آیا اور اُن سے وزیر کی تمام گفتگو بیان کی اور کہا کہ تم کو کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے جس سے واقعہ راست وصحیح ثابت ہو جائے۔

زرگروں نے کہا کہ جب بادشاہ کے حضور میں حاضر کیئے جائیں گے تو برہنہ کر کے ایک لُنگ اور ایک ٹکڑا کپڑے کا پہنا دیا جائے گا اور اس کے بعد ہمارا امتحان ہو گا۔ اگر کسی ترکیب سے چند دانہ نقرہ ہم کو وہاں پہنچ جائیں تو ہم برتنہ میں ڈال دیں گے۔

کجر شاہ نے انگیٹھی بھیجنے والوں کو اپنا ہم راز بنا لیا اور ان سے بھی تمام اسرار بیان کیئے

اس گروہ نے بھی سعی و کوشش کی اور ایک انگیٹھی کو درمیان سے خالی کر کے چند دانہ نقرہ اس میں ڈال دیئے اور انگیٹھی کے دہانے میں موم لگا دیا۔

غرضیکہ دوسرا روز آیا اور بادشاہ مع وزیر کے محل خلوت میں بیٹھا۔

بادشاہ خود پلنگ پر بیٹھا اور وزیر ایک فرش پر بیٹھا اور کجرشاہ مخبروں کے ہمراہ اندر لایا گیا۔

زرگر برہنہ کیئے گئے اور ان کو ایک لنگ باندھ دی گئی اور انگشت فروش انگیٹھیاں لائے اور اُن کے روبرو رکھ دیں۔

زرگروں نے بادشاہی حکم کے مطابق چند مہر ششگانی بوتہ میں ڈال دیئے اور بوتے کو آگ کے اوپر رکھ دیا اور آگ جلائی۔

فیروز شاہ اور وزیر باہم حرف و حکایات میں مشغول ہوئے اور تمام اسرار ملکی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔

زرگروں کے گروہ نے اسی درمیان میں چند دانہ نقرہ جو انگیٹھی میں تھے سلائی سے پکڑ کر بوتہ میں ڈال دیئے۔

اس کے بعد بوتہ آگ پر سے اُتارا گیا اور سرد کیا گیا اور بادشاہ کے روبرو چاندی تولی گئی۔ وزن کے مطابق چاندی برآمد ہوئی اور مخبر دروغ گو ثابت ہوئے۔

فیروز شاہ نے کجرشاہ کو خلعت عطا کر کے اس پر بے حد نوازش و مہربانی فرمائی۔

اس موقعے پر وزیر نے عرض کیا کہ حضرت شاہ کی مہر' ان مخبروں کے بیان کے خلاف امتحان میں پوری اُتری تو اس موقع پر مناسب یہ ہے کہ بادشاہ حکم دیں کہ کجرشاہ کو ہاتھی پر سوار کرا کے گشت کرائیں تاکہ تمام عالم کو معلوم ہو جائے کہ شاہی مہر کامل ہے' اور اُس میں کمی نہیں۔ وزیر کی گذارش پر عمل کیا گیا اور کجرشاہ کو ہاتھی پر سوار کرا کے شہر میں گھمایا گیا۔

بادشاہ نے دروغ گو مخبروں کو جلا وطن کر دیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد وزیر نے کجرشاہ کو بھی اُس کی خدمت سے معزول کر دیا۔ لیکن یہ برطرفی کسی دوسرے حیلہ سے کی گئی۔

یہ سچ ہے کہ جب ایسا عاقل و دانشمند وزیر ہو تو کار ملکی کیوں نہ خوبی و بہتری سے انجام پائے۔ اس واقعہ کو سن کر تمام اشخاص نے وزیر کی بے حد تعریف کی۔

پندرھواں باب ۱۵

خیرات خانہ و شفاخانہ

نقل ہے کہ بادشاہ باخیر و برکت نے مثل دیگر سلاطین عالم کے ناکتخدا غریب لڑکیوں کی تزویج کے لئے دیوان خیرات کھولے تھے جن کے باپ نادار و مفلس تھے اور اس وجہ سے اُن کے دل پریشان و ملول تھے بلکہ اوقات متبرک میں بھی اُن کے دل پریشان رہتے تھے اور ان کو نہ شب کو خواب نصیب تھا اور نہ دن کو آرام، اس بنا پر بادشاہ نے حکم دیا کہ ایسے نادار اشخاص اپنے حالات سے دیوان اخبار کو مطلع کریں۔

دیوان خیرات کے عہدہ داروں میں ایک فرد میر امیر تھا جو بے حد دیانت و امانت سے اس کار خیر کو انجام دیتا تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ دیوان خیرات کے عہدہ دار ایسے اشخاص کی جستجو کریں اور اُن کو رقم خیرات عطا کریں قسم اوّل کی پچاس تنگہ نقرہ اور قسم دوم تیس اور قسم سوم بیس تنگہ خیرات مقرر کی گئی۔

مختصر یہ کہ ایسا ایک خیرات خانہ قائم ہوا اور عہدہ دار اس کے انتظام میں مشغول ہوئے اور نادار مسلمان مستورات کثیر تعداد میں ہر طرف سے آکر اپنی لڑکیوں کے نام درج کرا کے بے شمار اسباب اُن کی تزویج کے لئے حاصل کرنے لگیں۔

غرضیکہ بادشاہ کی عنایت و مہربانی سے ہزاروں لڑکیوں کے کار خیر سے فراغت ہوئی اور حدیث شریف کے مطابق کہ لڑکیاں رزق رسانی کی مستحق ہیں ان کے لئے سامان تزویج ہونے لگا، حقیقت یہ ہے کہ لڑکیاں بھی عجیب مخلوق ہیں جن کی بابت خداوند کریم نے قرآن پاک میں باقیات الصّالحات کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ اور ان کے حق میں احسان کرنے کو کار خیر سے تعبیر فرمایا ہے۔

نیز یہ بھی حدیث شریف میں مروی ہے کہ لڑکیوں کے حق میں احسان کرو اگرچہ وہ احسان خرما کا ایک خوشہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے علاوہ رسولِ کریمؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص دختر ناکتخدا کے نکاح میں ایک کوزہ آب سے بھی امداد دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بے حد ثواب عطا فرمائے گا۔

اور یہ تمام ارشادات محض اس لئے ہیں کہ لڑکیاں بیحد کمزور ہوتی ہیں اور ہمیشہ شکستہ خاطر اور غیر کی محکوم رہتی ہیں۔

اگر دختر آرام سے رہتی ہے تو مادر و پدر مطمئن و شاد رہتے ہیں اور اگر خدانخواستہ دختر کو شوہر کے مکان میں تکلیف ہوتی ہے تو ماں باپ ہمیشہ رنج والم میں گرفتار رہتے ہیں، باوجود ان تمام اقوال کے جناب رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ اگر مجھ کو علیؓ سے بہتر داماد نصیب ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ علیؓ سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کو

جس طرح فیروز شاہ نے دخترانِ ناکتخدا کی تزویج کے لئے دیوان خیرات قائم کیا اُسی طرح ہر بیگانہ و آشنا شہری و مسافر غریب و امیر ہر طبقے کے بیماروں کے لئے شفاخانہ بھی بنیاد کرایا جس کو صحت خانہ بھی کہتے ہیں۔

پروردگارِ عالم نے انسان کی خلقت میں اٹھارہ یا بارہ ہزار امراض کا مادہ پیدا فرمایا ہے اور اسی طرح انسان کی طینت کو مصیبت و آرام کا شکار بنایا ہے۔

ان بارہ یا اٹھارہ ہزار امراض میں چھ ہزار امراض ایسے ہیں کہ نہ اس کا نام اطبائے حاذق کو معلوم ہے اور نہ اُن کی دوا سے باخبر ہیں۔ اور چھ ہزار امراض ایسے ہیں کہ اطبا ان کا نام تو جانتے ہیں لیکن اُن کے علاج سے ناواقف ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے امراض کو انسان کا دشمن بنا کر ان میں جنگ و جدال کی راہ پیدا فرما دی ہے۔

جب انسان پر امراض کا ہجوم ہوتا ہے اور انسانی قلب و دماغ امراض سے مغلوب ہوجاتا ہے تو مریض بیچارہ اکل و شرب سے بھی کنارہ کش ہو کر اس امر کا امیدوار ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ عقل بھی رفاقت کرنے سے پرہیز کرے۔

مریض بیچارہ دو بلاؤں میں گرفتار رہتا ہے ایک تو بیماری کی شدت و تکلیف اور دوسرے افلاس و پریشانی کا ہجوم اور ان دو زخموں کے آثار ہر دم مریض کے قلب پر طاری رہتے ہیں۔

اس لئے مریض بیچارہ مرض کے زمانے میں جب کہ ایک پیسہ اور ایک کوڑی بھی اُس کے

پاس علاج کے لئے باقی نہ رہے نا امید و مایوس ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اُس کے اہل و عیال کے ضروریات زندگی کے لئے زمانہ اُس کو ملامت کرتا ہے اور مشیت الٰہی سے ہر قسم کی ظاہری و باطنی بلائیں مریض کے سامنے آجاتی ہیں تو غریب بیمار اپنی حیات سے بے زار ہو کر یہی کہتا ہے کہ کب موت آتی ہے اور میں اس عذاب سے نجات پاتا ہوں۔

ایسی حالت میں جب کہ بیمار پر مرض و اضطرار دونوں بلاؤں کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ ہر گونہ قابلِ امداد ہو جاتا ہے اور اس کی تشفی و ترغیب کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علم درحقیقت دو ہیں، ایک علم دین اور دوسرا علم بدن۔

سلاطین کرام ہمیشہ بیماروں کے احوال کی پرسش اور اُن کے علاج میں کوشاں رہتے ہیں۔

ہر بادشاہ نے اپنے زمانے میں اپنی فراست سے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ اور اپنی جود و سخا سے مریض کے قلب پر اطمینان و امداد کا پھاہا رکھا ہے۔

ہر شہریار نے اس بارے میں بے حد رحم و کرم سے کام لیا ہے اور اپنا اور بیگانہ ہر شخص کے لئے شفاخانہ قائم کر کے اسباب نعمت عطا کیئے ہیں اور خوشگوار دوائیں مریضوں کو عطا کر کے ان کو مطمئن کیا ہے۔

سقراط و بقراط نے کہا ہے کہ سلاطین کامگار نے ہمیشہ مریضوں کی پرسش کر کے اُن کے لئے شفاخانے قائم کیئے ہیں۔

جمشید نے باوجود اپنی عظمت و شان کے اپنے وزیروں سے بارہا سوال کیا ہے کہ اس جہانداری میں بادشاہوں کے لئے سب سے بہتر کون فعل ہے۔؟

وزیروں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ مریض کے خار رنج کو اس کے دل سے دور کرنا بہترین فعل ہے۔ اور بیماروں کی راحت و آرام کا سامان مہیّا کرنا بے حد ثواب کا موجب ہے اس لئے کہ اس فعل میں بے حد ثواب ہے اور اس عمل کے کرنے میں بے شمار نفع ہیں اور بادشاہوں نے ہمیشہ اس عمل میں انتہا سے زیادہ سعی و کوشش کی ہے۔

فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے بیماروں کی پرسش احوال اور گرفتارانِ مرض و الم کی غمخواری میں پوری سعی و کوشش کی اور اپنی خسروانہ تربیت و رحم و کرم سے

آشنا و بیگانہ ہر فرد کے لئے شفا خانے قائم کئے۔

بادشاہ نے مریضوں کے حال پر توجہ فرما کر شفا خانے قائم کئے اور حاذق طبیب معالجہ کے لئے مقرر کر کے بیماروں کو امیدوار صحت بنایا۔

بادشاہ نے دواؤں کے لئے رقم اور اطبّا کی تنخواہ مقرر کی اور تاکید کی کہ جب کبھی مریض پریشان خاطر ہو کر علاج کے لئے آئیں اور اپنا مرض بیان کریں تو اطبّاء کو چاہیئے کہ اُن کے مرض کی تشخیص کر کے اُن کے معالجے میں جان و دل سے کوشش کریں اور مختلف امراض کا مناسب علاج کر کے مریض کو ایسی دوائیں عطا کریں جن سے اُس کے امراض دور ہوں اور بیمار کا جسم توانا و صحیح ہو کر اُس کی طبیعت میں اعتدال پیدا کرے اور اُس کو صحیح و تندرست بنا دے۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے عمّال کو اس قسم کی شدید تاکید کر کے شفا خانے و صحت خانے عام مخلوق کے لئے قائم کئے اور حاذق طبیب و صادق حکیم و خدام و جرّاح و کحال شفا خانوں میں مقرر فرمائے اور مریضوں کے لئے دواؤں اور غذا اور شربت کے لئے خزانہ سے رقم مقرر فرمائی بادشاہ نے اپنے کرم کا دروازہ کھول دیا اور تمام بیمار و تیماردار ہر چہار جانب سے جمع ہو گئے، اور یہ حال کہ جب کبھی کہ مریض بہ حال سقیم شفا خانہ کی طرف آتے اور اُفتاں و خیزاں ستو جگہ بیٹھتے ہوئے اور ہر مقام پر ٹھہرتے اور سانس لیتے ہوئے شفا خانے کے قریب پہنچ جاتے تو خدّام شفا خانہ اُن کو دیکھتے ہی اُن کے سوال کا جواب دیتے اور اہل اضطرار کا حال سنتے ہی اُن کے ہمدرد بن کر ان کے مرض کی چارہ جوئی کرتے۔

اطبّاء و دیگر خدام مریضوں کے علاج میں پوری سعی و کوشش کرتے اور صحت کے لئے ہر طرح کا سامان مہیّا کر کے اُن کے مرض کا علاج کرتے اور اُن کو صحیح و سالم بنا دیتے تھے۔

اس کے علاوہ حاذق طبیب اور صادق حکیم جو شفا خانہ میں جمع تھے اور جن کو بادشاہ نے اس کام پر مامور کیا تھا اور جو مریضوں کی آمد کے انتظار میں رہتے مریض و بیمار کے پہنچتے ہی ان کی پرسش احوال کرتے اور عقلی و نقلی ہر دلیل سے مریض کے مرض کی تشخیص کر کے اُن کے مزاج کے موافق دوا دیتے۔

اطبّاء شاہی شفا خانہ سے مریضوں کو بہترین دوا شربت و معجون عنایت کرتے اور ایسی توجہ اور خلوص سے علاج کرتے کہ مریض کو فوراً صحت ہو جاتی اور اُس کے تمام اعضاء صحیح و

و تندرست ہو کر بے حد قوی و مضبوط ہو جاتے تھے۔

مریض ناکامی سے نجات پاکر شاد کام ہوتا اور امراض کے مصائب سے نجات پاکر صحت و شادمانی کی لذّت سے بہرہ یاب ہوتا تھا۔

مریض صحیح و تندرست ہو کر خدا کی بارگاہ میں شکر ادا کرتا اور بادشاہ کی درازیٔ عمر کی دُعا مانگتا اور جو بیمار کہ امراض کی وجہ سے تیمم بھی نہ کرسکتا تھا نہایت آسانی کے ساتھ وضو کر کے عبادت کی سعادت حاصل کرتا اور دوگانہ تحیات ادا کر کے خدا کی بارگاہ میں شُکر کرتا اور بادشاہ کی درازیٔ عمر و اقبال کی دعا کرتا۔

یہی وہ مقام ہے جس کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقولہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مؤمن کے قلب میں مسرّت پیدا کرنا بہترین صدقہ ہے جو کہ انسان خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔

بادشاہ نے عامۂ خلایق کی راحت و آرام کے لیۓ دیوان خیرات و شفاخانہ کے لئے قریات و دیہات وقف کردیتے تھے۔

جس طرح کہ بادشاہ نے دیوان خیرات و شفاخانے قائم کیۓ اِسی طرح علماء و فضلاء و حفّاظ و مشائخ کے لئے وظائف مقرر کیۓ اور ان کی تنخواہیں معیّن کیں۔

معتبر اشخاص نے مؤرّخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ مبلغ چھ لاکھ تنگہ تمام ممالک سے بطور وظائف و تنخواہ عطا کیۓ جاتے تھے بلکہ چار ہزار دوسو افراد جو ہمیشہ نادار و مفلس تھے بادشاہ کی سرکار سے تنخواہ پاتے تھے۔

ان کے عہدہ دار مستحق علیحدہ تھے اور فیروزشاہ کے طفیل سے ہر شخص بے حد خوشی اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔

ہر چند مؤرّخ ارادہ کرتا ہے کہ فیروزشاہ کے حالات کو ختم کرے لیکن بادشاہ کے محاسن اور اس کے لُطف و کرم کی داستان اس درجہ طویل ہے کہ مؤرّخ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔

منقول ہے کہ فیروزشاہ مثلِ شاہانِ گزشتہ کے عیدین و شبِ برات و نوروز میں جشن منعقد کرتا اور یہ مجالس بیحد شان و شوکت سے ترتیب دی جاتیں۔

عید کا دن قریب آتا اور قبل اس کے کہ جشن منعقد ہو بادشاہ شب بیداری کرتا بلکہ بارہا

ملک نائب باربک سے متوجہ ہو کر کہتا کہ ابراہیم تو کسی مصرف کا نہیں ہے اگر تو جشن کے انتظام کا آغاز کرتا تو میں اس درجہ خون جگر نہ پیتا۔

خدائیگان مغفور سلطان محمد شاہ کے عہد میں یہ ہوتا کہ شب عید کو بادشاہ مرحوم مجھ سے فرماتے کہ نائب امیر حاجب کل عید ہے اور جیسے ہی بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے میں جشن کی تیاری میں مشغول ہو جاتا تو ایسا نہیں ہے کہ اسباب جشن درست کر سکے اس لئے میں شب بیداری کرتا ہوں۔

مختصر یہ کہ بادشاہ خود جشن کا انتظام کرتا اور تمام اسباب موجود و مہیا فرماتا تھا۔

سولھواں باب ۱۶

جشن عید کے حالات

جب عید کا روز آتا اور کوشک فیروز آباد کے تمام باغوں میں درخت کی پتیاں بیحد خوبصورتی کے ساتھ آویزاں کی جاتی تھیں۔

محل پاشیب میں جس کو عام طور پر محل میانگی کہتے تھے شاہی حکم کے مطابق بارگاہ نصب کی جاتی تھی اس مقام کو بارگاہ بار عام کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اس صحن میں ایک کوشک بار عام کے لئے مخصوص ہوتا تھا اور بادشاہ بار عام کے وقت کوشک میں قیام فرماتا تھا۔

اس کوشک کے جانبین لکڑی کے دو پاشیب تیار کیے جاتے تھے اور ہر قسم کے گدے بچھائے جاتے تھے۔

بعض گدے ابریشم کے ہوتے اور بعض زرینہ کے اور بعض پر نقرئی و زریں کام ہوتا تھا۔

بعض گدے سفید کپڑے کے بنائے جاتے تھے اور بعض موم اور بعض اہل ہناں کے ہوتے تھے۔

محل میانگی کے تمام در و دیوار پر جامہ زرینہ لپیٹے جاتے تھے اور لشکری جامہ خانے تمام صحن بارچہ میں بچھا دیئے جاتے تھے اور ہر قسم کے تر و خشک میوے اس میں رکھے جاتے تھے۔

چاشت کے وقت بادشاہ خود تشریف لاتا اور محل کوشک میں قیام فرماتا تھا اور ملک نائب باربک باہر نکلتا تھا۔

سب سے پیشتر بندگانِ تیغ دار حاضر ہوتے اور اُس کے بعد اکیس چتر میمنہ و میسرہ میں رکھے جاتے تھے جن میں دس چتر بادشاہ کے داہنے اور دس بائیں اور ایک خاص بادشاہ کے سر پر ہوتا تھا۔ تمام چتر ہر قسم کے رنگ سے رنگین کیے جاتے تھے، بعض چتر لال اور بعض سبز اور بعض برنگ گُل لعل اور بعض دو رنگے اور بعض کنج اور بعض بافتہ اور بعض سیاہ و سفید اور بعض رنگیں برنگ لعل جن کو میگھدیا مہلیک بھی کہتے تھے جو برسات کے زمانے میں بادشاہ کے سر پر سایہ فگن ہوتا تھا۔

چتر اپنے مقام پر نصب ہوتے اور اس کے بعد ٹکسالی دھکنی و مکلل نشانات تخت بادشاہی کے روبرو گزرتے تھے۔

نشان پیادہ کو اس روز پیش ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ٹکسالی نشان عدد میں ایک سو ساٹھ یا ایک سو ستر ہوتے تھے اور بے حد خوبصورت و دلکش نظر آتے تھے۔

مختصر یہ کہ تمام افراد علم دار اپنے مراتب کے مطابق محل کے اندر جاتے تھے اور ان کے بعد اسپان پائیگاہ جواہر نگار زرین پوش محل کے اندر آتے اور ان کے بعد پیلانِ شاہی مع زرین و زین ہائے نقرئی و جُل ہائے رنگیں کے محل کے اندر جاتے اور بادشاہی تخت کے سامنے زمیں بوس ہوتے اور سلام کرنے کے بعد بادشاہ کو دعا دیتے تھے اور اس کے بعد اپنی جگہ میمنہ یا میسرہ میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

ان کے بعد ارباب شکرہ خانہ مع اکثر شکرہ داروں کے اندر حاضر ہوتے اور ان کے بعد مطربوں کا گروہ حاضر ہوتا تھا۔

تمام مطرب زعفرانی لباس پہنے اور دستار سُرخ سر پر رکھے اور ایک گروہ اہل طرب کا مرصع و مکلل لباس جسم میں پہنے ہوتا تھا۔

یہ لباس اس قدر قیمتی ہوتا کہ ایک شخص کے لباس کی قیمت چالیس ہزار تنگہ ہوتی تھی۔

اس گروہ کا لباس قطعاً نیا ہوتا جو کبھی پہنا نہ گیا ہوتا تھا۔

جب یہ مقام مرتب ہو جاتا تھا تو قوالوں کا گروہ ساز لیے ہوئے حاضر ہوتا تھا اور اہل طرب رقص میں مصروف ہوتے تھے۔

اس کے بعد تمام خلق خانان کبار و ملوک نامدار و معارف و علماء و مشائخ محل سلام میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے بعد دیگر افراد حاضر ہوتے اور اصحاب دیوان رسالت اپنے گروہ کے ہمراہ اور اصحاب دیوان قضا اپنے ماتحت کے ہمراہ اور اصحاب دیوان مذکور و افراد دیوان وزارت و اصحاب دیوان عرض ممالک اپنے اپنے تابعین کے ساتھ مناسب موقع و محل پر استادہ ہوتے تھے۔

ایک پہر دن چڑھ جاتا اور بادشاہ نماز عید کے لئے سوار ہوتا اور تمام خانان و ملوک و تمام اہل سلوک مجلس جشن سے باہر آتے اور بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا یا گھوڑے پر اور دو چتر کے ہمراہ باہر آتا جس میں ایک چتر بادشاہ کے سر پر ہوتا اور دوسرا شہزادہ تغلق شاہ کے سر پر سایہ فگن ہوتا تھا۔

شاہزادہ مع اپنے چتر کے آگے چلتا اور بادشاہ کی سواری اس کے بعد ہوتی تھی۔

فیروز شاہ سواد کوشک میں نماز عید ادا کرتا تھا اور نماز سے فارغ ہو کر کوشک ہمایوں کو واپس ہوتا اور دوبارہ محل بارجا میں قیام فرماتا۔

اس وقت تمام خدمتی بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔

اگر عید موسم سرما میں ہوتی تو فیروز شاہ لباس زمستانی تمام روز پہنے رہتا تھا۔

عید کے روز بعض خانان و ملوک کو خلعت بھی عطا ہوتا تھا۔

بانگ پاس کے وقت روائی جشن ختم ہوتی اور تمام قوال و اہل طرب کو انعام عطا ہوتا تھا

شبِ برات

ماہ شعبان آتا اور بادشاہ ملک رفعت کعب کو شب برات کی بازی گری کا حکم دیتا، ماہِ شعبان کی پندرھویں شب کو بادشاہ کوشک فیروز آباد میں قیام فرماتا اور اس کے حضور میں آتش بازی ہوائی کا تماشہ ہوتا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ شب برات کے قریب آتے ہی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں رات کو بے شمار آتش بازی فراہم کی جاتی تھی۔

کوشک فیروز آباد میں آتش بازی چھڑانے کے لئے چار الُنگ مقرر کیئے جاتے تھے۔

ایک الُنگ خاص ہوتا تھا اور دوسرا الُنگ ملک نائب باربک اور تیسرا الُنگ ملک علی

اور چوتھا ملک یعقوب پسر ملک محمد علی سے متعلق ہوتا تھا۔

ان چاروں اُنگ میں تین خبردار طبل ودمامہ مقرر کیئے جاتے تھے اور کوشک نزول میں تینوں راتیں اس قدر مشعل وچراغ روشن کیئے جاتے تھے کہ کوشک نزول کے گرد کا تمام میدان مثل روز روشن نظر آتا تھا۔

چاروں اُنگ میں کشتیاں باندھی جاتی تھیں اور ہر کشتی میں بیشمار مشعلیں جلائی جاتی تھیں۔

تین راتوں تک چاروں اُنگ میں طبل بجائے جاتے تھے، اور قسم قسم کے آتشیں تماشے ہوتے تھے۔

کوشک نزول کے زیریں ہر چہار اُنگ میں ڈہل وشہنا بجاتے تھے اور خلائق تمام دار الملک دہلی ونواح شہر کے ہندو ومسلم جوان وپیر جمع ہوکر تماشہ دیکھتے تھے۔

مختصر یہ کہ تین شب مسلسل اسی قسم کی عجیب وغریب بازی گری ہوتی تھی۔

بادشاہ خود کم تر آتا تھا لیکن تمام شاہزادے وخانان وملوک کوشک نزول میں حاضر ہوتے تھے، اصحاب فیل خانہ مٹی کا ہاتھی بناتے اور شتر خانہ کے افراد مٹی کا اونٹ بناکر بادشاہ کے حضور میں حاضر کرتے تھے۔

فیروز شاہ ہر شخص کو انعام عطا کرکے واپس کرتا تھا۔

اس تمام تحریر کا مقصد یہ ہے کہ عہد فیروز شاہی میں خلائق کو ہر طریقہ پر راحت وآرام نصیب ہے۔ سبحان اللہ ایسے مبارک عہد حکومت کی کیا تعریف ہوسکتی ہے۔

سترھواں باب ۱۷

مطربوں کی طلبی

روایت ہے کہ جمعہ کے روز بعد نماز بادشاہی حکم کے مطابق طائفہ مطربان ہر چہار شہر وطائفہ پہلوانان وگروہ داستان گو سرائے شاہی کے اندر حاضر ہوتے تھے۔

بادشاہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر چوبین محل میں تشریف لاتا اور یہ تمام افراد اُس کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔

یہ تمام افراد تقریباً دو تین ہزار اشخاص ہو جاتے تھے اور یہ سب بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیے جاتے تھے۔

فیروز شاہ تھوڑی دیر تو مطربوں کے رقص و سرود دیکھنے اور سُننے میں مشغول رہتا تھا اس کے بعد پہلوان حاضر ہوتے اور مشہور پہلوانوں کی کشتی ہوتی تھی۔

پہلوانوں کی کشتی کے بعد بادشاہ داستان گو کے قصے اور افسانے سماعت کرتا تھا اور نماز عصر تک انہی مشاغل میں وقت صرف کرتا تھا۔

بادشاہ ان حاضرین کو مطمئن کرنے کے لیے ہر شخص کے ساتھ بے انتہا رعایت کرتا تھا، اور ہر شخص بادشاہ کی نوازش و انعام سے دل شاد ہوتا تھا اس موقعہ پر بادشاہ نوازش و انعام میں اس قدر غلو کرتا تھا کہ کسی درباری کو زیادہ گفتگو کی مجال نہ ہوتی تھی مختصر یہ کہ مجلس تمام ہوتی اور ہر شخص انعام پا کر واپس ہوتا تھا۔

اس گروہ میں ہر فرد کو اس قدر انعام عطا ہوتا کہ اس کے حصہ میں متعدد تنگے آتے تھے۔ مطربان دہلی کی یہ نوبت پہنچی کہ ہر شخص اپنے خرد سال اطفال کو ساتھ لے کر دہلی سے فیروز آباد تک آتا یہاں تک کہ بعض افراد چار پانچ سال کے بچوں کو ہمراہ لے کر فیروز آباد میں حاضر ہوتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ جوان و پیر ہر شخص کو برابر انعام عطا کرتا تھا ایک مرتبہ کارکنان دربار نے ارادہ کیا کہ شاہی انعام میں تفریق پیدا کریں۔

بادشاہ نے یہ خبر سنی اور عمال کی جانب نگاہ تیز سے دیکھا اور فرمایا کہ ہمارے فقیر مرض افلاس میں گرفتار ہیں اور سات روز کامل اسی انتظار میں بسر کرتے ہیں کہ جمعہ کا روز آئے اور ہم بادشاہ سے انعام حاصل کریں۔

یہ غریب اسی امید میں اپنے فرزندانِ خُرد سال کو پانچ کوس سے ہمراہ لاتے ہیں، اگر اطفال و جوان میں فرق پیدا کر دیا جائے گا تو ان کا کیا حال ہو گا۔

بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو ایک ہی انعام عطا کریں۔

سبحان اللہ فیروز شاہ ہر طریقے سے خلائق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

اٹھارھواں باب[۱۸]

دہلی جدید کا نمونہ

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے عہدِ حکومت میں اپنی فراست و دانشمندی سے مختلف چیزیں ایجاد کیں جس میں ایک طاس گھڑیال ہے جس کی تفصیل حصہ سوم میں معرض تحریر میں آچکی ہے دو ونگ وولہ آہنی جن کی تشریح شکار کے باب میں بیان کر چکا ہوں۔

اس کے علاوہ گنبد سپید بزرگ جو مخصوص فیروز شاہ کی ایجاد ہے۔

فراشان درگاہ جس وقت فراش خانہ بادشاہی نصب کرتے تھے تو دہلیز و بارگاہ و خواب گاہ بھی باہر لائی جاتی تھی اور اسی وقت گنبد سفید بزرگ بارگاہ سے متصل بلند کیا جاتا تھا بادشاہ اکثر اسی گنبد سفید میں تشریف رکھتا تھا اور اسی مقام پر وہ بے حد شان و شوکت کا اظہار فرماتا تھا۔

اسی طرح فیروز شاہ نے دو عدد نشانِ پیتل ایک من کے اور دو نشانِ آہنی تیس سیر کے وضع کیے دو اژدر پیتل ایک میمنہ کے لئے اور ایک میسرہ کے واسطے مرتب کیے گئے۔

فیروز شاہ شکار کے لئے سوار ہوتا اور دونوں نشان اژدر پیتل کے اوپر میمنہ اور میسرہ میں چلتے تھے اور دو نفر نشان دار صندوق پیتل میں بیٹھتے اور اُن نشانات کو ہاتھ میں لیتے تھے۔

نشانات رسیوں سے ہاتھیوں کی پیٹھ سے باندھ دیئے جاتے تھے۔

فیروز شاہ دور سے نمودار ہوتا اور دو تین کوس کے فاصلے سے نشانات دکھائی دیتے تھے، ان نشانات کی طرح بادشاہ نے دو بزرگ دہل بھی وضع کیے جو ہر دو دہل قانونی ہیں۔

حصّہ پنجم

شاہزادہ فتح خاں کی رحلت

پہلا باب

بادشاہ کی مخلوقی

واضح ہو کہ سلطان فیروز شاہ حضرت شیخ الاسلام شیخ علاؤ الدین نبسۂ حضرت شیخ فرید الدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید تھا۔

بادشاہ نے اپنے تمام عہدِ حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی، چنانچہ آخر زمانے میں حلق بھی کیا۔ بادشاہ ہر وقت اولیاء کی پیروی اور اُن کی محبت کا دم بھرتا رہا اور چالیس سال کامل انہیں بزرگانِ دین کی پیروی میں حکومت کی۔

فیروز شاہ ہر سفر سے قبل تمام مشائخ و اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ بادشاہ نے ؁ ہجری میں بہرائچ کا سفر کیا اور شہر میں پہنچ کر بندگی سید سالار مسعود کے آستانہ پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی سعادت حاصل کی۔

بادشاہ نے بہرائچ میں چند روز قیام کیا اور اتفاق سے ایک شب حضرت سید سالار کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی۔

سید سالار نے فیروز شاہ کو دیکھ کر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا یعنی اس امر کا اشارہ کیا کہ اب پیری کا زمانہ آگیا، بہتر ہے کہ اب آخرت کا سامان کیا جائے اور اپنی ہستی کو یاد رکھا جائے۔

صبح کو بادشاہ نے حلق کیا اور فیروز شاہ کی محبت و اتباع میں اسی روز اکثر خانان و

ملوک نے بھی سر منڈایا۔

حقیقت یہ ہے کہ محبت و دل بستگی کے آئین بھی عجیب و غریب ہیں۔

واضح ہو کہ جس زمانے میں ہمارے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق کہ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَھُمْ حلق فرمایا تو تمام صحابہ کرام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع میں اپنے سر منڈا دیئے۔ اسی طرح فیروز شاہ کے حلق کرنے میں تمام اُمراء نے بھی بادشاہ کی پیروی کی۔

سبحان اللہ چونکہ بادشاہ کے قلب میں علما و اولیاء کی محبت جاگزیں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُس کی پیشانی پر انوار ولایت کو روشن و آشکار فرما دیا۔

بادشاہ کا چہرہ ہمیشہ انوار ولایت سے تاباں و درخشاں رہتا تھا اور حلق کرنے کے بعد تو فیروز شاہ از سرتاپا ایک بزرگ صاحب سجادہ نظر آتا تھا۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کو یہ تمام برکات علماء و مشائخ کی محبت و پیروی سے حاصل ہوئے۔

غرض کہ فیروز شاہ نے حلق فرمانے کے بعد تمام وہ اُمور جو غیر مشروع و مکروہ تھے اپنے ملک سے دور کئے یہاں تک کہ بادشاہ نے تمام نامشروع محاصل کو یک قلم بند کر دیا۔

بادشاہ نے ممالک محروسہ کے تمام عُمّال و حکام کے نام تاکیدی فرامین اس مضمون کے روانہ کئے کہ کسی قسم کا غیر مشروع محصول رعایا سے نہ وصول کیا جائے۔

---

۲ دوسرا باب

غیر مشروعات کا امتناع

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع اُمور جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے دور کئے۔ فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آئے اُس کو قطعاً موقوف کر دیا۔ چند اُمور کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی

نظران تصاویر پڑے۔

فیروز شاہ نے خوف خدا کے لحاظ سے حکم دیا کہ اُس کے خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔

(۲) سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے تانبے چاندی اور سونے کے بُت اور دیگر مورتیں رکھی جاتی ہیں بادشاہ نے ان تماثیل کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا۔

(۳) اسی طرح شاہانِ قدیم طلائی و نقرئی ظروف میں خورونوش کرتے تھے لیکن فیروز شاہ نے اس کو بھی خلاف شرع خیال کر کے ان ظروف سے کنارہ کشی کی اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کیے۔

اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر جانوروں کی تصویریں بنائی جاتی تھیں بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا۔

وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے (اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیاء و افعال کا علم ہوتا رہتا تھا بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کو اور اس کے جواز و عدم جواز سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دست کش ہو جاتا اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا تھا۔

ایک مرتبہ علماء کے گروہ نے بادشاہ سے چند نامشروع اُمور کا ذکر کیا جو قدیم سلاطین کے زمانے میں مقرر و وضع کیے گئے تھے۔

ان اُمور میں ایک دانگانہ تھا جس کی حقیقت حسب ذیل ہے۔

جو ملل و اسباب کہ سرائے عدل میں زکوٰۃ کے لئے جمع ہوتا تھا وہ تمام مال عام اس سے کہ صاحب نصاب ہو یا نہ ہو زکوٰۃ کے بعد خزانہ میں لایا جاتا تھا ان کا دوبارہ وزن ہوتا تھا۔ اور اس کے معاوضہ میں ہر تنکہ پر ایک دانگ وصول کر لیتے تھے۔

اس طریقہ پر بے شمار مال جمع ہو جاتا تھا لیکن دانگانہ کے خزانہ میں تاجروں کو آشنا و بیگانہ ہر فرد سے تکلیف پہنچتی تھی اس لئے کہ دانگ کے وصول کرنے میں کارکنان عملہ احتیاط کرتے اور اس طرح تاجروں پر تشدد ہوتا تھا۔

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ عمال خزانہ رقم کی وصول یابی و نیز اسباب کی تفتیش میں کاہلی سے کام لیتے اور تاجروں کو بے حد پریشانی ہوتی اور وہ ایک مدت تک خزینۂ دانگانہ میں ایک

طرح پر مقید رہتے تھے۔

دوسرے یہ کہ شہر دہلی میں مستغل کی رسم بھی خلاف شرع تھی۔

مستغل سے مُراد یہ ہے کہ زمینوں اور مکانات کا سرکاری محصول وصول کیا جاتا تھا۔

یہ رسم بھی سلاطین قدیم کے حکم کے مطابق تھی، اسی طرح جو ایک لاکھ بچاس ہزار تنگہ کی رقم جمع ہوتی تھی اُس کو محصول زمین کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

تیسری نامشروع شے جزاری کی رقم تھی جن کا منشایہ تھا کہ اگر قصاب ایک گائے ذبح کرے تو بارہ جیتل محصول ادا کرے، چنانچہ اس مد سے بھی ایک معقول رقم خزانہ میں جمع ہو جاتی تھی۔

چوتھی رسم دوری کا حکم تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس زمانے میں کہ خاص و عام سوداگر غلہ و نمک و قند و شکرتری و دیگر اسباب وغیرہ جانوروں پر لاد کر شہر میں لاتے تھے اور دیوان کے ملازم اُن جانوروں کو بہ جبر دہلی قدیم میں لے جاتے تھے۔

واضح ہو کہ دہلی قدیم میں سات سلاطین نے سات حصار تعمیر کرائے تھے جو اُس وقت تک خستہ و شکستہ ہو گئے تھے۔

ان حصاروں کی اینٹیں گر گر ایک انبار لگ گیا تھا۔

دیوان کے ملازم تاجروں کے جانوروں کو ان انبار کے قریب لاتے اور اینٹیں ان پر لاد کر شہر فیروز آباد میں کہور کے لیے لے آتے تھے۔

ہر سوداگر جو اطراف سے دہلی میں آتا وہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور اس مصیبت میں گرفتار ہوتا اُس کے جانور دہلی قدیم سے اینٹیں فیروز آباد میں پہنچاتے تھے۔

اس ظلم و جبر کے شروع ہوتے ہی سوداگروں نے شہر میں آنا ترک کر دیا جس کی وجہ سے فیروز آباد میں غلہ اور نمک بے حد گراں ہو گیا۔

بادشاہ کو حقیقت حال سے اطلاع دی گئی اور ہر واقعہ تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا بلکہ بادشاہ سے عرض کیا گیا کہ ایک سوداگر تین من روئی لے کر شہر میں آتا تھا۔

شاہی عہدہ دار اس شخص کو خریطہ داگاہ میں لے گئے اور اس درجہ بے پروائی کی کہ نہ اُس شخص سے تین دانگ محصول وصول کیا اور نہ اس کو رہا کیا۔

یہ غریب سوداگر اتنی مدت تک خریطہ میں پڑا رہا کہ تین من روئی میں آگ لگ گئی اور سوداگر کا مال جل جانے کے بعد وہ غریب اس قید سے آزاد ہوا۔

رسم دوری کی وجہ سے بھی غریب سوداگروں پر ظلم ہوا اور انھوں نے شہر میں آنا قطعاً ترک کر دیا جس کی وجہ سے بھی غلہ اور نمک وغیرہ اشیاء و اسباب گراں ہو گیا۔

اسی طرح رسم مستغل کے رائج کرنے میں اس درجہ سختی کی گئی کہ بیوہ مستورات اور فقراء و مساکین سے پوری رقم طلب کی گئی اور یہ غریب طبقے بھی عاجز و مجبور ہو گئے۔

مختصر یہ کہ شاہی اعوان و انصار نے بادشاہ کو تمام حقیقت حال سے مطلع کیا اور اپنی خیر خواہی و دور اندیشی و خلوص سے ہر شعبہ کی کیفیت بیان کی اور ہر طبقے کے راز سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔

فیروز شاہ نے خدائی توفیق سے ان ہواخواہوں کا بیان اوّل سے آخر تک سنا اور تمام ممالک محروسہ کے علماء و مشائخ کو طلب کیا۔

بادشاہ نے ان حضرات سے فرمایا کہ اگرچہ سلاطین ماضیہ نے محصول بلاد و سلطنت میں چند امور مصلحت ملک یا لاعلمی کی وجہ سے جائز و جاری کر دیئے تھے لیکن میری خواہش ہے کہ میرے دور حکومت میں احتیاط سے کام لیا جائے تاکہ رعایا کو اطمینان نصیب ہو۔

اگر از روئے شرع ان محاصل کا وصول کرنا جائز ہو تو وصول کیئے جائیں ورنہ قطعاً ترک کیئے جائیں۔

تمام علماء و مشائخ و قاضی بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور اُن سے فتویٰ طلب کیا گیا تمام علماء و مشائخ نے بالاتفاق فتویٰ دیا اور معتبر کتابوں سے مستند روایات کو پیش کیا کہ ان محاصل کا وصول کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

علماء و مشائخ کے فتوے کے بعد فیروز شاہ نے حکم دیا کہ اس قسم کے تمام محاصل بند کیئے جائیں۔

مفتی لشکر شاہی قاضی نصر اللہ شاہی دربار کے مقابل ہاتھی پر سوار ہوئے اور اس فرمان کو بادشاہ کی زبان میں بہ آواز بلند پڑھ کر سنایا جس کا مضمون یہ تھا:-

اگرچہ سلاطین قدیم نے جو نہایت دور اندیشی و عدل کے ساتھ ملک پر حکمراں رہے مصالح ملکی کی بناء پر اس قسم کے محاصل رعایا سے وصول کیئے لیکن چونکہ از روئے شرع ان محاصل کا وصول جائز نہیں ہے اس لئے میں اپنے عہد حکومت میں ان تمام محاصل کو یک قلم موقوف کرتا ہوں۔"

مؤرخ عفیف اس محفل میں حاضر تھا اور خاکسار نے اپنے کانوں سے یہ فرمان سُنا ہے۔

اس شاہی فرمان کی سماعت کے لئے عوام و خواص ہر طبقے کے بے شمار افراد جمع ہوئے تھے اور اس قدر مجمع تھا کہ حاضرین کا شمار نہیں ہو سکتا تھا

قاضی نصر اللہ نے فرمان کو پڑھا اور جب الفاظ دانگانہ پر پہنچا تو عبارت کو مکرر پڑھا۔

واضح ہو کہ دانگانہ کو دھنگانہ بھی کہتے ہیں۔

فیروز شاہ کی روش جہان داری کی کیا تعریف کی جائے جس نے ان تمام رقوم کو یک قلم موقوف فرمادیا۔

معتبر اشخاص نے مورخ عفیف سے بیان کیا کہ بادشاہ نے ان محاصل کو بند فرماکر مبلغ تیس لاکھ تنگہ کا نقصان برداشت فرمایا۔

ان محاصل کی موقوفی ؁ ہجری میں عمل میں آئی۔

تیسرا باب

ایک بُت پرست کا شاہی دربار کے سامنے جلایا جانا

نقل ھے کہ فیروز شاہ کو اپنے عہد حکومت میں ممالک محروسہ کے تمام جُزئی و کُلی احوال سے آگاہی تھی۔

ایک راست گفتار مخبر نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ دہلی قدیم میں ایک ناہنجار بُت پرست پیدا ہوا ہے جس نے اپنے خاص مکان میں مندر بنایا ہے اور ہر قوم اور ہر طبقے کے اشخاص پرستش کے لئے اس شخص کے مکان میں جاتے ہیں۔

اس زنار دار نے ایک مہرہ چوبیں بنایا ہے اور اُس کو مختلف اقسام کے نقش سے درست کر دیا ہے اور تمام ہندو معین روز اس کے قریب جمع ہو کر پرستش کرتے ہیں۔

چنانچہ کوئی عہدہ دار باخبر اس طرف توجہ نہیں کرتا۔

بادشاہ کو اس امر کی بھی اطلاع ہوئی کہ اس زنار دار نے ایک مسلمان عورت کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔

غرض کہ اس قسم کی عجیب و غریب حکایات بادشاہ کے کانوں تک پہنچیں اور فیروز شاہ نے حکم دیا کہ اس زنار دار کو مع اس ساختہ مہرہ کے فیروز آباد میں حاضر کریں۔

شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور فیروز شاہ نے تمام علماء و مشائخ کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اُن سے تمام واقعہ بیان کر کے فتویٰ دریافت کیا۔

علماء و مشائخ و مُفتیان شرع نے تمام کیفیت معلوم کرنے کے بعد مسئلۂ شرعی بیان فرمایا اور عرض کیا کہ شرع شریف کا حکم یہ ہے کہ پیشتر اس زنار دار کو اسلام لانے کی ہدایت کی جائے اگر قبول نہ کرے تو اس کو زندہ جلا دیا جائے۔

مختصر یہ کہ زنار دار کو ہر چند اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اُس نے ایک نہ سُنی اور مسلمان ہونے سے قطعاً انکار کیا۔

زنار دار شاہی دربار کے سامنے لایا گیا اور لکڑیوں کا انبار لگایا گیا۔

زنار دار کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے اور اس کو لکڑیوں کے انبار میں ڈال دیا گیا اور اُس کا مہرہ چوبی بھی انبار کے اوپر رکھ دیا گیا اور انبار کے نیچے آگ لگا دی گئی۔

اُس روز مؤرخ عفیف دربار میں حاضر تھا اور یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

نماز ظہر کے وقت زنار دار کے مہرہ میں دو جانب سے آگ لگا دی گئی۔

آگ ایک طرف سر کے جانب اور دوسری طرف پاؤں کے جانب روشن کی گئی۔ چونکہ لکڑی خشک تھی اس لئے پیشتر پاؤں کی جانب سے آگ روشن ہوئی۔

زنار دار نے اضطراب کی حالت میں سینہ سے آہ کھینچی اور اس درمیان میں سر کے جانب سے بھی آگ بے حد روشن ہوئی اور یہ شخص جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

بادشاہ کی حق پرستی کی کیا تعریف کی جائے جس نے ایک ذرہ بھی شرع سے تجاوز نہیں کیا۔

چوتھا باب
غیر مُسلم افراد سے جزیہ وصول کرنا

نقل ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے تمام دَورِ حکومت میں احکام شرع کا ہمیشہ پاس و

لحاظ رکھا۔

بادشاہ نے قوانین شریعت کو مدنظر رکھ کر غیر مسلم افراد سے جزیہ وصول کیا۔

فیروز شاہ سے پیشتر کسی بادشاہ کے عہد میں غیر مسلم رعایا پر جزیہ نہیں عائد کیا گیا تھا اور ان فرماں روایانِ قدیم نے اس محصول کو معاف کر دیا تھا۔

فیروز شاہ نے تمام علماء و مشائخ کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ یہ عام غلطی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے کہ غیر مسلم افراد سے جزیہ نہیں وصول کیا جاتا۔

سلاطین گزشتہ نے اس امر پر زیادہ توجہ نہیں کی جس کی خاص وجہ یہی خیال کی جا سکتی ہے کہ بہی خواہانِ ملک پر غفلت طاری رہی اور انھوں نے سلاطین کو اس سے آگاہ نہیں کیا۔

چونکہ زنار دار گروہ حجرۂ کفر کی کلید ہے اور تمام غیر مسلم رعایا ان کی معتقد ہے اس لیے ان کو معاف نہ کرنا چاہئے اور ان سے ضرور جزیہ وصول کرنا چاہیئے۔

تمام علمائے شریعت و مشائخ طریقت نے فتویٰ دیا کہ ہندوؤں اور بجاریوں سے نہایت شدت کے ساتھ جزیہ وصول کرنا چاہئے۔

تمام زنار دار جمع ہو کر کوشک شکار میں حاضر ہوئے، بادشاہ کوشک مذکور میں تعمیر عمارت میں مصروف تھا۔

اس مجمع نے فیروز شاہ سے عرض کیا کہ ہمارے اسلاف نے کسی وقت اور کسی بادشاہ کے عہد میں جزیہ نہیں دیا ہے ہم کس طرح یہ محصول ادا کر کے اپنا منہ سیاہ کریں اور رقم کہاں سے ہم پہنچائیں ہم بادشاہ کے حضور میں اس لیئے حاضر ہوئے ہیں کہ اس محل کے نیچے لکڑی کا انبار لگائیں اور بجائے جزیہ دینے کے اپنے کو زندہ جلا دیں۔

زنار دار گروہ کی تقریر بادشاہ کے کانوں تک پہنچی اور اس نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اپنے کو اسی وقت جلا دیں اور ہلاک ہو جائیں لیکن ان کا جزیہ کسی طرح معاف نہیں ہو سکتا اس خیال محال کو اپنے دل سے دور کر دیں۔

اس گروہ نے کوشک کے قریب چند روز فاقہ میں بسر کئے اور اس طرح اپنے کو معرضِ ہلاکت میں ڈالا لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ بادشاہ اپنے ارادہ میں بے حد پختہ ہے تو شہر کے تمام ہندو جمع ہوئے اور انھوں نے بالاتفاق زنار دار گروہ سے کہا کہ جزیہ کی وجہ سے تمہارا اس طرح ہلاک ہونا مصلحت کے خلاف ہے۔

غرض کہ تمام ہندوؤں سے پنڈتوں اور پجاریوں کا جزیہ اپنے ذمے لے لیا۔

دہلی میں جزیہ کی تین رقمیں ہیں اول چالیس دوم بیس اور سوم دس تنگے

تمام زنار دار افراد نے بادشاہ سے اپنے عجز کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ تمام رقم جزیہ میں ہر فرد کے لئے کچھ کم کر دی جائے۔

فیروز شاہ نے ہر دس اشخاص پر پچاس تنگے جزیہ مقرر کر دیا۔

بادشاہ نے یہ حکم دیگر رقم کی وصول یابی کے لئے عہدہ دار بھی مقرر فرما دیئے۔

پانچواں باب

عجیب الخلقت عورتیں

نقل ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں خدا کی قدرت سے بعض نادر اشخاص پیدا ہوئے جن میں بعض کا قد دراز بعض کا کوتاہ اور بعض عورتیں باریش اور بعض عجیب حیوانات داخل ہیں، چنانچہ ہر فرد کا حال علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

کوتاہ قد انسان کا افسانہ

جب فیروز شاہ ٹھٹھہ کی مہم سے واپس آیا تو ایک کوتاہ قد انسان بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا اس شخص کا قد ایک گز کے قریب تھا اور ہاتھ پیر بھی اسی مناسبت سے چھوٹے تھے۔

اس شخص کا سر بھی اسی تناسب سے چھوٹا تھا۔ یہ شخص بادشاہ کے حکم کے مطابق چند روز دہلی و فیروز آباد میں رکھا گیا۔

خلائق شہر ہر چہار جانب سے اس شخص کو دیکھنے آتے اور تعجب کرتے تھے۔ مورخ عفیف نے بھی اس شخص کو دیکھا ہے۔

عجیب راز و اسرار الٰہی ہیں جن میں دم مارنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

دو مرد بزرگ و دراز قد کا قصہ

فیروز شاہ کے عہد حکومت میں جاپہار کے ملک سے دو شخص بیحد دراز قد بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے جن کا رنگ سیاہ تھا اور

جو اس حد درجہ دراز قد تھے کہ زمانے کا دراز ترین شخص ان کی کمر تک پہنچتا تھا۔

مؤرخ عفیف نے بھی ان اشخاص کو دیکھا ہے' ان دونوں کو منسکہ کہتے تھے۔

بادشاہ کے حکم سے یہ اشخاص بھی چند روز شہر میں رکھے گئے تاکہ خلائق ان کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھے۔

یہ اشخاص جب چلتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو منارے جنبش میں آ گئے ہیں

دو باریش عورتوں کا قصہ

فیروز شاہ کے عہد میں دو باریش عورتیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کی گئیں۔

یہ عورتیں میانہ قد و غیر مسلم اور صاحب ریش و صاحب پستان تھیں۔

ان کا رنگ سیاہ تھا اور دونوں صاحب شوہر تھیں' ان عورتوں کی داڑھی گیروا رنگ کی تھی۔

مؤرخ عفیف نے بھی ان عورتوں کو دیکھا ہے جو درحقیقت عجائب مخلوقات میں تھیں۔

اب مؤرخ حیوانات عجیب کے حالات قلم بند کرتا ہے۔

فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ایک تین پیر کی گوسپند لائی گئی جس کا رنگ ابلق تھا۔

اس جانور کے دو ہاتھ اور ایک پاؤں تھا اور دوسرے پاؤں کی جگہ مادہ گائے کی شکل کا ایک پستان تھا۔

یہ گوسپند تین پاؤں سے بخوبی چلتی اور دانہ و پانی بخوبی کھاتی اور پیتی تھی۔

یہ جانور بھی چند روز دربار شاہی بلکہ درمیان کوشک رکھا گیا تاکہ خلائق قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھے۔

افسانہ زاغ سیاہ و پائے سرخ

فیروز شاہ کے عہد میں ایک کوا لایا گیا جس کا تمام جسم تو سیاہ تھا لیکن اس کی چونچ اور اس کے پاؤں بالکل سُرخ تھے

اس قسم کا کوا ایک عجوبۂ روزگار جانور خیال کیا جاتا ہے اس لئے کہ ہمارے زمانے کے تمام کوے قطعاً سیاہ ہوتے ہیں اور اُن کی چونچ اور پاؤں بھی جسم کی طرح سیاہ ہیں۔

اس کوے کی چونچ اور اس کے پاؤں سُرخ تھے جو چند روز دربار شاہی میں رکھا گیا۔

مؤرخ عفیف نے بھی اس نادر روزگار جانور کو دیکھا ہے

طوطی سفید اور سر ماہی دریا

فیروز شاہ کے عہد حکومت میں طوطی سفید پیش کیا گیا بادشاہ نے

حکم دیا کہ اس جانور کو شک نزول میں رکھیں، تاکہ خلائق اس کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

ایسی ایک دریائی مچھلی کا سر پیش کیا گیا جو اس قدر بڑا تھا کہ ایک پیل بزرگ کے سر وخرطوم کی برابر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مارو ماہی کی بزرگی واقسام کی بابت جس قدر قصائص بھی بیان کیے جائیں صحیح وواقعی ہیں۔

پنج پاگاؤ کا قصہ

فیروز شاہ بادشاہ کے عہد دولت میں ایک گائے پیش کی گئی جس کے پانچ پانؤں تھے، مؤرخ عفیف نے اس جانور کو دیکھا ہے جس کے چار پانوں تو دیگر حیوانات کی طرح تھے اور پانچواں پانؤں گردن سے برآمد ہوکر شانہ تک آویزاں تھا اور یہ جانور اس پانچویں پانؤں سے کسی قسم کی حرکت نہ کر سکتا تھا۔

یہ جانور بھی عجائب روزگار میں تھا جو اس عہد میں پیدا ہوا۔

اس جانور کا پائے پنجم انسانی انگشت ششم کے مانند بیکار تھا۔

یہ جانور بھی چند روز دربار میں بندھا رہا۔

اُس گائے کا قصہ جس کا سُم اسپ کی طرح غیر چاک تھا۔ مؤرخ عفیف نے اس جانور کو بھی دیکھا ہے۔

اس جانور کے دو دست کے سُم اسپ کے مانند تھے اور دو پانؤں کے سُم گائے کے سُموں کی طرح چاک تھے اور جانور کا رنگ سفید تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جانور بھی قدرت الہی کا تماشہ ونمونہ تھا۔

چھٹا باب ۶

خان اعظم تاتار خان

نقل ہے کہ خان اعظم خدا کی درگاہ میں بندہ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ صاحب

سیف و قلم تھا۔

واضح ہو کہ یہ امیر بہ اعتبار نسل ترک تھا۔

معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں خراسان کے ایک صاحب جاہ و حشم فرماں روا نے ملتان و دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا۔

یہ بادشاہ اپنی ایک زوجہ پر جو بیحد صاحب حسن و جمال تھی اس درجہ شیدا تھا کہ اس کو ایک دم اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔

اس مہم میں بھی یہ زوجہ بادشاہ کے ہمراہ و حاملہ تھی۔

ملتان دیپال پور میں قدم رکھتے ہی اس بیگم کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔

اتفاق سے اُس شب سُلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شبخون مارا اور قتلِ عام شروع کر دیا خراسانی لشکر نے شکست کھائی اور ہر شخص نے راہ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گہوارہ میں چھوڑ دیا۔

سُلطان تغلق کا لشکر مال غنیمت کو ہر جانب تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر اُس گہوارہ پر پڑی گہوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔

سُلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا۔

بادشاہ نے اس خوش نصیب بچے کی بجائے فرزند کے پرورش شروع کی۔

سلطان تغلق نے فرزند کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا جو اس عہد میں خُرد سال تھا۔

یہ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں جوان ہو کر مشہور زمانہ ہوا۔

یہ لڑکا دلاوری و زور آزمائی و شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں لشکر کشی و فتوحات ملکی میں نادر روزگار خیال کیا جانے لگا۔

اس شخص نے اپنے زور بازو سے بہترین ممالک فتح کیے۔

معتبر روایت ہے کہ ایک وقت سلطان محمد تاتار ملک سے آزردہ ہوا اور اس نے اس امیر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا اور تاتار ملک کو اپنے سے جدا کر کے دور روانہ کر دیا۔

تاتار ملک نے چند اشعار نظم کر کے بادشاہ کے حضور میں روانہ کیے۔

سلطان محمد نے یہ اشعار دیکھ کر بے حد تعریف کی اور تاتار ملک کو اپنے حضور میں طلب کر کے اُس پر بے حد نوازش فرمائی۔

فیروز شاہی عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا خطاب عطا ہوا اور چتر قطیفہ کے عطا سے سرفراز فرمایا گیا۔

اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زرّین کے زرّیں طاس رکھا گیا جو محض سلاطین کے لئے مخصوص ہے۔

فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار کرتا اور بادشاہ کے دائیں جانب جو وزراء کے لئے مخصوص ہے تاتار خاں کو جگہ عطا ہوتی تھی اور بادشاہ کے بائیں جانب خان جہاں مقبول کی جا مقرر تھی۔

اگرچہ خان جہاں مقبول وزیر تھا لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت ہوتی تھی۔

تاتار خاں کی رحلت کے بعد یہ جگہ خان جہاں کو عطا ہوئی۔

فیروز شاہ کو تاتار خاں پر اعتماد کلّی تھا اور بادشاہ اُمور ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا تھا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہمات ملک کو فیصل کرتا اور ان کی بابت احکام جاری کرتا تھا

خانِ مذکور بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور اُس کی فطرت بے حد عمدہ و سلیم واقع ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس امیر کو بے شمار صفات سے آراستہ فرمایا تھا۔

تاتار خاں نے توفیق الٰہی سے ملک حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد ہندوستان واپس آیا۔

اس امیر کی صحبت میں ہمیشہ علماء و فضلاء کا مجمع رہتا' اور تاتار خاں اس مقدس گروہ کی عزّت کرتا تھا۔

تاتار خانی جو بہترین و مشہور زمانہ تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔

معتبر رواۃ کا بیان ہے کہ تاتار خاں نے ارادہ کیا کہ ایک مفصل تفسیر ترتیب دے۔ اس امیر نے تمام تفاسیر کو جمع کیا اور علماء کے ایک گروہ کو جمع کر کے تمام ائمہ تفاسیر کے اختلافات کو نقل کر کے ہر آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔

تاتار خاں نے اس تفسیر کے جمع کرنے میں دل و جان سے کوشش کی اور ہر اختلاف کا حوالہ دیگر صاحب تفسیر کے نام کی تصریح کر دی۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالم کی تمام تفاسیر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہیں۔
یہ تفسیر مرتب ہوئی اور تاتارخاں نے کتاب کو تفسیر تاتارخانی کے نام سے موسوم کیا۔
اسی طرح خان اعظم نے ایک مجموعۂ فتاویٰ بھی مرتب کیا جس کی ترتیب یہ ہے کہ پیشتر شہر دہلی کے تمام کتب فتاویٰ جمع کیں اور اُس کے بعد خود ایک نسخہ ترتیب دیا جس میں ہر مسئلہ وہر کلمہ میں مفتیانِ شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحبِ فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔
یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔
تاتارخاں علم شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا اور شریعت کی اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔
اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے میں بیحد کوشش کی۔
تاتارخاں نے شوق طلب میں نہ زبان عشق پر قدم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ابواب عشق اس کے قلب پر وا کر دیئے۔
مختصر یہ کہ خان اعظم خانان معظم عالم دین حاجی و نمازی تاتارخاں کو احکام شریعت کا بے حد لحاظ تھا۔
یہ امیر قوانین شریعت سے سرِ مو تجاوز نہ کرتا تھا اور سفر و حضر ہر حالت میں شریعت پر کاربند رہتا تھا۔ خانِ اعظم لشکرکشی کے لئے روانہ ہوتا تو کنیزانِ حرم کے ہمراہ لے جانے میں دیگر اُمراء کی تقلید نہ کرتا تھا۔
دیگر ملوک و خانان کا دستور تھا کہ اپنے کنیزوں کو اپنے ہزار رکھتے تھے جو سفر میں ان کے ہم عنان چلتی تھیں، لیکن تارتارخاں نے اپنے حرم کو کبھی گھوڑے پر سوار نہیں کیا بلکہ ایک گاڑی تیار کرائی اور اسی میں کنیزوں کو سوار کیا۔
اس گاڑی کو ہندی میں بھر کریا بھرکیہ کہتے ہیں۔
تاتارخاں نے ستر کے خیال سے ان گاڑیوں کو تخت پوش کر دیا تھا اور ان کو حجرہ کے مانند بنا کر مقفل کر دیا تاکہ نامحرم کی نظر ان پر نہ پڑے۔
کس درجہ احتیاط تھی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی
غرض کہ اس امیر کے تمام افعال پسندیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبی

سے آراستہ فرمایا تھا

تاتار خاں نے جلوس فیروز شاہی کے چند سال بعد وفات پائی۔

ساتواں باب

خان جہاں

نقل ہے کہ خان جہاں وزیر کا نام مقبول علم تھا اور اس کو خدا نے ہر عمدہ صفت عطا فرمائی تھی۔

یہ امیر دراصل تلنگی تھا جو اپنے گروہ میں تمام افراد سے بہتر و اعلیٰ خیال کیا جاتا تھا۔

جاہلیت کے زمانے میں راجہ تلنگانہ کا مقرب تھا اور اس کا نام کنو کے تھا۔

سلطان محمد تغلق نے رائے تلنگانہ کو دہلی کی جانب روانہ کیا اور راجہ نے راہ میں وفات پائی۔

خان جہاں محمد تغلق کے حضور میں حاضر ہو کر ایمان لایا اور بادشاہ نے اس کو مقبول کے نام سے موسوم کیا اور اس پر بے حد نوازش فرمائی۔

سلطان محمد نے خان جہاں میں ہر طرح کے جوہر قابلیت دیکھے، اس کی فہم و فراست و سیاست و تدبر کا صحیح اندازہ کیا اور خان جہاں کو دہلی کا نائب وزیر مقرر کیا۔

خان جہاں پروانہ جات میں اپنی دستخط اس طرح پر کرتا "مقبول بندہ محمد تغلق"

اگرچہ یہ وزیر نوشت و خواند سے قطعاً بے بہرہ تھا لیکن عقل و فراست میں یکتائے زمانہ تھا، اس کے اور اک واس کی عقل و فہم کا جواب نہ تھا۔

اس امیر نے محض اپنی عقل و فراست سے دارالملک دہلی کی بارگاہ کو آراستہ کیا۔

سلطان محمد کے ابتدائی زمانے میں اس کو قوام الملک کا خطاب عطا ہوا۔ پہلے ملتان کا جاگیردار ہوا اور اس کے بعد نائب وزیر مقرر کیا گیا۔

اس زمانے میں خواجہ جہاں سلطان محمد تغلق کا وزیر تھا۔

مختصر یہ کہ خان جہاں نائب وزیر اپنے عہدہ کا اہل ثابت ہوا اور اس نے دیوان وزارت کو

ہر طرح آراستہ کیا۔

اہل معاملہ و جاگیرداز خواجہ جہاں سے اس درجہ نہ ڈرتے تھے جتنا کہ قوام الملک سے خوف کھاتے تھے۔

خواجہ جہاں جب کسی صاحب مقطع پر تہدید کرنا چاہتا تو اُس کو قوام الملک کے سپرد کر دیتا تھا اور قوام الملک ایسے اشخاص پر بے حد سختی و تشدد کرتا۔

اسی طرح جب خواجہ جہاں دیوان وزارت سے اُٹھ جاتا تو قوام الملک دیوان داری کر کے اہل مقطع پر بے حد سختی کرتا تھا اور بے شمار مال خزانۂ شاہی میں جمع کرتا تھا۔

خواجہ جہاں خود بھی معاملات سلطنت و دیوان وزارت کے اہم امور کو قوام الملک ہی کی مہارت و فراست سے انجام دیتا تھا۔

خان جہاں نے سلطان محمد تغلق ہی کے عہد میں عظمت و نام آوری پیدا کر لی تھی۔

جب سلطان محمد نے وفات پائی اور فیروز شاہی دور شروع ہوا اور خواجہ جہاں باوصف فہم و فراست کے فیروز شاہ سے منحرف ہو گیا۔

تو خواجہ جہاں نے جیسا کہ مؤرخ پہلے بیان کر چکا ہے سلطان محمد کے فرزند کو بادشاہ بنایا اور سلطان فیروز شاہ سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا۔

خواجۂ جہاں اور قوام الملک دہلی میں مقیم تھے لیکن خان جہاں کو جب معلوم ہوا کہ فیروز شاہ دہلی کے قریب آ گیا ہے تو یہ امیر بے حد دلیری و شجاعت کے ساتھ مردانہ وار روز روشن میں شہر سے باہر آیا اور فیروز شاہ سے مل گیا۔

خان جہاں کے مل جانے سے گویا دہلی فتح ہو گئی۔

مورخ عفیف اب اُن اُمور کا ذکر کرتا ہے جو خان جہاں اور فیروز شاہ کے درمیان پیش آئے۔

خان جہاں کا مسند وزارت پر بیٹھنا

روایت ہے کہ خان جہاں وزرائے با فہم و فراست کی طرح مسندِ وزارت پر جلوس کرتا تھا اور جاگیرداروں اور اہل معاملات سے بے حد سختی و تاکید کے ساتھ حساب لیتا تھا اور خزانہ شاہی کے لئے نہایت احتیاط سے مال وصول کرتا تھا۔

خزانہ کی کردی روزانہ اُس کے ملاحظہ میں پیش ہوتی تھی اور اس موقع پر یہ وزیر نہایت

تاکیدی احکام جاری کرتا تھا کہ جس قدر زائد ممکن ہو مال خزانۂ شاہی میں داخل کرو۔

اگر کسی روز خزانۂ شاہی میں کم داخل ہوتا تو وزیر تمام عمال کو برے الفاظ سے یاد کرتا بلکہ غم و غصہ کی حالت میں نہایت فکرمند و بے چین ہوتا تھا۔

خان جہاں اس روز کھانا بھی نہ کھاتا اور فرماتا کہ ملک و دولت کا قیام اور سلطنت کا انتظام مال و نقد سے ہوتا ہے۔ اگر خزانہ میں مال کم ہوگا یا کسی دوسری مد میں ضائع ہو جائے گا تو بنیاد سلطنت میں خرابی واقع ہوگی۔

اگر خدانخواستہ کسی سبب سے خزانۂ شاہی قطعاً خالی ہو جائے گا تو اس سلطنت کا قیام دشوار بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

یہی وجہ تھی کہ وزیر مذکور شب و روز مال جمع کرنے میں مصروف رہتا تھا۔

خان جہاں کی سواری

جب کبھی کہ فیروز شاہ کسی مہم یا شکار کے لئے سفر کرتا تو خان جہاں وزیر کو بطور نائب شہر میں متعین کرتا تھا۔

وزیر مذکور بادشاہ کی عدم موجودگی میں دوسرے یا تیسرے روز شہر اور گرد و نواح میں سوار ہو کر جاتا اور اس طرح رعایا کو اپنے جاہ و حشم سے مرعوب کرتا تھا۔

خان جہاں کی سواری کی یہ شان و شوکت ہوتی تھی کہ جاہ و حشم و بے شمار ہاتھی اور پیادے جو تمام و کمال خود خان جہاں کے ملازم تھے اس کے ہمراہ ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ خان جہاں کے فرزند اور نواسے اور داماد اور غلام درباری و تازی و ترکی گھوڑوں پر سوار سفید کمربند و بیش قیمت کلاہ سے آراستہ اس کے جلو میں ہوتے تھے۔

وزیر مذکور اس شان و شوکت سے بے حد جاہ و جلال کے ساتھ فیروز آباد سے دہلی تک سفر کرتا اور وزیر کی یہ شان دیکھ کر خلقت خدا مطمئن ہوتی اور شہر میں انتظام قائم رہتا۔

مؤرخ عفیف کے والدین نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ فیروز شاہ اپنے ابتدائی عہد حکومت کے سات سالوں میں صرف تیرہ روز شہر میں مقیم رہا۔

بادشاہ دو یا تین سال کے بعد شہر میں آتا اور صرف چند روز فیروز آباد میں قیام کر کے دوسری طرف روانہ ہو جاتا تھا اور خان جہاں وزیر تمام مملکت و تمام خلائق سلطنت کو قابو میں رکھتا تھا۔

خان جہاں کے پاس بے شمار سپاہ و حشم تھے اور نیز یہ کہ اس کے فرزند و داماد اور

نواسے بھی لاتعداد تھے۔

اس کے علاوہ اس امیر کے غلام بے حد قوی و تندرست تھے۔

خان جہاں بے حد ہوا خواہ اور خیر اندیش وزیر تھا یہی وجہ تھی کہ فیروز شاہ نے سات سال کامل مخالف و بدخواہ جماعت کو پامال کیا اور ہر سرکش و شورہ پشت شخص کو نیچا دکھایا۔

خان جہاں کی وفات کے بعد فیروز شاہ نے سواری کرنا ترک کر دیا بلکہ اگر سواری کرتا تو صرف جوار دہلی میں سیر کر کے واپس ہوتا۔

خان جہاں کے پسر اور داماد

خان جہاں کے فرزند بے شمار تھے، اس امیر کو اپنے حرم کیلئے کنیزوں اور حرم کے جمع کرنے میں بے حد دلچسپی تھی بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ اس کے حرم میں روم و چین کی دو ہزار کنیزیں جمع تھیں۔

ہر کنیز مرصع و مکلل لباس میں آراستہ ہو کر سامنے آتی تھی اور خان جہاں اِن مشاغل ملکی کے باوجود اپنی حرم کے ساتھ عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا۔

خان جہاں کثیر الاولاد بھی تھا، جب بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے یہ فرمایا کہ ہر فرزند جو خان جہاں کے حرم میں پیدا ہو اس کی پرورش کے لئے گیارہ ہزار تنگے مقرر کیئے جائیں اور اسی طرح نوزائیدہ دختر کے لئے پندرہ ہزار کی رقم منظور فرمائی۔

بادشاہ نے اس امیر کے فرزند و داماد، تمام افراد کو کمر سفید مرحمت فرمائی، یہی وجہ تھی کہ خان جہاں کے تمام فرزند و داماد اور نواسے باکلاہ و کمر رہتے تھے۔

اس امیر کی شوکت اور اس کے جاہ و حشم نے اس حد تک ترقی کی کہ فیروز شاہ نے بارہا یہ کہا کہ دہلی کا فرماں روا در اصل اعظم ہمایوں خان جہاں ہے۔

خان جہاں کا کارکنانِ سلطنت کو بادشاہ سے آزاد کرانا

کارکنان و عمال سلطنت سے اگر طمع کی وجہ سے کوئی خیانت ظہور میں آتی تو ان اشخاص کو بادشاہ کے حضور میں لے جاتے تھے۔

خان جہاں جو بیحد صاحب فہم و فراست تھا ملکی معاملات کے فیصل کرنے میں بیحد کوشش کرتا تھا اور اپنی عقل و دانش و نیز تدبیر و سیاست سے تخت شاہی کے سامنے کامیاب ہوتا اور بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا کر دیتا تھا۔

معتبر اشخاص نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ فیروز شاہ کے فراش خانہ میں ایک عدد

موزہ جو بے حد مرصع و مکلل و جواہر نگار تھا کارکن عملہ کے سپرد کیا گیا۔

اس موزہ کی قیمت اسی ہزار تنگے تھی جس کو کارکنان عملہ نے کسی ترکیب سے لکھنوتی کے مرسولہ میں قلم بند کرا کے اس کی قیمت خود باہم تقسیم کر لی۔

چند روز کے بعد بادشاہ نے اس موزہ کو طلب کیا، تمام عمال نے عرض کیا موزہ مذکور لکھنوتی روانہ کر دیا گیا ہے۔

فیروز شاہ نے اپنی عقل و فراست سے اس امر کا اندازہ کر لیا کہ عمال شعبہ نے موزہ تلف کر دیا ہے۔

بادشاہ نے ان کا عذر نہ سنا اور ارادہ کیا کہ تمام عمال شدید سزا دے۔

فیروز شاہ کے اس ارادہ سے خان جہاں کو اطلاع ہوئی اور وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا جہاں عمال شعبہ کا مقدمہ در پیش تھا۔ اُس نے ان مجرمین کی آستینیں زور سے پکڑیں اور ان کو کشاں کشاں دربار سے باہر لے آیا۔

جب یہ اشخاص بادشاہ کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے تو خان جہاں نے ان افراد سے کہا کہ اے خون گرفتہ گروہ میں نے تمہاری جان بچا دی اب اُس مسروقہ موزہ کی قیمت مبلغ اسی ہزار تنگے خزانۂ بادشاہی میں داخل کر دو۔

غرضیکہ دوسرے روز بادشاہ نے خان جہاں سے دریافت کیا کہ کارکنان عملے نے موزہ کیا کیا؟

خان جہاں نے جواب میں عرض کیا کہ موزہ کی قیمت مبلغ اسّی ہزار تنگے خزانۂ بادشاہی میں پہنچ گئے، اب موزہ کی کیا پرسش کہ لکھنوتی گیا یا یہیں پڑا ہے۔

سبحان اللہ خان جہاں کی فہم و فراست کی کیا تعریف کی جائے۔

خان جہاں کا فیروز شاہ سے صاف جواب دینے کا واقعہ

نقل ہے کہ فیروز شاہ ٹھٹھہ کی مہم سے واپس آیا اور کوشک سابورہ کی تعمیر میں مصروف ہوا بادشاہ بیشتر اوقات سابورہ میں مقیم اور قصر کی تعمیر میں منہمک رہتا اور خان جہاں فیروز آباد میں اُمور ملکی و مالی کو بجد کوشش سے انجام دیتا تھا۔

وزیر مذکور مسند وزارت پر بیٹھ کر ہر محکمہ کے عُمّال و کارکن سے حساب لیتا اور ہر قسم کی باز پرس کرتا تھا۔

خان جہاں کا قاعدہ تھا کہ شنبہ کے روز فیروز شاہ کی خدمت میں سالپورہ حاضر ہوتا اور ملک کے تمام جزئی و کلی واقعات سے بادشاہ کو آگاہ کرتا تھا۔

فیروز شاہ نے یقین کر لیا کہ خان جہاں اُس کا وفادار و مخلص ملازم ہے اور اسی بنا پر ارادہ کیا کہ اُس کا مرتبہ وزارت سے بلند کرے۔

ایک روز بادشاہ نے اپنے دو معتبر امیر ملک شاہین اور ملک سیدالحجاب کو فیروز آباد خان جہاں کے پاس روانہ کیا اور اُن امیروں کو حکم دیا کہ بادشاہ کی زبان سے خان جہاں کو مژدہ سنائیں کہ بادشاہ کو وزیر کی نمک حلالی واخلاص پر پورا اعتماد ہے۔

فیروز شاہ چونکہ خان جہاں پر مثل اپنی ذات کے اعتماد رکھتا ہے اس لئے بادشاہ کا ارادہ ہے کہ اس کا مرتبہ عہدۂ وزارت سے بلند کرے' اور اسی بنا پر فیروز شاہ کا فرمان ہے کہ مسند خان جہاں کے مرتبے کے لائق نہیں ہے۔

خان جہاں دربار شاہی میں زردوزی نہالچے پر تخت کے متصل نشست اختیار کرے اور مسند ظفر خاں کو عطا کرے' اس لئے کہ تخت کے متصل نہالچہ زردوزی مسند وزارت سے بلند و بالا ہے۔

غرض کہ یہ دونوں امیر خان جہاں کے پاس فیروز آباد آئے اور انہوں نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا' خان جہاں نے تھوڑی دیر غور کیا اور اُس کے بعد کہا کہ بادشاہ اسی حیلہ سے مسند وزارت مجھ سے لے کر مجھے اس عہدہ سے معزول کرنا چاہتا ہے اور ظفر خاں کو وزیر مملکت بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

خان جہاں نے کہا کہ مسند بھی بادشاہ کا عطیہ ہے اور نہالچہ بھی قبلۂ عالم ہی کا عطیہ ہوگا لیکن گزارش یہ ہے کہ جس روز سرستی کی حدود میں بندہ نے بادشاہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ہے اُسی روز بادشاہ نے توقیع وزارت اپنے قلم سے تحریر فرما کر مجھ کو عطا فرمائی بلکہ اس تحریر کو کافی نہ خیال کر کے بہ قسم فرمایا کہ جب تک کہ میں اور میری اولاد حکمراں رہے گی مرتبہ وزارت تجھ کو اور تیری اولاد ہی کو عطا ہوگا۔

خان جہاں نے توقیع وزارت ملک شاہین کو دیا اور اُس سے کہا کہ تم میری جانب سے بادشاہ سے عرض کرو کہ حضرت شاہ نے جس طرح اسی نوشتہ کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا ہے اُسے اپنے ہی ہاتھ سے چاک بھی فرما دیں اور مسند وزارت ظفر خاں کو عطا فرمائیں۔

غرض کہ ملک شاہین اور ملک سیدالحجاب بادشاہ کے حضور میں پہنچے اور اُنہوں نے

فیروز شاہ سے خان جہاں کا قول نقل کیا۔

بادشاہ نے یہ تقریر سُن کر فرمایا کہ معاذ اللہ میرا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ میں خان جہاں کو مسند وزارت سے معزول کروں، میرا تو یہ ارادہ تھا کہ خان جہاں کا مرتبہ بلند و بالا کروں، لیکن چونکہ اُس کو خود یہ منظور نہیں ہے تو بہتر ہے وہ مسند ہی پر وزارت کے فرائض انجام دے۔

دوسرے روز خان جہاں تمام کوائف دامور کے عرض کرنے کے لئے سابورہ سے فیروز آباد حاضر ہوا اور بادشاہ نے وزیر سے فرمایا کہ خان جہاں میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہارا مرتبہ بلند و بالا کروں لیکن تم نے اس کے برعکس خیال کیا۔

خان جہاں نے عرض کیا کہ بندہ اب زیادتی جاہ و مرتبہ کا خواہاں نہیں ہے اگر غدوی بادشاہ کے حکم کے مطابق بہالچہ زردوزی پر تخت کے متصل دیوان کرے گا تو اگرچہ یہ امر درحقیقت تو میری سرفرازی کا باعث ہوگا لیکن خلقت خدامجھ کو مسند پر متمکن نہ دیکھ کر کیا خیال کرے گی اور کیا کہے گی، تمام خلقت شہر یہی خیال کرے گی کہ بادشاہ نے اپنے بندۂ قدیم خان جہاں کو مسند وزارت سے معزول کر دیا ہے۔

بندہ چوکھنڈی میں دربار کے روبرو مسند وزارت پر بیٹھتا ہے اور خلقت خدا مجھ کو دیکھنے آتی اور یہ کہتی ہے کہ خان جہاں بدستور اپنے عہدہ پر برقرار ہے اس لئے بندے کے لئے مسند ہی مناسب ہے بہالچہ زردوزی ظفر خاں یا کسی اور اہل امیر کو عطا ہو۔

بادشاہ خان جہاں کی یہ تقریر سُن کر مسکرایا اور خاموش ہو رہا۔

عین الملک کی معزولی

عین الملک کو عین ماہرو کہتے تھے۔

فیروز شاہ اپنے آغاز جلوس میں اشراف ممالک اور دیوان وزارت میں دربار کرتا اور بیٹھتا تاکہ کارہائے ملک کو بخوبی انجام دے۔

عین الملک بیحد دانشمند عالم و کامل و فاضل تھا جو فہم و فراست و عقل و علم و فضل و کمال میں یکتائے زمانہ تھا۔

اس امیر کے فضل و کمال و نیز عقل و دانش کی بابت معتبر حضرات نے مؤرخ عفیف سے یہ روایت کی ہے کہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں عین الملک کے برادران حقیقی سے جرم سرزد ہوا سلطان محمد تغلق نے برادران عین الملک کو مجرم خیال کر کے مصلحت ملکی کی بنا پر خود عین الملک پر بھی فی الجملہ عتاب کیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد محمد شاہ نے دربار کیا اور ایک غالیچہ تخت کے متصل بچھوایا محمد تغلق نے اُس روز تمام علماء و مشائخ و قدناۃ و معارف و بزرگان شہر و نیز تمام خاص و عام کو دربار میں طلب کیا۔

بادشاہ کے حکم کے مطابق تمام اعوان و انصار حاضر ہوئے اور تمام حاضرین آداب شاہی بجالائے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس مجمع میں سے تمام ممتاز اشخاص کو حضور میں حاضر کرو۔
شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور تغلق نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں تم سب سے ایک سوال کرتا ہوں اس کا جواب دو۔

بادشاہ نے کہا کہ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس ایک بیش بہا موتی و جوہر گراں قدر ہے۔ اتفاق سے یہ گوہر بے بہا گم ہو گیا اور حسن اتفاق سے اس شخص نے ایک روز اس گراں بہا جوہر کو نجاست میں افتادہ دیکھا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص اس موتی کو نجاست سے اُٹھائے یا نہیں؟ اس موقعہ پر تمام حاضرین نے و نیز ارکان سلطنت نے عرض کیا کہ اس بیش بہا گوہر کو چھوڑ دینا مصلحت نہیں ہے۔
محمد تغلق نے یہ گفتگو کی اور اب اپنے مجمل سوال کی شرح کی اور عین الملک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ گوہر خواجہ عین الملک کی ذات ہے جو اپنے نجاست صفت بھائیوں کے درمیان میں پڑا ہوا تھا اب میں نے اپنے گوہر مقصود کو پا لیا اب اس کا چھوڑ دینا مصلحت نہیں ہے۔
بادشاہ نے یہ فرمایا اور عین الملک کو غالیچہ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔
اس حکایت کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ عین الملک اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے اس پایہ کا امیر تھا جس کے فضل و کمال کی انتہا نہیں ہے۔
اس امیر نے اکثر کتابیں محمد تغلق و فیروز شاہ کے عہد میں تصنیف کیں منجملہ ان کے ترسل عین الملک ہے جو ہر زبان میں تمام عالم میں مشہور ہے۔
مؤلف اب اصل سخن کی طرف رجوع کرتا ہے۔
واضح ہو کہ عین الملک عہد فیروز شاہی میں دار الملک کے اشراف ممالک کے عہدے پر سرفراز تھا۔

یہ امیر عدالت میں بیٹھ کر اپنے فرائض کو بخوبی انجام دینے کی کوشش کرتا تھا اور دیوان

وزارت میں سبقت اختیار کرتا تھا لیکن اتفاق سے عین الملک اور خان جہاں کے درمیان طنز آمیز گفتگو ہوئی، دونوں اشارہ و کنایہ میں ایک دوسرے کی عیب جوئی کرتے۔

اس معاملہ نے اس قدر طول کھینچا کہ دونوں امیروں میں بے حد تیز و مخالفانہ گفتگو ہوئی اور ہر فرد اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسرے کے حق میں الفاظ بد استعمال کرنے لگا۔

ایک روز خان جہاں نے عین الملک سے غصہ میں کہا کہ مشرف کو کاغذ مفصل سے کیا سروکار اور اس کو کیا حق ہے کہ مقطعہ جات سے حساب مفصل طلب کرے اس لئے کہ مشرف صرف جمع کا ذمہ دار ہے خرچ کی تحقیقات کرنا مستوفی کے فرائض میں داخل ہے۔

عین الملک نے جواب دیا کہ مستوفی کو جمع مفصل کی مثل سے کیا سروکار ہے۔

غرضیکہ دونوں امیر بحث و مباحثہ کرتے ہوئے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور مستوفی و مشرف کے فرائض کے متعلق گفتگو کی۔

اس روز فیروز شاہ نے فرمایا کہ کارکنان معاملات و مقطعہ جات کو ہدایت کی جائے کہ دیوان اشراف میں جمع مفصل و خرچ منتخب اور دیوان استیفا میں خرچ مفصل و جمع منتخب اور دیوان وزارت میں جمع و خرچ مفصل پیش کیا کریں۔

اس حکم سے پیشتر یہ دستور دیوان وزارت کے لئے مخصوص تھا اور تمام سلاطین نے ان تینوں شعبہ جات میں یہی مثال قائم رکھی، الغرض دونوں صاحبوں کی گفتگو اور مخالفت نے اس درجہ طول کھینچا کہ دشنام اور بدزبانی کی نوبت آ گئی۔

بارہا ایسا ہوا کہ خان جہاں نے عین الملک کے مواجہ میں اس کو سخت و سست الفاظ سے یاد کیا اور عین الملک نے بلا کسی پاس و لحاظ کے خان جہاں کو پریشان کن کلمات سنائے۔

اس موقع کے لحاظ سے معتبر اشخاص نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ فیروز شاہ اپنے جاہ و حشم کے ہمراہ دہلی سے شکار کے لئے روانہ ہوا اور خان جہاں و عین الملک بھی بادشاہ کے ہمراہ تھے۔

بادشاہ نے ایک منزل میں قیام کیا اور عین الملک دوپہر کے وقت اپنے فرودگاہ سے روانہ ہو کر خان جہاں کے خیمہ تک آیا اور گھوڑے سے اتر کر خان جہاں کے سراپچہ کے اندر گیا۔

خان جہاں کے مقرب اشخاص نے یہ واقعہ وزیر سے بیان کیا، لیکن جب تک کہ خان جہاں اپنے خیمہ سے نکل کر عین الملک کی خاطر و مدارات کرے عین الملک کے ایک حاشیہ نشین نے اس سے کہا کہ یہ سراپچہ خان جہاں کا ہے۔

اس موقعہ پر عین الملک نے اپنے ملازمین پر غصہ کیا اور کہا کہ اے غافلو جس وقت خان جہاں کے قریب گھوڑے سے اُترا تھا اُس وقت تم نے مجھ کو کیوں نہ آگاہ کیا۔

عین الملک یہ کہکر بغیر ملاقات کیئے واپس ہوا اور بادشاہ کے قیام گاہ میں داخل ہوا۔

خان جہاں کو معلوم ہوا کہ عین الملک واپس گیا اور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہے۔

خان جہاں بھی سوار ہو کر فیروز شاہ کے حضور میں آیا اور عین الملک کی آمد و بازگشت کی مفصل کیفیت بادشاہ سے بیان کی۔

فیروز شاہ نے عین الملک کو طلب کیا اور اس کو دیکھ کر مسکرایا اور کہا خواجہ عین الدین تمہارا خواجہ جہاں کے سراپچہ میں آنا اور بغیر ملاقات کے واپس جانا بے معنی خیال کیا جاسکتا ہے تم کو یہ لازم تھا کہ خان جہاں سے ملاقات کرتے۔

عین الملک نے اس موقعہ پر نہایت معنی خیز گفتگو کی اور عرض کیا کہ بندہ کا مقصد خان جہاں کے فرودگاہ پر حاضر ہونے کا نہیں تھا بلکہ بادشاہی سراپردہ میں حاضر ہونے کا ارادہ تھا لیکن چونکہ بادشاہ و وزیر کے ڈیرے میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے سراپچہ لعل و دہلیز اور خوابگاہ پیلی و جاہ و حشم شاہ و وزیر دونوں کے سراپچے میں موجود ہیں اس لئے مجھ کو دھوکہ ہوا اور میں خان جہاں کے ڈیرے کو شاہی سراپچہ سمجھا' عین الملک نے یہ کلمات پریشاں کہے اور خان جہاں نے عرض کیا کہ اب بندہ کا ملک میں رہنا بہتر نہیں ہے بلکہ اب مجھ کو ہندوستان سے ہجرت کر کے کعبہ شریف روانہ ہو جانا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ اب تک میرے اور حریف کے درمیان میں ملکی و مالی رقابت تھی لیکن اب جبکہ عین الملک فتنہ پرداز نے میری بارگاہ کو شاہی درگاہ کے مساوی قرار دیا ہے تو اس حیلہ سے میری جان کو معرضِ خطر میں ڈال دیا ہے مجھ کو اسی وقت اجازت سفر عنایت ہو' تا کہ کعبہ شریف کی راہ لوں۔

فیروز شاہ نے یہ تقریر سُنی اور خلوت میں جاکر فریقین کی بابت غور و فکر کرنے لگا۔

مختصر یہ کہ خان جہاں اور عین الملک میں گفتگو بے حد بڑھی اور نزاع حد سے باہر ہوگئی۔

چند روز اسی حالت میں گزرے تھے کہ ایک روز خان جہاں اور عین الملک دونوں امیر دیوان میں موجود تھے کہ اس اثنا میں خان جہاں نے عین الملک سے کہا کہ اے حرام خوار بدکردار تو نے یہ کیا کہا۔

عین الملک نے بھی خان جہاں کو سختی سے جواب دیا اور سخت و سُست کہا۔
فیروز شاہ اس وقت محل خلوت میں تھا کہ خان جہاں اُسی وقت بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔
فیروز شاہ نے اپنے وفادار وزیر کو پریشان صورت دیکھ کر اُس سے کہا کہ خان جہاں خیر تو ہے کیوں اس درجہ پریشان ہو اور کیا وجہ ہے کہ بے موقع تم محل میں داخل ہوئے ہو۔
خان جہاں نے یہ تقریر سُن کر شکوہ آغاز کیا اور کہا کہ عین الملک نمک حرام نے دیوان میں بیٹھ کر سخت و پریشان کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔
خداوند عالم نے فدوی کو سرفراز فرما کر منصب وزارت عطا کیا ہے اور مسند اعتبار عطا فرماتی ہے، اگر کوئی شخص حسد کی بنا پر بندہ کی اہانت کرے تو فدوی کا کیا وقار باقی رہیگا، بہتر یہ ہے کہ مسند وزارت عین الملک کو عطا ہو۔
فیروز شاہ نے یہ الفاظ سُن کر قدرے غور کیا اور سر اُٹھا کر کہا کہ خان جہاں میں نے مسندِ وزارت تم کو عطا کی ہے اور تمام عملہ دیوان کو تیرے ماتحت مقرر کیا ہے۔
جس شخص کو تو مناسب خیال کرے خدمت پر بحال رکھ اور جس کو تو چاہے خدمت سے معزول کر، اگر عین الملک نے تیری اہانت کی ہے تو اُس کو عہدہ اشراف سے برطرف اور کسی دوسرے امیر کو مشرف کی خدمت عطا کر۔
فیروز شاہ نے خان جہاں کو خلعت خاص عطا فرمایا اور وزیر مذکور بعید عزت و مسرت کے ساتھ اپنے مکان واپس آیا اور اطمینان سے اپنے فرائض انجام دینے لگا۔
خان جہاں نے شحنہ وزارت کو عین الملک کے پاس روانہ کیا اور اُس کو پیغام دیا کہ تو منصب اشراف سے معزول کیا گیا۔
فیروز شاہ نے عین الملک کے حق میں جو کچھ کیا وہ محض خان جہاں کی عظمت و عزت کے لحاظ سے کیا فیروز شاہ کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتا اور شہر میں داخل ہوتا تو خان جہاں بادشاہ کی قدم بوسی کرتا اور فیروز شاہ باوصف اپنی عزت وجاہ و جلال کے گھوڑے سے اُتر کر خان جہاں کو آغوش میں لیتا اور پرسش حالات کرتا تھا۔
غرضیکہ خان جہاں کی وفات تک شاہ و وزیر کے درمیان کسی قسم کی غیریت نہ تھی۔
مختصر یہ کہ عین الملک نے اپنی معزولی کی خبر سُنی اور تین روز متواتر دربار میں حاضر نہ ہوا۔

تین دن کے بعد عین الملک مجرا گاہ میں حاضر ہوا اور بادشاہ کو سلام کیا۔
فیروز شاہ نے عین الملک کو اپنے قریب بلایا اور اُس سے کہا کہ عین الملک تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مخالفت و عداوت میں ملک کے ملک برباد ہو گئے ہیں اور تمام مخلوق پیر و جوان سب نا اُمید و نامُراد ہوئے ہیں، چونکہ تقدیر الٰہی سے تمہارے اور خان جہاں کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی ہے اس لئے تمہارا یہاں قیام کرنا مناسب نہیں ہے تم کو ملتان و بھکر و سیوستانی کی صوبہ داری عطا کرتا ہوں، اپنی جاگیر جاؤ اور وہاں کا انتظام کرو۔
عین الملک نے یہ فرمان سُنا اور بادشاہ کے حضور میں اُس نے بیان کیا کہ بندہ اپنے انطاع کا انتظام کرے گا لیکن دیوان وزارت میں حساب نہ دے سکے گا، البتہ بادشاہ کے حضور میں تمام معاملات کو پیش کرے گا۔
فیروز شاہ نے فرمایا کہ عین الملک میں نے تمہاری خاطر سے اقطاع ملتان کو دیوانِ وزارت سے خارج کیا، تم اس صوبہ میں جو انتظام کرو گے وہی قابلِ قبول خیال کیا جائے گا اور تمہاری تحریرات کافی سمجھی جائیں گی۔
غرض کہ عین الملک نے ان شرائط پر ملتان کی صوبہ داری قبول کی۔
اس کے بعد مؤرخ عفیف نے عین الملک کے بابت ایک ایسی عجیب و غریب روایت سُنی ہے جو اس قابل ہے کہ تاریخ کے صفحات میں لکھی جائے۔ یہ حکایت حسب ذیل ہے:۔
واضح ہو کہ عین الملک خان جہاں کی وجہ سے اپنے عہدے سے معزول ہوا اور تمام مقرب اُمراء و عُمّال اس واقعہ سے خائف ہو کر ایک جگہ جمع ہوئے اور ان امراء نے باہم یہ گفتگو کی کہ آج عین الملک معزول ہوا ہے کل ہمارا بھی یہی حال ہوگا۔
ان امیروں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے اور ارادہ کیا کہ خان جہاں کو معزول کر کے اُس کو ذلیل کریں، لیکن بادشاہ نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر عین الملک موجود ہوتا تو میں اُس سے مشورہ کرتا، اس زمانے میں عین الملک ملتان روانہ ہو کر دہلی سے چوبیس کوس کی راہ طے کر چکا تھا۔
بادشاہ نے فرمان روانہ کیا کہ اپنا اسباب و تمام حشم وہیں چھوڑ کر جلد یہاں آ جائے یہاں ہر طرح خیریت ہے۔ لیکن ایک امر میں مشورہ کرنا ہے تم جلد پہنچو اور مشورہ میں شریک ہو کر جلد واپس جاؤ، عین الملک یہ فرمان پاتے ہی جلد سے جلد دہلی پہنچا اور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔

فیروز شاہ ان اُمراء اور عین الملک کے ہمراہ خلوت میں بیٹھا اور ان اُمراء سے مشورہ طلب کیا۔ ہر امیر نے اسرار ملکی کے بابت گفتگو کی اور عرض کیا کہ وزیر سلطنت کو اس درجہ با اختیار کرنا مصلحت کے خلاف ہے اُس کے حالات و معاملات سے ہر وقت خبردار رہنا چاہیئے۔

بادشاہ یہ گفتگو سُن کر عین الملک کی طرف متوجہ ہوا کہ اس کے خیالات کا اندازہ کرے۔

عین الملک نے دیگر اُمراء کی گفتگو سُن کر عرض کیا کہ اس قسم کے خیالات دل میں لانا اور ایسے بدخطرات سے قلب و دماغ کو پریشان کرنا مملکت و سلطنت میں خرابی رفساد پیدا کرتا ہے جو شخص اس قسم کے توہمات میں گرفتار ہے وہ ہرگز ملک کا بہی خواہ نہیں ہے ظاہر ہے کہ خان جہاں بے مثل و یگانہ روزگار وزیر ہے اُس کو اس مرتبہ سے علٰحدہ کرنے میں خدا جانے کیا خلل رونما ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سلطنت برقرار رہے اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ اُس کے معزول کرنے میں بنیاد سلطنت جنبش میں آجائے۔

فیروز شاہ نے عین الملک کی تقریر بے حد پسند کی اور اس کے بعد امر پیش پا اُفتادہ میں عین الملک سے مشورہ کیا کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔ عین الملک نے عرض کیا اس مشورے اور معاملے سے خان جہاں کو بے خبر نہ رکھنا چاہیئے اور تمام حالات سے اُس کو ضرور آگاہ کر دینا چاہیئے تاکہ اُس کے دل سے ہر طرح کا خوف اسی وقت دور ہو جائے اور وہ اطمینان کے ساتھ اُمور ملکی کو انجام دے۔

اگر وزیر کے دل میں کسی قسم کا خوف و خطر باقی رہے گا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے کو معرضِ ہلاکت میں دیکھ کر کارہائے سلطنت کو انجام نہ دے سکے گا۔

ممکن ہے کہ وزیر کے اس طرح خوف زدہ ہونے سے معاملات سلطنت برباد و تباہ ہو جائیں، بعض اُن اشخاص نے جو خود ان معاملات میں شریک مشورہ تھے مورخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ عین الملک نے بیان کیا کہ خان جہاں کو اسی وقت طلب کرنا چاہیئے۔

بادشاہ نے عین الملک کے مشورہ کے مطابق خان جہاں کو طلب کیا اور خان جہاں شاہی حکم کے مطابق حاضر ہوا۔

فیروز شاہ نے خان جہاں کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور خان جہاں اس مجلس کی تمام مفصل کیفیت سُن کر غمگین ہوا۔

بادشاہ نے وزیر کو مغموم دیکھ کر اس کو خلعت عطا کیا اور بے حد اعزاز و اکرام کے ساتھ واپسی کی اجازت عطا فرمائی۔

خان جہاں بادشاہ کے حضور سے خوش و خرم واپس ہوا اور اس نے عین الملک سے معانقہ کر کے کہا کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ تم کو میرے ساتھ اس درجہ محبت ہے۔ میری غلطی تھی کہ میں تم کو اپنا مخالف سمجھ کر تم سے سختی سے پیش آتا تھا۔

اس موقع پر عین الملک نے صداقت سے کہا کہ اپنے دل سے یہ گمان دور کرو کہ میں نے جو کچھ بادشاہ سے عرض کیا ہے اُس کی وجہ تمھاری محبت ہے۔

میرے اور تمھارے درمیان عداوت و مخالفت اسی طرح موجود ہے، میں نے جو تقریر بادشاہ سے کی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ سلطنت و ملک بحال و برقرار رہے اور مملکت میں شور و فساد نہ برپا ہو۔

ہر چند خان جہاں نے کوشش کی کہ عین الملک کو اپنے مکان لے جائے۔ لیکن عین الملک نے خان جہاں کی دعوت قبول نہ کی۔

اُن اصحابِ مناصب کا ذکر جو انتظام ملک کے لئے وزیر کے ہمراہ مقرر کئے گئے تھے۔

خان جہاں مسندِ وزارت پر اجلاس کرتا تھا اور نظام الملک امیر حسین امیران نائب وزیر مسند وزارت کے متصل بائیں جانب بیٹھتا تھا اور نائب وزیر کے بعد مشرف ممالک کی جگہ تھی اور مشرف سے فروتر برید ممالک کی نشست تھی اور وزیر کے دائیں جانب مستوفی کو جگہ عطا ہوتی تھی۔

معتبر اشخاص نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ مستوفی کی نشست ہمیشہ مشرف سے فروتر ہوتی تھی، جس زمانے میں کہ دختر زادہ سلطان محمد کو جو خود بھی محمد کے نام سے موسوم تھا اور جس کے بھائی کا نام مودود تھا فیروز شاہ کے عہد میں استیفا کا عہدہ عطا ہوا اور یہ شخص عزیز الملک کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اس وقت فیروز شاہ نے فرمایا کہ عزیز الملک خداوند گان مغفور کا نواسہ ہے، یہ شخص مشرف سے فروتر کیوں کر بیٹھے گا؛ اگر میں اس کو مشرف سے بالاتر جگہ عطا کرتا ہوں تو قوانین ملوک کے خلاف ہوتا ہے۔

فیروز شاہ نے اُس وقت حکم دیا کہ تمام اصحاب مناصب خان جہاں کے بائیں جانب

بیٹھیں اور عزیز الملک دائیں جانب جگہ پائے۔

بادشاہ کے محل بارہ میں دربار کے وقت مستوفی مشرف سے بالاتر استادہ ہوتا تھا اور ناظر و وقوف مع تمام اُمرار اور نائب وزیر کے پس پشت استادہ ہوتے تھے۔

معتبر رواۃ نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ سلاطین قدیم کے دستور و قوانین میں وقوف کا مرتبہ و عہدہ نہ تھا۔

جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں جبکہ مختلف طرح پر دربار کی آراستگی ہوئی تو یہ عہدہ بھی پیدا ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ کا ایک عزیز قریب تھا جو جلال الدین کو اُمور مملکت میں مشورہ دیا کرتا تھا۔

جلال الدین نے ارادہ کیا کہ اپنے اس عزیز کو دیوان وزارت میں کوئی عہدہ عطا کرے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ اس محکمہ میں کوئی شغل خالی نہیں ہے۔ وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو کسی شخص کو معزول کر کے وہ عہدہ اس شخص کو دیا جائے لیکن جلال الدین نے جواب دیا کہ کسی شخص کو بلا قصور برطرف کرنا ہرگز زیبا نہیں ہے۔

وزیر نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کی دلی خواہش ہے کہ اس شخص کو دیوان وزارت میں کوئی عہدہ عطا ہو تو وقوف قائم کیا یعنی جس طرح ناظر کا فریضہ ہے کہ تمام عمال سلطنت کے جمع بندی کو جو وہ اشراف کے دفتر میں داخل کریں جانچے اور دیکھے اُسی طرح وقوف کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام مملکت کے خرچ سے آگاہی حاصل کرے۔

غرضیکہ اس شخص کو عہد جلالی میں عہدہ وقوف عطا ہوا اور اسی تاریخ سے اصحاب وزارت میں وقوف و نائب وقوف کے عہدے بھی قائم ہوئے۔ اگر اصحاب دیوان کے عہدہ داروں کی تفصیل معرض تحریر میں آئے تو ایک مستقل دفتر ہو جائے۔

سبحان اللہ! جلال الدین کے صاحب فہم و فراست وزیر کا کیا کہنا جس نے اپنی عقل و فہم سے یہ جدید عہدہ پیدا کیا۔ فیروز شاہ کا وزیر بھی درحقیقت ایسا ہی صاحب فراست و تدبیر تھا۔

خان جہاں کی وفات کا ذکر

خان جہاں کی عمر اسّی سال کی ہوئی اور ضعیف و بوڑھا ہو گیا۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے اُس کے تمام اعضاء کمزور ہو گئے خان جہاں کی وفات کا وقت آگیا اور اس کو بے حد تکلیف ہونے لگی، جس شب کہ

خان جہاں نے رحلت کی اس روز نماز جمعہ کے بعد فیروز شاہ شہر سے باہر گیا اور آٹھ کوس پر دریائے جمنا کے کنارے منزل کی اس تفریح میں مورخ عفیف بھی بادشاہ کے ہمراہ تھا۔

مؤرخ کی موجودگی میں تمام ماہر فن نجومیوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم کو اپنے فن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض سعد اور بعض نحس ستارے ایک جگہ جمع ہوئے ہیں اور ان کا یہ اجتماع ضرور کسی حادثے کی خبر دیتا ہے۔

چونکہ اسی زمانے میں وزیر مذکور علیل تھا اس لئے بادشاہ دفعۃً سوار ہوا اور اسی روز آخر شب میں خان جہاں نے وفات پائی۔

یہ حادثہ ۷۷۰ھ ہجری ۲۰ جلوس فیروز شاہی میں ہوا۔

مختصر یہ کہ خان جہاں کی وفات کے بعد تمام خلقت خدا نے اُس کا ماتم کیا اور ہر شخص جو مجالس عیش ونشاط میں تھا اٹھا اور مساجد و مقابر میں تعزیت کے لئے جا بیٹھا۔

خان جہاں چونکہ وزیر صاحب تدبیر خدا ترس تھا اس لئے اس درگاہ پر جاہ وحشم میں بھی موجود رہتا اور ہر وقت رعایا کی بہتری وفلاح کی کوشش بھی کرتا تھا۔

یہ امیر کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرتا اور اُن کی راحت و آرام کی کوشش میں سرگرم رہتا تھا اگر کوئی مقطوعہ دار ملک میں ظلم کرتا اور مال لے کر آتا تو خان جہاں اُس کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا اور ہر وقت رعایا کی پرورش کرتا اور کارکن گروہ کا ہمیشہ حامی رہتا اور دل وجان سے اُس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا اور اگر کسی عامل سے خیانت ظہور میں آتی تو نہایت عمدہ الفاظ میں اس کا حال بادشاہ سے عرض کرتا اور اُس کو شاہی بازپرس و سیاست سے بری کر دیتا تھا، غرضیکہ خان جہاں کی وفات سے تمام خلقت خدا نے ماتم کیا حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس امیر کی مغفرت کی دلیل ہیں۔

خان جہاں حضرت شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ کا مرید تھا۔

جس روز کہ یہ امیر حضرت شیخ کا مرید ہوا تو پیر ومرشد سے عبادت وطاعت کے لئے عرض کیا اور حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم وزیر مملکت ہو تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہا سے زیادہ کوشش کرو۔

خان جہاں نے مریدانِ صادق کی طرح بے حد عاجزی کے ساتھ بار دگر التماس کیا اور حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمہارے لئے بیحد بہتر ہوگا۔

خان جہاں نے حضرت کے ارشاد پر عمل کیا اور ہمیشہ با وضو رہنے لگا اور اس امر میں بے حد احتیاط اور سعی کرتا اگر کبھی بالائے مسند ہوتا اور وضو کی حاجت ہوتی تو فوراً مسند سے اٹھتا اور وضو کرتا تھا۔

جب پلنگ پر جاتا اور حریر کے بستر پر آرام کرتا تو پلنگ کے متصل ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھا جاتا تھا۔

جس وقت کہ خان جہاں پہلو بدلتا اور بیدار ہوتا تو فوراً پلنگ سے اترتا اور اسی آفتابہ اور طشت سے وضو کرتا اور پھر آرام کرتا تھا۔

اس امیر کے آئین و معمولات کا یہ بابرکت نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد حضرت قطب انام شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کے پاس دفن ہوا۔

خان جہاں کے وفات کی خبر بادشاہ تک پہنچی اور فیروز شاہ نے چشم پُرآب ہو کر فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد میں بڑے مہمات کے لئے سفر و سواری نہ کروں گا۔

بادشاہ اس وزیر کی وفات پر بے حد رویا اور ہمیشہ اسے یاد کرتا رہا۔

یہ تھی عظمت و قبولیت خان جہاں کی علیہ الرحمۃ والغفران۔

خان جہاں ابن خان جہاں کی عظمت کا بیان

معتبر راویوں نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ جب خان جہاں بن خان جہاں پیدا ہوا اُس وقت خان جہاں مرحوم ملتان کا جاگیردار تھا اور اپنے صوبہ کے انتظام و حسن معاملات میں جان و دل سے کوشش کرتا تھا۔

اس زمانے میں سلطان محمد تغلق فرماں روائے ملک تھا، خان جہاں نے بادشاہ کو فرزند پیدا ہونے کا معروضہ روانہ کیا۔

بادشاہ نے فرمان روانہ کیا کہ مولود جونا شہ کے نام سے یاد کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ خان جہاں دوم جونا شہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

معتبر روایت یہ ہے کہ خان جہاں اول اپنے فرزند کو شیخ رکن الدین نبیرۂ حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گیا اور حضرت شیخ نے فرزند کو دیکھ کر خان جہاں سے فرمایا کہ قوام الملک، یہ بچہ بے حد اقبال مند اور تمہارے خاندان کا چشم و چراغ ہوگا۔

اس زمانے میں خان جہاں قوام الملک کے خطاب سے مشہور تھا۔

مختصر یہ کہ خان جہاں مقبول نے وفات پائی اور مراسم تعزیت کو پورا کر کے خان جہاں کے متعلقین بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔

فیروز شاہ نے خان جہاں کی وفات پر بے حد افسوس کیا اور وزیر مرحوم کے تمام محاسن اور نمک حلالی کا دیر تک ذکر کرتا رہا۔

بادشاہ نے خان جہاں مرحوم کے ہر وارث کو نوازش شاہانہ سے سرفراز فرمایا اور جونا شہ کو خلعت وزارت عطا کر کے اس کو خان جہاں بن خان جہاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

غرض کہ خان جہاں دوم بھی مرد دانا و عاقل و صاحب فہم و فراست تھا۔

فیروز شاہ اس امیر کو فرمان میں فرزندم کے خطاب و القاب سے یاد کرتا تھا۔

خان جہاں مقبول کی وفات کے بعد خان جہاں دوم نے چھ سال کامل فیروز شاہ کی وزارت کی، اس امیر کی ہر رائے بادشاہ کے مزاج کے موافق ہوتی تھی اور بادشاہ وزیر کی رائے کے موافق کام کرتا تھا، اور اس کی موجودگی میں بادشاہ کسی دوسرے امیر سے ہم کلام نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ جب سیر و شکار سے واپس ہو کر دہلی کے نواح میں داخل ہوتا اور خان جہاں دوم بادشاہ کے استقبال کو حاضر ہوتا تو بادشاہ اس امیر سے بھی خان جہاں مقبول کا برتاؤ کرتا اور مرحمت شاہانہ کے لحاظ سے گھوڑے سے اترتا اور خان جہاں سے معانقہ کر کے اس سے پرسش احوال کرتا۔

خان جہاں مقبول مقطعہ جات سے رقم خدمتی وصول کرتا اور اس سے بادشاہ کو آگاہ کر دیتا تھا لیکن خان جہاں دوم ایک دانگ و درم بھی مقطعہ جات یا کسی دوسرے اشخاص سے وصول نہیں کرتا بلکہ مثل دیگر وزراء کے ہر سال مبلغ چار لاکھ تنگے رقم خدمتی بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا، مختصر یہ کہ فیروز شاہ نے تمام مہمات سلطنت خان جہاں کے قبضۂ اقتدار میں دیدیا تھا۔

لیکن تقدیر سے سلطان فیروز کے آخر عہد میں شاہزادہ محمد خاں جو بعد کو سلطان محمد کے نام سے بادشاہ ہوا اور خان جہاں کے درمیان عداوت و مخالفت پیدا ہو گئی جس کو خدا کی مشیت ازلی بھی کہہ سکتے ہیں اور حاسدوں کی فتنہ پردازی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس مخالفت نے ملک و اہل ملک کو تباہ و برباد کیا اور شہر دہلی کو زیر و زبر کر کے مملکت میں طائف الملوکی پیدا کر دی، جس نے ہر شخص کو ایسا بے سر و پا کر دیا کہ ان غریبوں کے مصائب و اضطرار کی داستان حد بیان سے گزر گئی۔

اس قصوں اور افسانوں کی شرح کسی مؤرخ نے بیان نہیں کی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

آخر کار شہر کی مخلوق ہر خاص وعام مغلوں کی تاخت وتاراج کا شکار ہوئی۔

آٹھواں باب

ملک نائب باربک

ملک نائب باربک فیروز شاہ کا علاتی برادر اور ابراہیم کے نام سے موسوم تھا۔
یہ امیر بادشاہ کا مخلص وہمدرد تھا اور بادشاہ بھی برادر وفادار کو بے حد عزیز رکھتا تھا، اور نائب باربک کی اولاد کو اپنی اولاد خیال کرتا تھا۔
اسی زمانے میں اُس کے خیل کو سپاہ کہتے تھے اور تمام خیلہائے ملک سے بالاتر سمجھتے تھے۔
فیروز شاہ نے نائب باربک کے ہر فرزند کو خطاب خانی عطا کیا تھا اور اپنی نوازش ومہربانی سے ان کی عزت ووقعت کو دوبالا کردیا تھا۔
نائب باربک کا ایک فرزند خیل خاں (خلیخاناں) کے خطاب سے مشہور تھا اور فرزند دوم وسوم نصرت خاں وعمر خاں کے خطابات سے یاد کیے جاتے تھے۔
بادشاہ نے اپنی عنایت ومہربانی سے ملک نائب کو چھ عدد ہاتھی عطا کیے تھے یہ جانور بادشاہ نے وجہ بارگیری میں عطا کیے تھے اور جس وقت کہ ملک نائب بادشاہ کے قصر میں حاضر ہوتا تو ملک نائب کے آگے آگے یہ جانور بھی رہتے تھے۔
فیروز شاہ اور ملک نائب میں اس درجہ محبت تھی کہ ملک نائب اُس وقت کھانا کھاتا تھا جب اُس کو یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ فیروز شاہ غذا تناول کرچکا ہے۔
اگر فیروز شاہ کسی روز نفل روزہ کی نیت کرلیتا تو ملک نائب بھی بادشاہ کی تقلید میں صوم سے ہوتا تھا اس محبت نے اس درجہ شدت اختیار کی کہ ملک نائب پان کھانے میں بھی بادشاہ کا اتباع کرتا تھا اور جب ملک نائب کو یہ خبر پہنچتی کہ خداوند عالم نے اس وقت پان نوش فرمایا ہے تو ملک نائب بھی اُس وقت پان کھاتا تھا۔
اگر کبھی کسی مرض وشکایت کی وجہ سے بادشاہ فاقہ کرتا تو ملک نائب بھی اُس روز

غذا نہ کھاتا تھا۔

سبحان اللہ کیا محبت تھی جس کی نظیر بہت کم دیکھی اور سُنی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ارباب ارادت کو جو محبت اپنے مرشدین سے ہوتی ہے اُس کے اسرار و لذت کو بیان کرنا بے حد مشکل ہے۔

ہر مرید پر واجب ہے کہ پیر و مرشد سے اسی طرح محبت کرے۔

چونکہ ملک نائب کو فیروز شاہ کے ساتھ اس درجہ محبت تھی اس لئے ان کے درمیان سے دوئی قطعاً اُٹھ گئی اور قطعاً یگانگت و اتحاد پیدا ہو گیا۔

اگر مرید لقمہ و لباس میں پیر کے ساتھ اس قسم کی محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود مرید کی محبت بھی پیر کے دل میں پیدا فرماتا ہے۔

ملک نائب کی خیر خواہی و نیک خلقی کا ذکر!

فیروز شاہ اپنے آخر عہد میں شکار کے لئے سوار ہوتا اور ملک نائب بادشاہ کی عدم موجودگی میں شہر میں مقیم رہتا۔

ملک نائب کوشک کے اندر قیام کرتا تھا اور اگرچہ خان جہاں ہمیشہ نائب غیبت ہوتا اور اُمور مالی و ملکی میں بے حد کوشش کرتا تھا لیکن با ایں ہمہ فیروز شاہ ملک نائب کو بھی شہر میں رہنے کا حکم دیتا تھا۔

وزیر مذکور و ملک نائب دونوں شہر میں قیام کرتے اور باہم خلوص و محبت کا اظہار کرتے تھے، جب خان جہاں محل شاہی میں آتا تاکہ چھ کھنڈی وزارت میں دیوان داری کرے تو اوّل کوشک کے اندر جاتا اور ملک نائب کو سلام کرتا تھا۔

اس زمانے میں ملک مذکور کوشک میانہ میں قیام کرتا۔

خان جہاں ملک نائب کے پاس آتا اور ملک مذکور وزیر کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا اور چند قدم اُس کا استقبال کر کے اس طرح بے حد تواضع کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتا تھا۔

خان جہاں بھی تواضع و تعظیم کر کے واپس ہوتا اور باہر آکر مسند وزارت پر بیٹھتا تھا اور ملک نائب بار بک بھی کوشک میانہ کے صحن میں اجلاس کرتا تھا۔

اس موقع پر تیغ داروں کا گروہ ملک مذکور کے سامنے پیش ہوتا تھا اور یہ افراد صف بستہ

ایستادہ ہوتے تھے

ملک مذکور ان کو بیٹھنے کا حکم دیتا اور جو شخص جہاں کھڑا ہوتا تھا وہیں بیٹھ جاتا تھا۔

ملک مذکور کے حکم سے روزانہ شام کو سالن اور روٹی پکائی جاتی اور تمام نوبتیوں کو تقسیم ہوتی تھی۔

غرض کہ یہ تمام واقعات ملک مذکور کی نیک نیتی کے دلائل ہیں۔

محل بارہ میں ملک مذکور کبھی تو قصر جھجھ جو بیں کے سامنے استادہ ہوتا تھا اور کبھی پیش در کھڑا ہوتا تھا لیکن باوجود اس عظمت و شاہی کے کسی شخص کو سخت آواز سے نہ پکارتا تھا۔

ملک نائب کا اپنے عُمّال سے محاسبہ کرنا

فیروز شاہ نے ملک نائب کو بے شمار شہر بطور جاگیر عطا فرمائے تھے اور ملک نائب نے ان مقامات پر اپنے خاص مقطعہ دار مقرر کیئے تھے۔

اگر کوئی مقطعہ دار حاضر ہوتا تو ملک مذکور اپنے خیل خانہ کے عہدہ داروں کو حکم دیتا کہ اس مقطعہ دار سے حساب لیں۔

عمّال حکم کی تعمیل کرتے اور اگر مقطعہ دار کے ذمہ رقم واجب الادا نکلتی تو ملک نائب حکم دیتا کہ اس شخص کے سر پر سے دستار اُتار لی جائے۔

مال کم ہوتا یا زیادہ یہ امیر یہی کہتا تھا کہ اس شخص کے سر سے دستار اُتار لو۔

اُس زمانے میں یہ جملہ عام طور پر رائج تھا یہاں تک کہ کم سن لڑکے طفلانہ بازی میں بھی اپنے حریف سے یہی کہتے تھے کہ میں تیرے سر سے دستار اُتار لوں گا۔

ملک مذکور بھی یہ جملہ ادا کرتا اور کہتا کہ دستار انسان کے سر کی عزت ہے اگر دستار سر سے اُتر گئی تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کا سر قلم ہو گیا۔

ملک مذکور اس طرح اس شخص کی اہانت کرتا اور اس کی دستار اپنے کارکن کے حوالے کر دیتا۔

اس واقعہ کے بعد یہ مقطعہ دار جب کبھی کہ ملک نائب کے روبرو آتا تو برہنہ سر آتا اور ملک مذکور اُس کو اس حال میں دیکھ کر نگاہ نیچی کر لیتا اور کہتا کہ یہ شخص کس درجہ بے شرم ہے اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب اس کے سر سے پگڑی اُتر گئی تو اس کی عزت کیا باقی رہی۔

جب یہ مقطع دار چند بار اسی طرح ملک مذکور کے روبرو آتا تو ملک نائب اپنے ملازمین کو حکم دیتا کہ اس شخص کی دستار اس کو واپس کر دیں اور بقیہ رقم میں جس قدر ممکن ہو اس سے واپس لیں اور بقایا میں جو نہ وصول ہو اس کو معاف کر دیں۔

ظاہر ہے کہ یہ امور ملک مذکور کی پاکیزہ نفسی پر دلالت کرتے ہیں۔

ملک باربک کی اسلام پرستی

ایک مرتبہ نہایت عمدہ کپڑا ملک مذکور کے روبرو پیش کیا گیا ملک نائب کو یہ جامہ بےحد پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کپڑے کا خود اس کا لباس تیار کریں لیکن خیاط نے اندازہ کرنے کے بعد عرض کیا کہ کپڑا کم ہے اور امیر کا لباس اس میں تیار نہیں ہو سکتا۔

امیر مذکور نے جواب دیا کہ پیرالباس نہیں ہو سکتا تو یکتا جامہ تیار کریں، ظاہر ہے کہ جب پیراہن نہ ہو سکا تو یکتا کیونکر تیار ہو گا، اس لئے کہ یکتا میں پیراہن سے زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے۔

ملک نائب کی خیر طلب فطرت کا یہ حال تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے کہ بیشتر اہل جنت بھولے ہوں گے۔

اس ارشاد مبارک کے بموجب ملک نائب بھی اسی گروہ میں داخل تھا۔

دوسری صفت خیر اس امیر کی یہ تھی کہ ملک باربک وجہ معاش میں ایک دانگ بھی زیادہ نہ طلب کرتا تھا بلکہ اگر اس کا کوئی خیر اندیش درماندہ و لاچار ہو جاتا تو ملک نائب اس امیر کو اپنے صرف خاص سے رقم ادا کرتا تھا۔

سچ ہے کہ فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں اس طرح کے پاک طینت حضرات بقید حیات تھے، صرف یہی ایک امیر ایسا نہ تھا جو اس عظمت و شان کا ہو بلکہ تمام اُمرائے دولت ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے فائق و عالی مرتبہ نظر آتے تھے۔

ملک نائب نے فیروز شاہ سے قبل وفات پائی، لیکن جب تک زندہ رہا بادشاہ کی ہوا خواہی و خیر اندیشی میں ثابت قدم رہا۔

اس امیر نے نہ کسی شخص کی بادشاہ سے شکایت کی اور نہ خاص و عام کسی فرد کو کبھی نقصان و آزار پہنچایا۔

سبحان اللہ عہد فیروز شاہی کے برکات کا اندازہ ہو سکتا ہے جس میں اس طرح کے باحشمت و باعزت و رفعت بزرگان اولیا صفت بر سر کار تھے۔

نواں باب ۹

ملک ملوک الشرق عماد الملک شبیر سلطانی

عماد الملک کا اصل نام شبیر تھا اور یہ شخص ہمیشہ بادشاہ کا بہی خواہ و اطاعت گزار رہا۔ اس کے خاندان کے مطابق روایات مختلف ہیں۔ بعض اشخاص کا بیان ہے کہ عماد الملک فیروز شاہ کی والدہ کو جہیز میں ملا تھا۔ جب سپہ سالار رجب نے بادشاہ کی ماں سے عقد کیا تو شاہ کی والدہ کے پدر گرامی نے عماد الملک کو اپنی دختر کے جہیز میں دیا۔

بعض اشخاص روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ کی والدہ کو بے شمار جہیز ملا تھا، چند روز کے بعد بادشاہ کے والد ماجد نے اس جہیز کا ایک حصہ فروخت کر کے عماد الملک کو خریدا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے جلوس کے بعد سلطان قطب الدین کی دختر سے جو بیحد حسین و جمیل و نیز دیگر محاسن سے آراستہ تھی عقد کیا اور عماد الملک اسی بیگم کا غلام تھا۔

بیگم نے عقد کے بعد عماد الملک کو بادشاہ کو بخش دیا۔

مختصر یہ کہ عماد الملک فیروز شاہ کا قدیم بندہ اور دیرینہ غلام تھا اور سب سے قبل جو شخص کہ فیروز شاہ کی ملک میں داخل ہوا وہ عماد الملک تھا اور فیروز شاہ کی تخت نشینی کے بعد سب سے بیشتر جس شخص کو عہدہ ملا وہ عماد الملک تھا جیسا کہ مورخ عفیف جلوس فیروز شاہی کے مقدمہ میں ہدیۂ ناظرین کر چکا ہے۔

غرض کہ عماد الملک بے حد عاقل و دانا و یگانۂ روزگار غلام تھا جو ہمیشہ بادشاہ

کی خیر خواہی کا دم بھرتا رہا اور فیروز شاہ اپنے اس غلام سے ہمیشہ اسرار ملکی بیان کرتا اور عماد الملک جواب باصواب ادا کرتا تھا جو ہمیشہ فیروز شاہ کو پسند آتے تھے۔

عماد الملک کے تقرب کا یہ حال تھا کہ محل و غیر محل ہر موقع پر بادشاہ کے پاس جاتا تھا اور ہر قسم کی گفتگو کرتا تھا۔

عماد الملک جس شخص کو چاہتا تھا جاگیر دلوا دیتا تھا اور جس شخص کا بادشاہ کے روبرو ذکر کرتا اُس کا نام لیتے ہی فیروز شاہ اُس شخص کو بغیر کسی پس و پیش کے جاگیر یا پرگنہ عطا کرتا تھا۔

جس شخص کو عماد الملک اُس کے عہدہ سے معزول کرانا چاہتا تو بادشاہ کے سامنے اُس کا نام لے لیتا، فیروز شاہ اس شخص کو معزول کر دیتا۔

عماد الملک پانچ ہزار جرار سواروں اور نامدار پہلوانوں کا مالک تھا اور اکثر خانان و ملوک بادشاہی حکم کے مطابق اُس کے لشکر میں داخل اور اطاعت گزار تھے۔

بے شمار پرگنے اور جاگیریں عماد الملک کے بہی خواہوں کے لئے مقرر تھیں اور عماد الملک فیروز شاہی فوج کا افسر تھا اور اپنے حشم و فوج کی بہتری کے لئے بے شمار کوشش کرتا تھا۔

یہ شخص کسی فرد پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا تھا اور کسی وقت کسی شخص کی شکایت بھی بادشاہ سے نہیں کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے لشکر کو تازہ دم رکھتا تھا۔

سُبحان اللہ عہد فیروز شاہی کا کیا مبارک زمانہ تھا جس میں تمام خانان و ملوک نیک نیت خوش خُلق و صاحب امانت تھے اور ہمیشہ خلقت خدا کو فائدہ و آرام پہنچانے میں مصروف رہتے تھے، اور یہ تمام امانت و دیانت کا سرچشمہ خود بادشاہ کی ذات تھی جس نے تمام ملوک و اُمراء کو اپنی صفات میں رنگ دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں جو روش بادشاہ زمانہ اختیار کرتا ہے اور جس رنگ میں بادشاہ جلوہ گری کرتا ہے تمام رعایا اُسی رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے اور اُسی روش پر گامزن ہوتی ہے، چونکہ فیروز شاہ نے حلم و جود و سخا کو اپنا شعار بنایا اس لئے اُس کے عہد حکومت میں تمام ارکان دولت، اعوانِ سلطنت علم و کرم کی مجسم تصویریں بن گئے۔

روش زندگی

عماد الملک بے شمار دولت و مال کا مالک تھا۔

معتبر اشخاص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ عماد الملک کی دولت نقد رکھنے کے لئے ٹاٹ کے تھیلوں کی ضرورت ہوئی اور اُسی زمانہ میں ایسے ایک تھیلے کی قیمت

چار جیتل مقرر تھی۔

ان تھیلوں کے خریدنے میں دو ہزار پانچ سو تنگے صرف ہوئے۔

مقصد اس روایت سے یہ ہے کہ اس امیر کے پاس اس قدر رقم نقد موجود تھی جس کے رکھنے کے لئے دو ہزار پانچ سو روپیہ کے تھیلوں کی ضرورت پیش آئی۔

عماد الملک کے عمال نے اپنے آقا کے روبرو حساب پیش کیا اور عماد الملک نے یہ دیکھ کر کہ دو ہزار پانچ سو تنگے تھیلوں کی خریداری میں صرف ہوئے ہیں اپنے عمال سے کہا کہ خزانہ تھیلوں میں جمع کرنے کی حد سے گزر گیا' اب اس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کھدوائے جائیں اور اُن میں یہ خزانہ جمع کیا جائے' چنانچہ بعد میں ایسا ہی کیا گیا۔

واضح ہو کہ خود بادشاہ کے خزانہ میں مقداری مال موجود رہتا تھا اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ فیروز شاہ نے تمام ملک امراء و ملوک کو تقسیم کر دیا تھا اور مال مقرر ہر سال بیت المال پہنچتا تھا۔

غرض کہ عماد الملک کا خزانہ بے حد معمور تھا اور باوجود اس کے ہمیشہ مال جمع کرنے میں کوشاں رہتا تھا' سلطان محمد کے عہد حکومت میں جو شور و فساد ہوا وہ اسی مال کے لئے تھا۔

مختصر یہ کہ یوں تو اکثر خاناں و ملوک عہد فیروز شاہی بے حد مالدار تھے لیکن عماد الملک کے مقابلے میں کسی امیر کے مال و متاع کے کچھ وقعت نہ تھی بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عہد و زمانے میں کسی خان و ملک خزانہ میں اس قدر مال و متاع نہ تھا۔

خزانہ کا معائنہ

نقل ہے کہ عماد الملک کے خزانہ میں تیرہ کروڑ تنگے جمع تھے اور باوجود اس کے یہ امیر مال جمع کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا تھا۔

عماد الملک راپری کا جاگیردار تھا اور اپنی جائداد کے اضافے و بہتر بنانے کی کوشش میں سرگرم رہتا تھا۔

عماد الملک کے خوف سے دیوان وزارت کے عمال ملک مذکور کے اقطاعات کے محاسبہ سے گریز کرتے تھے۔

چند سال کے بعد محاسبہ کیا گیا اور ایک معتد بہ رقم اس امیر کے ذمہ واجب الادا قرار پائی دیوان وزارت نے بادشاہ کو حقیقت واقعی سے آگاہ کیا اور فیروز شاہ نے فرمایا کہ شبیر اکے اور میرے مال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عمادالملک کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے معروضہ پر یہ جواب دیا تو اُس نے فیروز شاہ کے حضور میں اپنے مال و متاع کی ایک فہرست پیش کی۔

بادشاہ نے وہ فہرست ملاحظہ فرما کر زبان سے کچھ نہ فرمایا اور کاغذ عمادالملک کو واپس کر دیا دوسرے روز صبح کو بادشاہ محل بارہ میں تشریف فرما ہوا اور عمادالملک نے ایک کروڑ کا مال تھیلوں میں بھر کر بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ شبیرا تو کیا لایا ہے؟ عمادالملک نے عرض کیا بندہ درگاہ ملازمین حضرت کے لئے رقم علوفہ لے کر حاضر ہوا ہے۔

ہر چند بادشاہ نے اس مال کے لینے سے انکار کیا لیکن عمادالملک کے اصرار و عاجزانہ معروضہ پر آخر میں مجبور ہو کر فرمایا کہ شبیرا کی تمام املاک میری ملک خاص ہے یہ ایک کروڑ کی رقم خزانہ سلطنت میں داخل کی جائے بلکہ مقبول عطردار کے سپرد کر دی جائے۔

شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور یہ رقم مقبول عطردار کو دیدی گئی۔

جس وقت بادشاہ کے سیرو شکار کے اخراجات میں کمی ہوتی تھی تو خان جہاں اس رقم میں سے حسب ضرورت روپیہ بادشاہ کے حکم سے لے لیتا اور بعد کو جب اقطاعات میں سے رقم وصول ہوتی تو مقبول عطردار کا قرض ادا کر دیتا تھا۔

جب تک کہ فیروز شاہ بقید حیات رہا اس ایک کرور مال میں سے ایک جبہ بھی صرف نہ ہوا۔

عمادالملک و خان جہاں کے تعلقات

فیروز شاہ کے آخر عہد حکومت میں عمادالملک ضعیف و کمزور ہو گیا تھا اور اس کے تمام اعضا میں فتور واقع ہو گیا تھا اس لئے اس زمانے میں جب بادشاہ سیر کے لئے جاتا تو عمادالملک کو شہر میں چھوڑ جاتا تھا، ملک مذکور بعض اوقات فیروز آباد کے کوشک میں قیام کرتا تھا اور زیادہ تر اپنے خاص مکان میں زندگی بسر کرتا تھا۔

عمادالملک کے برآمد ہوتے ہی خان جہاں اگرچہ مسند ہی پر بیٹھا ہوتا سر وقد تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا اور بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا اور عمادالملک کی حاجت برآری میں ذرہ برابر بھی تاخیر نہ کرتا تھا۔

عمادالملک بھی خان جہاں کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا اور اس کے ہاتھ پر تکیہ کر کے

لطف و محبت کی باتیں کرتا تھا۔

فیروز آباد میں عماد الملک و خان جہاں کے مکانات باہم متصل تھے اور خان جہاں کا گزر ہمیشہ عماد الملک کے در سے ہوتا تھا۔

جس وقت خان جہاں وزارت کے لوازمہ کے ساتھ سوار ہوتا تو قبل اس کے کہ عماد الملک کے دروازے کے سامنے پہنچے اپنے ملازمین سے کہتا کہ عماد الملک کے دروازے کے روبرو ڈھول اور شہنانہ بجائیں ممکن ہے یہ امر عماد الملک کو ناگوار ہو۔

اعیاد کے زمانے میں خان جہاں بادشاہ کی عدم موجودگی میں اپنے مکان سے سوار ہوتا اور عماد الملک کے مکان پر پہنچکر کھڑا ہو جاتا۔

عماد الملک اپنے مکان سے باہر آتا اور ہر دو امیر مہر و محبت کی گفتگو کرتے ہوئے عید گاہ کو جاتے تھے، اس موقع پر خان جہاں عماد الملک کا پاس و لحاظ کرتا اور اپنے سر سے چتر کو دور کر دیتا تھا اور باوجودیکہ بے شمار ارباب حشم خان جہاں کے ہمراہ ہوتے تھے لیکن یہ امیر صرف عماد الملک کے اور کسی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔

غلاموں کا آزاد کرنا!

عماد الملک جب بوڑھا ہوا اور اُس کے تمام اعضاء ضعیف ہو گئے تو اُس نے سب سے پیشتر فیروز شاہ سے اپنی آزادی کا پروانہ لکھوایا اور اُس کے بعد اپنے زر خرید چار ہزار غلاموں کو جو عیال دار تھے آزاد کیا اور ہر عیال دار غلام کو اس کے ضروریات زندگی کے لئے مال و دولت عطا کی تاکہ یہ اشخاص معاش کی وجہ سے پریشان خاطر نہ ہوں۔

اس واقعہ کے قلیل مدت کے بعد عماد الملک نے وفات پائی۔

سبحان اللہ جس طرح سلطان محمد کے اُمراء و ملوک نے بادشاہ مرحوم کی زندگی میں سفر آخرت کیا اسی طرح فیروز شاہ کے تمام اعیان سلطنت و ہوا خواہ اُمراء نے بادشاہ کی جناب میں رحلت کی اور ان تمام اُمراء کی وفات کے بعد خود بادشاہ نے روضۂ جنت کی راہ لی۔

عماد الملک نے وفات پائی اور بادشاہ نے یہ فرما کر کہ شبیر اکا مال میرا مال ہے اُس کے اندوختہ بارہ کرور میں سے نو کرور کی رقم خود لی اور تین کرور میں اُس کے فرزند ملک اسحاق اور اُس کے دامادوں اور فرزندانِ متبنٰی اور غلاموں کو عطا فرمائی۔

ملک اسحاق خود بے حد دولت مند تھا اور اپنے والد کے خزانے کا محتاج نہ تھا۔
اس امیر کے خزانے میں علاوہ دیگر رقوم کے چار ہزار قبائے زردوزی دو ہزار بند سفید و بند زرکر موجود تھے۔
سُبحان اللہ! ان اُمراء نے اس قدر مال جائز و ناجائز ہر طریقے پر جمع کیا اور چھوڑ کر آخرت کا سفر کیا جہاں ان کو اس مال کا حساب دینا ہوگا۔
جن حضرات نے کہ دُنیا کی جانب میل نہ کیا اگر بہ ضرورت کچھ اندوختہ بھی کر سکتے تو اُسکو دوسروں کے لئے وقف کر دیا۔
عماد الملک کی وفات کے بعد اس کے فرزند ملک اسحاق کو عہدہ و خطاب عماد الملک عطا ہوا۔

دسواں باب

ملک سیّد الحجاب

ملک سید الحجاب کا اصل نام معروف تھا اور یہ امیر اور اس کا پدر دونوں افراد حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔
معتبر اشخاص نے مورخ عفیف سے بیان کیا کہ جس روز سید الحجاب پیدا ہوا اُس کا باپ اُسی روز اس کو لے کر حضرت محبوب الٰہی کے حضور میں حاضر ہوا۔
جناب شیخ اس وقت وضو فرما رہے تھے سید الحجاب پر نظر ڈالتے ہی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ وحید اس معروف دوجہاں و مشہور عالم و عالیان کو اور قریب لاؤ۔
حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی اور جناب شیخ نے از راہ شفقت قدرے آب وضو اس فرزند کے مُنہ میں ڈالا۔
خواجہ وحید کا منشا یہ تھا کہ حضرت شیخ مولود کا نام رکھیں، چونکہ جناب شیخ کی زبان مبارک سے لفظ معروف نکلا اس خواجہ وحید نے مولود کو اسی نام سے موسوم کیا۔

ملک مذکور بے حد متقی و مرد صالح و دیانت دار تھا۔

اس امیر نے معمولی افراد کی طرح خانہ کعبہ کا حج کیا اور ہمیشہ مثل عقلائے عالم کے مہمات کو طے کرتا تھا۔

یہ امیر عقل و فراست و فضل و کمال میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اور ہمیشہ دربار شاہی کا بہترین رکن رہا۔

یہ شخص سلطان محمد کے عہد میں عماد الملک کا پیشوا تھا اور عہد فیروز شاہی میں اس کو سید الحجاب کا خطاب عطا ہوا۔

فیروز شاہ باوجود اپنی عقل و دانش کے کارہائے مملکت میں سید الحجاب سے مشورہ کرتا تھا۔

اگر اس امیر سے بادشاہ کسی وجہ سے ناراض ہوتا اور چند روز اپنے حضور میں نہ حاضر ہونے دیتا تو ملک مذکور دونوں وقت درگاہ سلطانی میں بلا ناغہ حاضر ہوتا۔

دو تین روز کے بعد بادشاہ اس کو یاد کرتا اور یہ فرماتا کہ میری گفتگو اور میرے کلام کے رمز و اشارات سوا معروف کے دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا۔

سبحان اللہ، اس امیر کی خیر پرستی کا کیا کہنا جس نے بے شمار اشخاص کو بادشاہ کے پنجۂ غضب سے رہائی دلوائی اور اکثر افراد کو اپنی فراست و عقل سے فکر معاش سے آزاد کیا۔

جب کبھی کہ بادشاہ کسی شخص پر ناراض ہوتا اور اُس کو بُرے الفاظ سے یاد کرتا تو سید الحجاب حتی الامکان اس شخص کے حق میں کلمات سبک کہتا اور اگر اس کو کسی طریقے پر معلوم ہو جاتا کہ بادشاہ اس شخص سے راضی نہ ہوگا تو یہ امیر کلمۂ خیر نہ کہہ سکتا تو نہایت ہوشیاری کے ساتھ خاموش رہتا تھا۔

شہر کی تمام خلقت اس امیر کی ممنون احسان تھی۔

اگر ملک مذکور کسی شخص کا ذکر کرنا چاہتا تو عمدہ حیلے و بہانے سے کرتا اور اُس شخص کو سرفراز کرتا اور اُس کی حاجت برآری کر دیتا تھا۔

معتبر روایت ہے کہ ایک روز ایک بے نوا فقیر جو بے روزگار تھا ملک مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سید الحجاب سے اپنے درد دل کو بیان کیا۔

اس بے نوا نے عرض کیا کہ میں چند لڑکیوں کا باپ ہوں لیکن نادار و مفلس ہوں، میرے

پاس روپیہ نہیں کہ اُن کے کارِ خیر سے سبکدوش ہوں خدا اور رسول کے لئے میری دستگیری فرمائیں تاکہ میں اس بار سے نجات حاصل کروں۔

ملک سید الحجاب نے کہا کہ تم پانچ سیر گندم پاک و صاف کر لو اور اپنی دستار میں لے کر بادشاہ کی گذرگاہ پر کل کھڑے رہو اور خدا کی عنایت و مہربانی کے امیدوار رہو کہ وہ تمھارے حق میں کیا حکم صادر فرماتا ہے۔

اس فقیر نے ایسا ہی کیا اور فیروز شاہ کی سواری کے وقت گندم ہاتھ میں لیکر کھڑا ہوا۔ ملک مذکور کی نظر اس فقیر پر پڑی اور فوراً اس فقیر کی طرف دوڑا اور گندم اُس کے ہاتھ سے لے کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے اور عرض کیا کہ یہ فقیر کہتا ہے کہ میں نے اس گیہوں کے ہر دانہ پر ایک بار سورۂ اخلاص دم کیا ہے اور یہ گندم بادشاہ کے لئے لیکر حاضر ہوا ہوں۔

بادشاہ نے اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر جو اس کو فقرا سے حاصل ہے اور ہمیشہ ان کو اپنا پشت پناہ خیال کرتا ہے، سید الحجاب کے ہاتھ سے گندم لئے اور ان کو آنکھوں سے لگا کر حکم دیا کہ یہ گندم ہمارے مطبخ میں پہنچا دیئے جائیں تاکہ ان سے میرے کھانے کے لئے چپاتیاں پکائی جائیں۔

اس موقع پر ملک مذکور نے عرض کیا کہ یہ شخص چند لڑکیوں کا باپ ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے عشور و زکوٰۃ میں سے ایک تنگہ روزانہ اس شخص کے لئے مقرر کیا جائے۔

غرض کہ سید الحجاب اس صفات کا امیر تھا کہ اس نے اکثر افراد کو بادشاہ سے جاگیریں دلوا دیں اور بعض کی مدد معاش مقرر کرائی۔

مختصر یہ کہ ملک مذکور ایسا عالی صفات ندیم دوسرا مشکل سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

یہ امیر بادشاہ پر اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ جو یہ کہتا بادشاہ اس کی بات کو پسند کرتا تھا اور اس قدر بادشاہ کا مزاج شناس تھا کہ اس کی ہر گفتگو بادشاہ کی مرضی کے موافق ہوتی تھی۔

سبحان اللہ سید الحجاب کی عمدہ خصائل کا کیا ذکر کیا جائے کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی اس امیر کے حضور میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی حاجت برآری کا وسیلہ بنایا وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔

ملک مذکور حاجت مندوں سے اُن کی حاجت برآری کے بعد بطور شکرانہ کچھ وصول کرتا

تھا اور بادشاہ اس امر سے آگاہ ہو کر کچھ نہ کہتا تھا اور خاموش رہتا تھا۔

ملک مذکور دربار سے واپس ہو کر اپنے مکان آتا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوتا۔

اوقات دربار کے بعد یہ امیر کتب تفاسیر کے مطالعہ میں اپنا وقت صرف کرتا تھا اور ہمیشہ غذا ولباس کے بارے میں بے حد احتیاط کرتا تھا اور شب و روز اس امر میں سعی بلیغ کرتا تھا کہ وجہ معاش میں کوئی خرابی نہ واقع ہو۔

اگرچہ یہ مسلّمہ ہے کہ لقمۂ حلال دُنیا میں کم میسر آتا ہے لیکن علمائے شریعت و ارباب طریقت نے فرمایا ہے کہ قرض حسنہ سے لقمۂ حلال دستیاب ہو سکتا ہے۔

ملک سید الحجاب ہمیشہ قرض حسنہ سے وجہ معاش کی ضروریات کو پورا کرتا اور غیر مشروع لباس سے قطعاً پرہیز کرتا۔

یہ امیر تمام پسندیدہ صفات و خصائل کا مجموعہ تھا اور ارکان فیروز شاہی سے مزاح کرتا اور ضحک انگیز گفتگو کر کے ہر شخص کو خوش کرتا تھا۔

فیروز شاہ کو سید الحجاب کے کلمات ظرافت بے حد پسند آتے اور بے شمار افراد کو جن پر بادشاہ غیض و غضب کرتا سید الحجاب اپنی ظرافت و خوش طبعی سے بادشاہ کو اُن سے باز گر خوش کرا دیتا تھا۔

اس امیر نے تمام چہل سالہ دور حکومت میں بادشاہ کی مصاحبت کے فرائض بخوبی انجام دیئے اور بادشاہ سے قبل وفات پائی۔

گیارھواں باب ۱۱

ملک شمس الدین ابورجا

ملک شمس الدین ابورجا ملک مجیر ابورجا کا برادر زادہ تھا جو سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں دربار شاہی میں مختلف قسم کے حرکات کرتا تھا۔

ملک مجیر کو ملک کبیر نے سلطان محمد کی عدم موجودگی میں دُرّے مار کر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔

معتبر روایت ہے کہ ملک مجیر سلطان محمد کے عہد حکومت میں شہر دہلی کے ایک حصہ کا جاگیردار تھا

جس زمانے میں سلطان محمد نے طغی کے تعاقب میں ٹھٹھہ کا سفر کیا تو بادشاہ نے ٹھٹھہ سے ملک مجیر کی طلبی کا فرمان روانہ کیا۔

ملک مذکور اپنی جاگیر سے معہ سوار و پیادوں کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا۔

اس زمانے میں ملک کبیر دہلی میں نائب غیبت تھا لیکن ملک مجیر نے دہلی کے نواح میں پہنچکر غرور و تکبر کا اظہار کیا اور وہ کترا کر دریائے جمنا کے گھاٹ سے آگے روانہ ہوا اور ملک کبیر سے ملاقات نہ کی۔

ملک مجیر میان دوآب میں پہنچا اور بعض اشخاص سے ملک کبیر نے شکایت کی کہ ملک مجیر کا غرور و تکبر حد سے بڑھ گیا ہے، اس شخص نے بغیر آپ کو سلام کیئے ہوئے دہلی سے بالا ہی بالا میان دوآب میں قیام کیا ہے اور شہر میں داخل نہیں ہوا۔

ملک کبیر نے جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں سیاہ و سپید کا مالک تھا مشورہ و غور کے بعد ملک مجیر کو درمیان دوآب سے طلب کیا اور ملک مذکور بادل ناخواستہ جلد سے جلد دہلی پہنچ گیا اور اپنے لشکر و حشم کو میان دوآب میں چھوڑ دیا۔

ملک مجیر جب ملک کبیر کے حضور میں حاضر ہوا تو وہ اُس وقت مسند حکومت پر اجلاس کر رہا تھا۔

ملک مجیر مقام حجاب پر پہنچ کر آداب و مجری سے کتراتا رہا، ہر چند کوشش کی گئی کہ ملک مجیر سلام کرے لیکن اس مغرور نے سر نہ جھکایا۔

ملک مجیر نے آگے قدم بڑھایا اور مقام دوم پر پہنچ کر بھی سلام نہ کیا۔

ملک مذکور ملک کبیر کے قریب پہنچا اور زبان سے السلام علیکم کہا

ملک کبیر نے نگاہ تیز سے ملک مجیر کو دیکھا اور کہا کہ میں بادشاہ کا نائب ہوں اور اس نیابت غیبت میں مختار مطلق ہوں تجھ کو کیا خیال آیا اور کس قسم کا غرور تیرے دل میں سمایا کہ تو بغیر میری ملاقات کیئے ہوئے روانہ ہوگیا۔

اس موقع پر ملک مجیر نے گستاخانہ الفاظ سے گفتگو کی اور کہا کہ ہر شیر کا جنگل صرف اس کا مرغزار ہو سکتا ہے، ان دونوں کا ہرگز ایک دوسرے سے سروکار نہیں ہے۔

ملک کبیر یہ سن کر بے حد غضبناک ہوا اور یہ کہا کہ اس حرام خوار بد کردار کو دربار کے روبرو دُرّے لگا کر دو ٹکڑے کر ڈالو۔

ملک کبیر کا یہ حکم دینا تھا کہ سرکاری پیادے دوڑے اور اُنھوں نے ملک مجیر کو مجرموں کی طرح گرفتار کر لیا اور سیاست گاہ کی طرف لے گئے۔

ملک مجیر کا رنگ سیاہ ہو گیا اور اس نے حیرت سے اُنگلی دانت کے نیچے دبائی اور ملک کبیر سے عاجزی کرنے لگا لیکن اس عاجزی کا کچھ نتیجہ نہ نکلا اور ملک مجیر سلطان محمد کے دربار گاہ کے روبرو قتل کیا گیا، ملک کبیر نے مجرم کو سزا دے کر تمام حقیقت واقعی سے بادشاہ کو اطلاع دی اور سلطان محمد نے ایک فرمان اس مضمون کا روانہ کیا کہ اعظم ہمایوں ملک کبیر نے خوب کیا کہ ملک مجیر جیسے خود پرست کو سزا دی۔

مختصر یہ کہ ملک شمس الدین ابورجا، ملک مجیر ابورجا کا برادر زادہ تھا۔

اس امیر کو ابورجا اس لئے کہتے ہیں کہ ملک بالا کا ایک خاندان جس کا یہ رکن تھا ابورجایات کے خطاب سے مشہور تھا۔

ملک شمس الدین ابورجا دانا و شاعر اور بیحد نکتہ رس تھا۔

یہ شخص ابتدائے عہد فیروز شاہی میں بار بدھان وزارت کے گروہ میں مقرر ہوا لیکن چند روز کے بعد نائب اقطاع سامانہ کے عہدے پر مامور ہوا۔

اس زمانے میں ملک قبول قران خان حاکم سامانہ تھا ملک شمس الدین سامانہ پہنچا اور اس نے ملک کے تمام انتظام میں دخل دینا شروع کیا۔

شمس الدین نے اس حصہ ملک کے ہر انتظامی شعبہ پر ایسا قبضہ کر لیا کہ ملک قبول کو قطعاً بیکار و معزول کر دیا۔

شمس الدین ابورجا نے ہر صیغے میں ایسے ایسے جدید قوانین ایجاد کیے جو کسی غیر کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔

ملک قبول اعیان فیروز شاہی میں ہر دل عزیز تھا تمام ارکانِ سلطنت نے اس کے موافق کوشش کی اور ملک شمس الدین عہدۂ نیابت سے معزول کیا گیا۔

اس کے بعد ملک شمس الدین کو نیابت گجرات کا عہدہ عطا ہوا۔

اس زمانے میں ظفر خاں بن ظفر خاں یعنی دریا خاں حاکم گجرات تھا۔

شمس الدین گجرات پہنچا اور یہاں بھی اس نے بے شمار جدید اُمور ایجاد کیے اور باریک بینی سے اس ملک پر بھی ایسا قابض ہوا کہ صاحبِ مقطعہ قطعاً بے اختیار ہو گیا۔

چند ماہ بعد ملک شمس الدین گجرات سے بھی معزول کیا گیا اور خلقت خدا نے اس کے پنجے سے نجات پائی۔

شمس الدین گجرات سے دہلی آیا، اُس زمانے میں بادشاہ نے شکار کے لیئے بداؤں کا رُخ کیا تھا اور بداؤں والوالہ کے نواح میں سیر و شکار میں مصروف تھا۔

اس سفر میں ملک شمس الدین کو عہدہ مستوفی ممالک عطا ہوا اور بادشاہ نے اس کو ضیاء الملک کا خطاب عطا فرمایا اور اس کو ظاہری و باطنی اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

ملک شمس الدین اب دیوان وزارت میں اجلاس کرنے لگا۔

تقدیر الٰہی نے نیا رنگ دکھایا اور فیروز شاہ اس وہم و گمان میں گرفتار ہوا کہ دیوان وزارت کا تمام عملہ بہی خواہ نہیں رہا ہے اور ہر فرد اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے، اگر ملک شمس الدین دیوان وزارت میں مقرر کیا جائے تو تمام اُمور سلطنت بخوبی انجام پائیں گے، بادشاہ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ شخص تمام بدترین صفات کا مجموعہ ہے اور اس کے تقرر سے ملک زیر و زبر اور آسودہ و مرفہ الحال رعایا پریشان ہوگی۔

مختصر یہ کہ شمس الدین ابورجا مستوفی ممالک مقرر ہوا اور اس نے اپنے عہدے کے فرائض انجام دینے میں ایسے جدید و سخت قوانین ایجاد کیئے جو چہل سالہ دور حکومت میں نہ تھے اور گویا کہ ان آئین جدید کی وضع سے مملکت میں فتنہ انگیزی کا سنگ بنیاد رکھا۔

شمس الدین ابورجا کی فتنہ پردازی

فیروز شاہ کے دل میں یہ وہم و خطرہ گزرا کہ عملۂ دیوان وزارت اپنے فرائض کو بخوشی و خوبی انجام نہیں دیتا اس لیئے اُس نے تمام ملک کی عنان حکومت شمس الدین ابورجا کے ہاتھ میں دے دی اور اس کو اپنا مقرب خاص بنا دیا۔

ابورجا نے بادشاہ کو ہر شخص سے بدگمان کرنے کی سعی بلیغ کی اور ہر وقت و ہر موقع پر فیروز شاہ کے حضور میں جانے لگا بلکہ اس کے قرب و منزلت کا یہ عالم ہوا کہ یہ امیر اعیان ملک کو معمولی سوار و پیادہ خیال کرنے لگا۔

شمس الدین، بادشاہ کے خلوت کدہ میں حاضر ہوتا اور فیروز شاہ یہ خیال کر کے کہ ابورجا دیوان وزارت کا کچھ حال عرض کرے گا خراماں خراماں دور چلا جاتا اور شمس الدین اپنے خیالات

کا اظہار کر کے واپس آجاتا۔

اس معاملے نے یہاں تک طول کھینچا کہ شمس الدین کے حاضر ہوتے ہی تمام حاضرین دربار خود بخود خلوت سے باہر نکل جاتے تھے اور شمس الدین اپنے تمام خیالات بادشاہ سے ظاہر کر دیتا تھا اور واپس ہو جاتا تھا بلکہ اگر شمس الدین کا ارادہ ہوتا کہ بادشاہ سے کسی معاملے میں سرگوشی کرے تو محل شاہی میں تخت کے قریب آتا اور اپنی آستین منھ پر رکھ کر بادشاہ کے کان میں باتیں کرتا۔

اس نکتہ کے لکھنے سے مقصود یہ ہے کہ ملک شمس الدین کے قرب و منزلت کا یہ عالم تھا، بلکہ اس حیلہ ساز امیر نے بادشاہ کو ایسا اپنے قابو میں کر لیا تھا کہ فیروزشاہ باوجود اس دانائی و تدبیر کے شبانہ روز شمس الدین کا کلمہ پڑھتا تھا اور دیوانِ وزارت کے تمام فرائض شمس الدین انجام دیتا تھا اگرچہ مستوفی کے فرائض میں یہ امر داخل نہیں ہے کہ ملک کے اُس خراج و اخراجات میں جو خلائق کے ذمے عائد ہوں احتیاط سے کام لے اور جمع زبانی پر نظر نہ ڈالے لیکن شمس الدین ابورجا اپنے تقرب کی وجہ سے وزیر و نائب وزیر و مشرف و مستوفی و مجموعہ دار و برید و ناظر و وقوف تمام اعیان ملک کے فرائض انجام دیتا تھا۔

شمس الدین کے اقتدار نے تمام ارکان سلطنت کو معطل و بیکار کر دیا تھا خود شمس الدین کا یہ حال تھا کہ اپنے تقرب کی وجہ سے بادشاہ تمام عمائدین سلطنت سے بے نیاز ہو گیا تھا غرض کہ شمس الدین ابورجا نے اپنے تقرب سے تمام ملک کو تہ و بالا کر دیا اور حضرت فیروزشاہ کے تمام مقرب اُمرا کو اپنا دشمن بنا لیا اور ہر طریقے پر رشوت ستانی کو اپنا شعار بنایا شمس الدین نے بادشاہ کو تمام اُمرا کی طرف سے بدگمان کر دیا اور تمام خانان و ملوک کو اس طرح اپنا دشمن جانی بنایا کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ تمام رعیت کی بددعا اپنے اوپر لی۔ شمس الدین نے تمام افسران فوج اور سپاہ و سواروں کو بادشاہ سے خوف زدہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے خود اپنے کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا۔

شمس الدین ابورجا کا مسند پر بیٹھنا

خان جہاں مسند وزارت پر اجلاس کرتا اور تمام اُمور سلطنت کی پرداخت اور ان کے سرانجام کے لئے کوشش کرتا تھا اُس وقت تمام اصحاب مناصب اپنے اپنے محل پر بیٹھتے تھے

اس زمانے میں خواجہ حسام الدین جنیدی مجموعہ دار دیوان وزارت بقید حیات تھا اور امور مملکت کے انجام دینے میں انتہائی کوشش کرتا تھا۔

ملک شمس الدین، خان جہاں کے دائیں جانب بیٹھتا تھا اور جس وقت کہ تمام کارہائے سلطنت کے فرائض جس میں محاسبہ ومکاتبہ اور طلب مال جو جمع وخرچ میں کمی بیشی ہونے کی وجہ سے لازم ہو جاتی تھی اور باقی جو مہر و سرکاری عمال آئین شاہی کے مطابق مسند وزارت کے روبرو پیش کرتے تو شمس الدین ابورجا بہ حیثیت مستوفی ممالک ہونے کے تمام کلیات و جزئیات پر نظر غائر ڈالتا اور ایسی باریک غلطیاں پیدا کر کے عمال سے بازپرس کرتا کہ تمام اشخاص جواب دینے سے عاجز رہ جاتے اور کسی شخص کو یہ مجال نہ ہوتی کہ اُس کے سوال کا جواب باصواب ادا کرے، ملک ضیاء الملک نہایت خوش تقریر ومنشی وقابل ومتکبر تھا اور اپنے مقابلے میں سوا بادشاہ کے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

اس امیر نے چند اشعار نظم کر کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیے اور حضرت شیخ سعدی کے مقابلے میں لاف زنی کی۔

اس امیر کے اقتدار وعمل کا یہ حال ہو گیا کہ دیوان وزارت میں اس کا طوطی بولنے لگا، اور وزیر ونائب ومشرف ونائب مستوفی وناظر وبریدو وقوف ومشرف ومجموعہ دار مسند پر خاموش ومعطل بیٹھے رہتے اور شمس الدین ہر شعبے میں احکام نافذ کرتا تھا۔

خان جہاں وزیر بھی شمس الدین ہی کی رائے کے مطابق احکام صادر کرتا تھا۔

لیکن ملک شمس الدین نے ہر شخص کے ساتھ بدی کی اور عاقبت کا مطلق خیال نہ کیا ملک شمس، ہر شخص کے معاملات میں اپنی گفتگو کرتا تھا کہ خان جہاں وزیر و ملک اشرق نائب وزیر ایسے اعیان قطعاً خاموش ودم بخود رہتے تھے۔

ملک شمس الدین چرب زبان تھا اور اس کی طبیعت بے حد ساتھی اور اپنی گفتگو میں انتہائی تکبر سے کام لیتا تھا یہ شخص تمام عمال سے بدیہی گفتگو کرتا تھا اور ایسے باریک واہم مسائل پر فی البدیہہ بحث کرتا تھا جو دیگر افراد غور و فکر سے بھی نہ کر سکتے تھے۔

اس موقع پر مورخ عفیف طبع انسانی کی خصوصیات ومراتب کے متعلق حکما کے چند اقوال نقل کرتا ہے تاکہ عقلاء کو بصیرت حاصل ہو۔

واضح ہو کہ حکماء کا قول ہے کہ طبائع کے مراتب کی تین قسمیں ہیں، ایک طبیعت کو حافظہ

کہتے ہیں جس کا خاصہ یہ ہے کہ صاحب طبیعت جو کچھ سُنے اُس کو یاد رکھے دوسری طبیعت کو مدرک کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان پر اُس شئے کو جس کو وہ پاتا ہے یاد رکھتا ہے، تیسری طبیعت کو متصرفہ کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی معلومات کو صحیح محل میں استعمال کرتا ہے۔

تمام مصنفین کے اجتہاد اور اُن کی تمام تصانیف انہیں مراتب طبائع کا نتیجہ ہیں۔

شمس الدین ابورجا ان ہر سہ طبائع سے بہرہ اندوز تھا اور انہیں مراتب ثلاثہ کا نتیجہ تھا کہ اُس نے فیروز شاہ ایسے بادشاہ عالی جاہ کو جادۂ اعتدال سے برگشتہ کر دیا اور بادشاہ کو اپنے قبضے میں کر کے اس کو تمام مملکت سے بدگمان کر دیا اور تمام عالی فہم و نادر روزگار ارکان سلطنت اس کے مقابلے میں بے زبان جانور بن گئے۔

عملۂ دیوان وزارت کی شکایت

ملک شمس الدین سلطنت کے تمام شعبوں پر قابض ہو کر سیاہ و سفید کا مالک و مختار بن گیا۔

ایک روز یہ امیر خلوت میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا، بادشاہ نے کہا کہ شمس الدین تو کہاں تھا اور تو نے کیا مہم سر کی اور کیا امور انجام دیئے۔

شمس الدین نے بادشاہ کی تعریف کی اور عرض کیا کہ بندہ دیوان وزارت میں تھا یہ کہہ کر خاموش ہو گیا بادشاہ نے بارِ دگر دریافت کیا کہ تمام اُمور بخوبی انجام پا رہے ہیں لیکن شمس الدین نے جواب نہ دیا اور سر جھکا لیا۔

بادشاہ نے تیسری بار یہی سوال کیا اور فرمایا کہ شمس الدین تو کیوں خاموش ہے میں تجھ سے کیا سوال کر رہا ہوں تو میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتا۔

ابورجا نے عرض کیا کہ بیچارہ شمس کیا کرے تمام اعیان و عمائد ایک زبان ہو گئے ہیں اور یقین ہے کہ چند روز میں مجھ کو ہلاک کر دیں گے۔ اسی طرح اپنے لئے فالِ بد زبان سے نکالی اور آخر وہی ہوا۔

بادشاہ نے تمام اُمراء کے اتفاق کا سبب و نتیجہ دریافت کیا اور شمس الدین نے کہا کہ اُمراء ایک روز مجھ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ جب تمام اعیان ملک ایک ہو جائیں گے تو میں غریب کیا کروں گا۔

فیروز شاہ نے یہ گفتگو سُن کر فرمایا کہ اے شمس میں کسی شخص کی غمازی پر توجہ نہ کروں گا تو اطمینان سے اپنے فرائض کو انجام دے اور دیکھ کہ کل میں اصحاب دیوان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔
دوسرا روز ہوا اور بادشاہ نے دربار کر کے خان جہاں کو حکم دیا کہ تمام اصحاب مناصب کو مع اُن کے عملے و دیگر ہی خواہوں کے بادشاہ کے حضور میں حاضر کرے۔
خان جہاں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی، بادشاہ نے تمام حاضرین کو اپنے قریب طلب کیا اور خان جہاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خان جہاں یہ شخص یعنی شمس الدین کون ہے؟
خان جہاں نے عرض کیا شمس الدین مستوفی ممالک ہے۔
بادشاہ نے دریافت کیا کہ مستوفی ممالک کے کیا فرائض ہیں؟
خان جہاں نے عرض کیا کہ اس کا فریضہ ہے مملکت کے اخراجات کی تصحیح کرے۔
اس موقع پر ملک نظام الملک نائب وزیر حاضر تھا اس نے فی الفور جواب دیا کہ شمس الدین مستوفی ممالک اور کارگزار دیوان وزارت ہے۔
نظام الملک کا یہ جواب بادشاہ کو بے حد پسند آیا۔ کہنے لگا بے شک تم قطعاً صحیح کہتے ہو، اس میں شبہ نہیں کہ شمس دیوان وزارت کا کارگزار ہے۔
فیروز شاہ نے خان جہاں سے فرمایا کہ تم کو دیوان وزارت میں شمس الدین سے کس قسم کی امداد ملتی ہے؟
خان جہاں نے جواب دیا کہ جس روز سے ملک ضیاء الملک دیوان میں مقرر ہوا ہے میں اُمور سلطنت سے قطعاً سبکدوش ہو گیا ہوں۔
فیروز شاہ نے کہا کہ خان جہاں یہ دُنیا کا دستور ہے کہ جو شخص کارگزار و جفاکش ہوتا ہے تمام ملک اُس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص عداوت و دشمنی کی وجہ سے تم سے بیان کرے کہ شمس الدین تم کو پس پُشت سخت و سُست الفاظ سے یاد کرتا ہے تو تم اس شخص کی بات کو باور کر کے اپنے دل میں بغض و عداوت کو جگہ دو اور شمس الدین کی طرف سے بدگمان ہو جاؤ تو ایسی حالت میں ہمارے اُمور سلطنت درہم و برہم ہو جائیں گے۔
خان جہاں نے عرض کیا کہ ملک ضیاء الملک ہرگز کلمات بد زبان سے نہیں نکالتا اور بندہ بہ قسم عرض کرتا ہے کہ کسی شخص کی غمازی اس کے حق میں قبول نہ کرے گا۔
اس کے بعد فیروز شاہ دیگر عملۂ دیوان کی طرف متوجہ ہوا اور اُن سے کہا کہ اے اعیانِ مُلک

تم سلطنت کے محرر و صاحب احکام ہو اور تم..... میں سے ایک شخص مشرف ہے اور دوسرا مستوفی ایک ناظر دوسرا وزیر اور ایک برید ہے دوسرا وقوف اگر شمس الدین دیوان وزارت میں تم سے کوئی کاغذ سرکاری طلب کرے اور تم اپنے ماتحت عملہ کا حوالہ دے کر اُس کو مثل یا کاغذ نہ دو اور یہ عذر کرو کہ یہ کاغذ ماتحت کے پاس ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ سرکاری کارروائیوں میں تاخیر ہو جائے گی۔

بادشاہ کا یہ قول سُن کر تمام اعیان نے جواب دیا کہ ضیاء الملک جس وقت ہم سے کوئی کاغذ یا مثل طلب کرے گا ہم فوراً اُس کے حوالے کر دیں گے۔

اس موقع پر خان جہاں نے عرض کیا کہ ہر وہ شخص جو ضیاء الملک کے معاملے میں تاخیر کرے گا میں اُس کو سزا دونگا۔ فیروز شاہ یہ سُن کر بے حد خوش ہوا اور شمس الدین کی عزت افزائی کے لیئے اُس کو بارانی خاص جو اُس کے جسم پر تھی عطا فرمائی اور تمام اعیان ملک کو اُس کا بازو و مددگار بنا دیا۔

شمس الدین کا حسام الدین جنیدی کے روبرو خواجہ کو سخت سُست کہنا

ملک شمس الدین ابورجا تمام عملۂ دیوان و جاگیر دار و حکام و مقطعیان ملک پر حاوی ہوا اور دیوان وزارت میں اجلاس کرنے لگا۔

شمس الدین ابورجا کے روبرو تمام جزوی و کلی معاملات پیش ہونے لگے۔

خان جہاں تھوڑی دیر مسند وزارت پر بیٹھتا اور تمام اُمور سلطنت سے منحرف و مکدر رہتا تھا۔

شمس الدین ابورجا دو گھڑی دن تک دیوان داری کر کے تمام اشخاص سے معاملات کی بازپرس کرتا تھا اور تمام عملے کو اپنے حالات و احکام سے مرعوب کرتا تھا۔

اس کے علاوہ دوسرے وقت بعد مغرب ایک گھڑی دیوان وزارت میں اجلاس کر کے جاگیر داروں اور اہل مقطع سے حساب لیتا تھا۔

شمس الدین ابورجا جب دیوان وزارت سے نکل کر اپنے مکان کو جاتا تو اس قدر ہجوم عوام و خواص کا اُس کے ہمراہ ہوتا کہ ایک سینہ دوسرے سے دبتا تھا۔

شمس الدین نے تمام عملہ کو اطلاع دیدی تھی کہ جو شخص مجھ سے قبل نہ آئیگا اور میرے

بعد نہ جائے گا میں اُس سے سخت باز پُرس کروں گا اور اس کو عہدے سے برطرف کر دوں گا۔
محرّر بیچارے جنہوں نے چالیس سال کامل بے حد اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی تھی دفعتاً ناقابل برداشت تکالیف و مصائب میں گرفتار ہو گئے اور یہ غریب اہل عملہ بے حد مضطر و پریشان ہوئے۔
اتفاق سے ایک شب خواجہ حسام الدین جنیدی دیوان وزارت میں اجلاس کر رہے تھے اور تمام کارخانہ جات کے محرر و منشی ہر شعبے و کارخانے کی کیفیت پیش کرتے اور ہر شئے کو ملاحظہ میں پیش کر رہے تھے اور ملک شمس الدین ہر شئے کے متعلق سوال و جواب کر رہا تھا اور بحث میں آواز سخت سے گفتگو کر کے غصّے کا اظہار کرتا تھا۔
اتفاق سے شمس الدین کی نظر ایک کاغذ پر پڑی جس میں گزشتہ سال کے اخراجات مرقوم تھے اور ایک مد میں بیکار خرچ ہوا تھا۔
شمس الدین نے یہ کاغذ دیکھا اور اس کے متعلق بحث شروع کی۔
شمس الدین نے اس شعبے کے متصرف سے دریافت کیا کہ یہ نامناسب خرچ کس نے کیا ہے؟
اس شخص نے جواب دیا کہ دیوان خرچ کے حکم سے یہ رقم صرف ہوئی ہے
اس موقع پر شمس الدین خواجہ حسام الدین جنیدی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اے خواجہ یہ گندگی اور بے ضابطگی تمہارا ہی کام ہے، جن اُمور کو میں انجام دیتا ہوں ان میں یہ خرابیاں نہ ہونی چاہئیں، اگر تم کمال احتیاط سے کام لو تو مجھ کو تصحیح میں یہ خون جگر نہ پینا پڑے؛ یہ سخت سُست الفاظ کہہ کر جام خانے کے اوپر استادہ ہو گیا اور بندگی خواجہ جنید کو بھی جام خانے پر چھوڑ کر خود اپنے مکان واپس گیا۔
اس موقع پر مؤرخ عفیف بھی حاضر تھا اور تمام واقعات کو دیکھ رہا تھا۔
شمس الدین تو اس مقام سے چلا گیا اور خواجہ جنیدی نے رو بہ قبلہ ہو کر دست دُعا بلند کیا اور چشم پُر آب ہو کر خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ پروردگار تو مخلوق کا بادشاہ اور سب کا مالک ہے اپنے رحم و کرم سے میری یہ دعا قبول فرما کہ بار دگر مجھ کو جام خانے میں آنا نصیب نہ ہو تا کہ اس پیرانہ سالی میں ناہنجار و کم مایہ افراد کے ہاتھوں سے ذلیل و رسوا نہ ہوں اور عزت و آبرو کے ساتھ اس عالم سے سفر کروں۔

خواجہ جنیدی نے یہ الفاظ کہے اور حمام خانے سے اتر اپنے مکان واپس گیا۔

سبحان اللہ، خواجہ بزرگوار کی دعا کی مقبولیت دیکھیے کہ اُس شب اس بزرگ کو بخار آیا اور اس واقعہ کے چھ روز کے بعد خواجہ حسام الدین نے وفات پائی۔

سبحان اللہ، اس میں شبہ نہیں کہ ہر شخص خدا کی بارگاہ میں ایک خاص خصوصیت رکھتا ہے اور ہر شخص کا خدا سے راز و نیاز قطعاً جدا ہے۔

خواجہ جنیدی کی بزرگی یہ شخص متقی پرہیزگار، دیانت دار، امین، راست گفتار اور خوش کردار تھا اور اس نے بے حد وقار و متانت سے زندگی بسر کی۔

خواجہ حسام الدین حضرت شیخ رکن الحق ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اس بزرگ کی ایک بدیہی کرامت تو یہی ہے کہ اس کی دعا اس قدر جلد مقبول ہوئی اور خواجہ جہاں نے عالم جاوداں کی راہ لی تاکہ تمام اہلِ عالم پر یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے کہ عہد فیروز شاہی میں ایسے ایسے باکمال اہلِ قلم و اُمراء موجود تھے جو اہلِ حاجت کی کاربراری و محتاج و مفلس فرقے کی اعانت و امداد میں اپنی آپ ہی نظیر تھے۔

ابورجا نے اپنے غرور و تکبر سے خواجہ جنیدی سے اہانت طریقے پر مواخذہ کیا اور خواجہ حسام الدین ایسے بزرگ کے دامن پر بدنما داغ لگانا چاہا حالانکہ خواجہ مذکور اس اتہام سے قطعاً بری تھا اور اُمورِ سلطنت و انتظامِ مملکت سے بخوبی آگاہ تھا اور نیز یہ کہ فہم و فراست سے بہرہ ور اور جفاکشی کا دلدادہ تھا۔

ظاہر ہے کہ اس سلطنت کا یہ مشہور ترین واقعہ ہے کہ والیٔ ملک جس روش پر چلتا اور جس طریقے کو ایجاد کرتا ہے تمام عمال و کارکن اس کی تقلید کرتے اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر کسی زمانے میں بادشاہ ظلم کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخلوق جو اس کی پیرو ہے بدترین ظلم و ستم سے زیر دست افراد کو پامال و تباہ کرتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی شہر و عہد میں کوئی فرماں روا دین پناہ و حق پرست و انصاف پرور ہوتا ہے اور اپنے جود و عطا سے مخلوق کو ہر وقت سرفراز اور اپنے عدل سے رعایا کو ہر دم فیضیاب کرتا ہے تو تمام اعیان و اُمرا بھی انصاف و سخاوت کو اپنا شعار بناتے ہیں۔

چونکہ فیروز شاہ نے اپنے چہل سالہ عہدِ حکومت میں خدا کی توفیق اور اُس کے خوف اور اُسکی

جباریت و قہاریت کے ہراس و خیال سے ہر خاص و عام کو اپنے احسان سے بہرہ ور کیا اور شریعت کے مطابق مخلوق پر حکمرانی کر کے حلم و عفو کو اپنا شعار بنایا اور ہر قسم کی ملکی و مالی خیانت سے چشم پوشی کر کے اپنے تمام عہدِ حکومت میں کسی مجرم سے بھی باز پرس نہ کی اس لئے اس کے تمام اعیان فراست اُس کے مقلد بن گئے۔

ظاہر ہے کہ سلاطین قدیم کے عہد میں قلیل غفلت و اہمال سے ہر قسم کی باز پرس اور شدید ترین سیاست کی جاتی تھی لیکن فیروز شاہ کے عہد معدلت میں بجز قاضی صدر الملک مقطع دار صوبہ کے اور کسی فرد سے باز پرس نہ ہوئی اور نہ کسی شخص کو سزا دی گئی۔

قاضی مذکور کی سیاست کا بیان یہ ہے کہ قاضی مذکور نے مبلغ پچاس لاکھ روپیہ رقم باقی کا تلف کر دیا۔

معتبر راویوں نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا کہ قاضی صدر الملک نے ایک ہاتر کو اپنا صاحب خلوت بنایا تھا اور اس سے ہر قسم کا تمتّع حاصل کرتا تھا۔

اس شخص کے لئے پانچ سیر مرواریدہ کا چونہ روز تیار ہوتا تھا جو یہ شخص پان میں استعمال کرتا تھا، اور قاضی صاحب کے ملازم صدر الملک کے محرم راز کی خدمت و اطاعت کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ قاضی صدر الملک پر باوجودیکہ اس قدر مال دیوانی باقی برآمد ہوا تھا لیکن بریں ہمہ فیروز شاہ نے اُس سے باز پرس نہ کی۔

بادشاہ قاضی صاحب سے یہی کہتا کہ جو شخص تمہارے ایسے آدمی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کرنا چاہے وہ خود اپنا خون گرانے کا ارادہ رکھے۔

قاضی نے خود بادشاہ سے عرض کیا کہ میں اپنا خون معاف کرتا ہوں۔

مؤرخ کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ قاضی صدر الملک کچھ ایسے مصائب میں گرفتار تھا کہ اس کی زندگی وبال ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے قاضی مذکور نے صوبہ میں اپنے کو اس کشمکش میں مبتلا کیا، لیکن چونکہ اس کی تقدیر میں نہ تھا صحیح و سالم رہا۔

اب جبکہ سرکاری رقم بقایا اس کے ذمے واجب الادا قرار پائی تو اس نے خود کو بادشاہ سے عرض کیا کہ بندہ اپنا خون معاف کرتا ہے اور اس کے بعد قاضی کو دربار شاہی کے روبرو سزا دی گئی۔

چونکہ فیروز شاہ کی حکومت رحم و کرم پر مبنی تھی اس لئے اس عہد کے تمام سرکاری ملازم و عہدہ دار و کارکن عفو تقصیر و چشم پوشی کے خوگر و شیفتہ ہو گئے تھے۔ ورنہ خدانخواستہ خواجہ جنیدی کا وہ خواجہ

شرف مالوہ ایسے حکام نہ تھے جن سے خیانت ظہور میں آتی یا یہ حضرات کسی معاملے میں بھی نرمی سے کام لیتے یا یہ کہ بغیر بادشاہ کی رضا اور اس کا حکم حاصل کئے ہوئے کوئی ناپسندید خرچ کرتے۔

فیروز شاہ نے بارہا فرمایا ہے کہ میں اپنے دست چپ سے ایسا قوی دل نہیں ہوں جتنا کہ خواجہ شرف مالوہ ہے۔

اس تحریر سے مقصد یہ ہے کہ عہد فیروز شاہی میں ہر شخص وہر امیر صاحب قناعت و مصلح تھا۔

ملک شمس الدین دیوان وزارت میں اجلاس کرتا اور قدیم سلاطین کی روش کے مطابق اپنی حکومت جاری کرتا اور ہر شخص سے سختی کے ساتھ باز پرس کرتا تھا۔

ابورجا اپنی نادانی و رعونت و حرص و تکبر و وسوسہ شیطانی کی وجہ سے متدین و امانت دار اشخاص کی تحقیر و توہین کرتا اور یہ خیال نہ کرتا کہ ان امور کے کرنے میں اس کو ندامت و پشیمانی حاصل ہوگی۔

یہ امر مسلم ہے کہ اہل عقل و فراست کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے معتبر اشخاص کو ذلیل و رسوا نہیں کرتے اس لئے کہ کارکن افراد و فرقہ عابدین میں ہر فرد تحریر و انشاء و نیز معاملات تقدیر سے کم و بیش واقفیت رکھتا ہے لیکن چونکہ خود فیروز شاہ کی روش یہ رہی کہ ہر وقت خلقت و رعیت پر احسان کرکے اُن کو اپنے جود وسخا سے مالا مال کرتا تھا اور مخلوق کی نفع رسانی میں ہر دم سعی و کوشش کرتا تھا اس لئے اُس عہد کے تمام کارگزار محاسبے میں رعیت پر سہولت و نرمی کرتے تھے۔

عیب جوئی

ملک شمس الدین ابورجا بادشاہ کے تقرب کی وجہ سے خیل بہی خواہان سلطنت کے دیوان وزارت پر غالب آگیا اور تمام اعیان دولت بیکار و معطل ہو کر رہ گئے۔

ملک شمس الدین نے ارکان وزارت کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کیں۔ مثلاً ایک فریق کو گروہ مخلولیاں کے لقب سے یاد کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان افراد کے باپ دیوان وزارت میں ملازم تھے اُن کی وفات کے بعد بادشاہ نے ان کے فرزند کو مرحوم پدر کا عہدہ عطا کیا اور ان جدید ارکان کا یہ حال ہے کہ ان کو کار سلطنت و انتظام سے قطعاً واقفیت نہیں ہے اور ان امور کے ادراک سے جاہل ہیں گویا کہ یہ گروہ مخلولیوں کا ایک طبقہ ہے جو ایاہج اور بیکار ہے۔

یہ شخص بعض افراد کو لنگر جام خانہ کے خطاب سے پکارتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جام خانے کا فرش کرتے ہوئے لنگر جام خانہ کو فرش کے کنارہ اس لئے رکھ دیتے ہیں کہ فرش ہوا کے زور سے اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکے اسی طرح یہ افراد عقل و فراست سے قطعاً عاری ہیں اور وزیر کے مسند پر میر فرش کی طرح جام خانے کے اوپر بیٹھے رہتے ہیں لیکن مملکت کے آئین و ضوابط سے قطعاً بے خبر و ناواقف ہیں گویا کہ پتھر کے ٹکڑے ہیں جس میں قطعاً جان نہیں ہے۔

اس طرح شمس الدین ابورجا نے بارہا حاشیہ نشینوں سے کہا کہ میں نے خان جہاں کو کنوئیں کے کنارے پہنچا دیا ہے اور اب صرف ایک زینہ باقی رہ گیا ہے اور میں نے خان جہاں کی غفلت اور اس کے سہو اور اس کی خطاؤں سے فیروز شاہ کو اس قدر آگاہ کر دیا ہے کہ اب بادشاہ کا ارادہ اس کو وزارت سے معزول کر دینے کا ہے۔

جس روز ملک شمس الدین ابورجا کو قید کر کے جلاوطن کیا گیا اس روز ایک شخص اس کے پاس حاضر ہوا اور اس سے کہا کہ تو اپنے کو عاقل و فاضل و کامل خیال کرتا ہے، تیری عقل و فراست سے بعید ہے کہ تو نے اپنے کو اس معرض ہلاکت میں ڈالا ہے۔

ملک شمس الدین نے جواب دیا کہ کیا کروں مجھ کو کم مایہ و سفلہ وزیر اور نادان دستور سلطنت سے سابقہ پڑا جس نے ہمیشہ کم فہمی سے کام لیا، چنانچہ ایک روز ایک شخص کا معاملہ کے روبرو پیش ہوا جس نے ایک معاملے میں خیانت کی تھی، میں نے اُس شخص سے بازپرس کی اور اُس سے سختی کے ساتھ پیش آیا۔ اس موقع پر خان جہاں نے یہ گفتگو شروع کی کہ اے ضیاء الملک بندگانِ خدا پر زیادہ غصہ نہ کر، تجھ کو یاد نہیں ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ احسان کی جزا احسان ہے۔

خان جہاں نے آیتِ قرآن کو حدیث رسول قرار دیا۔

میں نے اُس وقت کہا کہ خان جہاں یہ حدیث نہیں ہے آیتِ قرآن ہے جو خدائے پاک نے قرآن میں نازل فرمائی ہے۔

خان جہاں نے جواب دیا کہ خواہ آیتِ قرآنی ہو یا حدیثِ رسولؐ بہرحال احسان حمدہ شئے ہے۔

ظاہر ہے کہ جو وزیر حدیث و قرآن میں فرق نہ کر سکے وہ وزارت کے فرائض کیونکر انجام دے سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ ملک شمس الدین ابورجا نے دیوانِ وزارت کے ہر شخص کی عیب جوئی شروع

کی اور اہل مقطعہ کے کاروبار کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی جاگیردار اپنے مقطع سے آتا تو اول ملک شمس الدین ابورجا کے مکان پر آتا اور پیشتر اس کی خدمت میں حاضری دے کر پھر فیروز شاہ کی قدم بوسی کرتا تھا اور غریب اہل عملہ ہر وقت اس کے قدموں کے نیچے پامال ہوتے تھے۔

خان جہاں بھی وہی احکام صادر کرتا تھا جو شمس الدین ابورجا کی مرضی و خواہش ہوتی تھی۔

شمس الدین ابورجا نے جب دیکھا کہ فیروز شاہ میرے دام میں گرفتار اور وزیر میری دولت کا بندہ اور تمام عمال و اہل مقطع میرے مطیع و فرماں بردار ہو گئے ہیں تو اس کو اور زیادہ طمع دامنگیر ہوئی اور اس نے اپنے اقتدار کو بڑھانے میں دل و جان سے سعی و کوشش شروع کی۔

ایک طرف خلق پر سختی کرتا تھا تو دوسری طرف سے مخلوق سے رشوت لیتا تھا۔

بادشاہ کی نوازش کا یہ عالم تھا کہ ہر دوسرے اور تیسرے روز بارانی خاص اپنے جسم سے اتار کر شمس الدین کو عطا کرتا تھا۔

جو شخص کہ بادشاہ کی خیر خواہی کرتا ہے وہ ان چار قسموں میں سے ایک طبقے میں داخل سمجھا جاتا ہے، ایک گروہ اس لئے بہی خواہی کرتا ہے تا کہ بادشاہ کا مخلص رہے اور ہر وقت نمک خواری کا لحاظ کر کے قیام مملکت اور نظام سلطنت کو بہترین طریقے پر چلانے کی کوشش کرتا رہے۔ ایسے لوگوں کے قلوب طمع و خود داری کے جذبات سے عاری ہوتے ہیں۔

دوسرا گروہ صرف اپنی نام آوری و شہرت و نیز امتیازی تکبر کی وجہ سے بادشاہ کی بہی خواہی کا دم بھرتا ہے اور اپنی دنیاوی جاہ و منزلت میں اضافہ پیدا کرنے کے لئے بادشاہ کی محبت و خلوص کا دعویٰ کرتا ہے۔

بے شمار و بے معنی بچت بادشاہ کو دکھا کر قوانین وضع کرتا اور خلقت خدا کو ہلاک کرتا ہے۔
جیسا کہ قاضی شرف الدین نے سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں بے معنی و فضول بچت سے رعیت و مخلوق کو تباہ و برباد کیا۔

اگرچہ یہ گروہ ایک وجہ سے بادشاہ کا مخلص ہوتا ہے مگر حقیقت میں بیجا توفیرات سے تمام ملک کو تباہ و ویران کرتا ہے۔

تیسرا گروہ ریا و نفاق کا بندہ ہو کر بادشاہ کی بہی خواہی کا کلمہ پڑھتا ہے۔

حکمرانوں کا گروہ بھی عجیب نادر طبقہ ہے۔ کلیلہ و دمنہ نے ان کے بابت خوب کہا ہے کہ فرقۂ سلاطین جاہل امرد و شباب عورت کے مانند ہیں۔

گروہ چہارم اپنی طمع کی غرض سے بادشاہ کی ہی خواہی کرتا ہے جیسا شمس الدین ابورجب کی ہی خواہی کا اصل سرچشمہ طمع زر تھا ابورجا نے تمام ملک کو تباہ و ویران کیا اور دست طمع دراز کرکے تمام جاگیرداروں اور عمال پرگنات سے رشوت حاصل کی۔

اس رشوت ستانی نے یہاں تک طول پکڑا کہ ملک شمس الدین عمال سے زیادہ سختی سے پیش آنے لگا۔

چنانچہ یہ گروہ بیچارگی کی وجہ سے سخت پریشان اور عاجز ہوگیا۔

ابورجا بغیر رشوت لئے ہوئے کسی فرد کو اپنے شکنجہ سے آزاد نہ کرتا تھا

ملک شمس الدین جب کسی شخص پر سختی و باز پرس کرنا چاہتا تو اس کو وزیر کے روبرو پیش کرتا اور اس شخص سے رشوت لے کر وزیر سے اس طرح کی گفتگو کرتا کہ وہ مجرم رہا ہو جاتا۔

اگرچہ خان جہاں کو یقین تھا کہ ابورجا محض رشوت حاصل کرنے کے لئے اس فرد پر سختی کر رہا ہے لیکن مجبوراً اُس کے قول کی تائید کرتا تھا۔

جو شخص کہ شمس الدین کو رشوت دیتا تھا وہ فوراً آکر خان جہاں سے تمام واقعہ بیان کر دیتا تھا کہ میں نے اس وقت ابورجا کو اس قدر رقم رشوت میں دی ہے۔

خان جہاں اس شخص سے کہتا کہ اے نادان ابورجا جو کچھ طلب کرے وہ اُس کے حوالے کر اور دیکھ کہ خدائے برتر کا کیا حکم ہے۔

ایک وقت ملک سید الحجاب کا ایک کام شمس الدین سے متعلق ہوا اور اُس زمانے میں ملک سید الحجاب سلطان فیروز شاہ کے ہمراہ تھا۔

سید الحجاب کے ملازم روزانہ شمس الدین کے مکان پر آمد و رفت رکھتے تھے اور اپنے کام کی تکمیل کے بابت تقاضہ کرتے تھے۔

جب ملازمین کو معلوم ہوا کہ ابورجا غفلت سے کام لے رہا ہے تو انھوں نے سید الحجاب کو ایک خط اس مضمون کا روانہ کیا کہ شمس الدین آپ کے معاملے میں غفلت و عدم توجہی کر رہا ہے اُس کو آپ ایک تاکیدی خط روانہ فرمائیں تاکہ معاملات جلد طے ہو جائیں۔

ملک شمس الدین نے ایک خط محبت آمیز لہجے میں روانہ کیا۔

غرض کہ اس طریقہ پر تمام خانان و ملوک فیروز شاہی ابورجا کے دشمن جانی بن گئے اور اُس کی تخریب کے درپے ہوئے۔

اس زمانے میں ملک زادہ فیروز پسر ملک تاج الدین ترک جو سلطان تغلق کے عہد میں ہندوستان وارد ہو کر خان جہاں کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا برسرِ اقتدار تھا۔

ایک روز ملک زادہ مذکور اور ملک شمس الدین ایک جا بیٹھے ہوئے تھے اُس وقت ملک شمس الدین جاگیر کا محاسبہ کر رہا تھا اور ہر لفظ پر سخت کلامی کر رہا تھا چنانچہ اس کارکن کو اس سختی کی وجہ سے یارائے دم زدن نہ تھا۔

ملک زادہ فیروز نے اُس موقع پر نہایت عمدہ بات کہی کہ ملک ضیاء الملک زبان دراز و دست دراز دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اگر زبان کو دراز کرتے ہو تو ہاتھ کو کوتاہ کرو ورنہ اس کے برعکس عمل کرو۔

اس موقع پر ملک زادے نے شمس الدین سے یہ بھی کہا کہ ملک ضیاء الملک ہیں نے سُنا ہے کہ تم کو دیوان عرض میں بھی اقتدار حاصل ہو گیا ہے تاکہ احباب کو بھی اپنی حاجت براری کا موقع حاصل ہو۔

ملک شمس الدین نے جواب دیا کہ میں کیا کروں چند انفار ارازل جمع ہو گئے ہیں جو ابتری میں خاص ملکہ رکھتے ہیں اور اس طرح سرقہ و دزدی کا بازار گرم ہے۔

یہ سُن کر ملک زادہ فیروز نے کہا کہ ملک ضیاء الملک وہ وقت آ گیا ہے کہ تمام اعیان و اُمراء تمہیں تمہارے عہدہ سے معزول کرانے پر متفق ہو جائیں۔

جلاوطنی

خان جہاں کی رائے میں شمس الدین ابو رجا کی مہم نہایت سخت تھی۔

ظاہر ہے کہ اب دیوان وزارت کے ارکان میں کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جو معاملاتِ ملکی میں شمس الدین سے صاف و صریح گفتگو کر سکتا اس لئے کہ بندگی ملک الشرق و نظام الدین نائب وزیر ممالک و خواجہ حسام الدین جنیدی و خواجہ شرف مالوہ وغیرہ وفات پا چکے تھے۔ یہی اکابر اس کے اہل تھے کہ شمس الدین سے کسی معاملے میں گفتگو کریں۔

اگرچہ خواجہ رکن الدین پسر خواجہ جنیدی و خواجہ عین الدین پسر خواجہ شرف مالوہ اپنے پدران مرحوم کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے لیکن ان دونوں کی شمس الدین کے مقابلے میں ایک نہ چلتی تھی۔

خان جہاں نے اُمراء و اعیان مملکت میں خواجہ خطیر الدین کو صالح و عاقل و دانا و ماہر اُمور ملکی خیال کر کے اس کو ہم راز بنایا اور اس امیر کو جو تقریر اور تحریر میں خاص ملکہ رکھتا تھا

شمس الدین کے تمام حالات سے آگاہ کرکے اُس سے خفیہ طور پر کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس خار کو راہ سے ہٹا کر حکومت کا راستہ صاف کردو اور اس شخص کا قدم درمیان سے اُٹھا کر ہم سب کو مطمئن بنا دو۔

خان جہاں کی یہ تقریر سن کر تمام اصحاب دیوان یکجا ہوئے۔

تمام ملوک نے ملک شمس الدین کے کارناموں کی تحقیق شروع کی اور بیشتر سامانہ و گجرات کے دفاتر پر نظر ڈالی اور ہر شعبے کے جمع و خرچ کی تحقیق کرکے ابو رجا کی بے عنوانیاں یکجا کرکے خان جہاں کے ملاحظہ میں پیش کیں۔

چونکہ فیروز شمس الدین پر اس وقت تک بے حد مہربان تھا، خان جہاں وقت اور موقع کا منتظر رہا۔

اس درمیان میں ملک عبداللہ کا رکن کا ایک معاملہ شمس الدین کے روبرو پیش ہوا۔

ملک عبداللہ نے ابو رجا کی سخت گفتگو بادشاہ تک پہنچائی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

روایت ہے کہ ملک عبداللہ رکن شاہان خراسان کی اولاد سے تھا اور فیروز شاہ کے دربار میں ملازم تھا۔

ملک مذکور دو پرگنوں کا جاگیردار تھا اور ان دونوں پرگنوں میں محاصل قانونی زیادہ وصول ہوتے تھے۔ شمس الدین نے ان پرگنوں کی بھی جانچ پرتال شروع کی اور اُس کا رکن علے کو آزار پہنچانا شروع کیا اور اُن سے سختی کے ساتھ حساب طلب کیا

خان جہاں نے بھی شمس الدین کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ملک عبداللہ نے شمس الدین کی بے حد منت و خوشامد کی لیکن شمس الدین نے ایک نہ سُنی۔

اس واقعہ کے بعد ملک عبداللہ نے خان جہاں کے حضور میں حاضر ہو کر اُس سے استدعا کی کہ شمس الدین کے پنجۂ ظلم سے اس کو نجات دلوائی جائے۔

خان جہاں نے ملک عبداللہ سے کہا کہ ابو رجا کے عادات بے حد قبیح ہیں وہ جب تک رشوت نہ لے لیگا تمہارا دامن نہ چھوڑے گا۔ تم کسی طرح بادشاہ کو ان واقعات سے مطلع کردو اور اس طرح تمام عالم کو شمس الدین کے شر و فساد سے نجات دلواؤ۔

ایک روز بادشاہ نے محل بارہ میں دربار عام کیا اور ملک عبداللہ نے تمام واقعہ فیروز شاہ سے بیان کیا اور عرض کیا کہ بادشاہ کے صدقے اور طفیل میں اس بندۂ درگاہ کے قبضے

ہیں دو پرگنے ہیں۔ ملک ضیاء الملک میرے ان پرگنات میں بے حد تحقیق و تفتیش کر رہا ہے تاکہ اس سختی کی وجہ سے مجھ سے رشوت حاصل کرے۔

فیروز شاہ نے شمس الدین ابو رجا کو طلب کیا اور فرمایا کہ سنو ملک عبداللہ کیا کہتا ہے؟

شمس الدین نے کہا کہ ملک عبداللہ کے پرگنات کا محصول کم ہے اور اس کی آمدنی زائد ہے۔

ملک عبداللہ نے عرض کیا کہ بادشاہ کے تصدق و طفیل میں مملکت دہلی کا محصول تقریباً دس گنا ہو گیا ہے تو جس شخص سے رشوت لیتا ہے اُس سے درگزر کر دیتا ہے اور جو شخص تجھ کو رشوت نہیں دیتا تو اُس کو پریشان و تنگ کرتا ہے۔

مجھ کو رشوت دینے کی قدرت نہیں ہے میں تجھ سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔

چونکہ میں تجھ کو رشوت نہیں دے سکا اس لئے تو میرے معاملات میں اس قدر سختی سے باز پرس کر رہا ہے اور مجھ کو اس درجہ پریشان کر رکھا ہے۔

اس موقع پر جس قدر اعوان و انصار سلطنت حاضر تھے انھوں نے بالاتفاق کہا کہ ملک عبداللہ کا بیان صحیح ہے اور جو کچھ یہ عرض کرتا ہے قطعاً درست و صحیح ہے۔

فیروز شاہ سمجھ گیا کہ شمس الدین نے اپنی فتنہ انگیزی سے تمام سلطنت میں مخالفت اور دشمنی کی تخم ریزی کی ہے۔

بادشاہ اُس وقت تو بے حد غور و فکر کرنے کے بعد محل بارہ سے اُٹھ گیا، خان جہاں بھی واپس آیا۔

خان جہاں دیوان وزارت میں تھا۔ کارکنانِ عملہ نے شمس الدین کی خیانت آمیز کارروائیوں کو جو انھوں نے جمع کی تھیں خان جہاں کے ملاحظے میں پیش کیں۔

ایک خیانت آمیز کارروائی یہ تھی کہ جس زمانے میں شمس الدین نائب مقطع گجرات تھا اس نے مبلغ نو دہزار تنگہ اپنے ضروریات کے لئے خزانۂ سرکار سے قرض لیا تھا اور تاحال وہ رقم ادا نہ کی تھی اور باوجود مستوفی ممالک ہو جانے کے یہ قرض اس پر باقی تھا۔

خان جہاں نے اصحاب خزانہ کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ میری عدم موجودگی میں اس واقعہ کو بادشاہ کے حضور میں پیش کریں۔

اصحاب خزانہ نے خان جہاں کے حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ یہ رقم اب تک خزانے میں داخل نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے عمالِ خزانہ پر عتاب کیا، لیکن تمام کارکن خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

فیروز شاہ کو یقین ہوگیا کہ شمس الدین نے مملکت و سلطنت پر قابض ہو کر اپنے کو مطمئن اور بار بار اُس سے بری خیال کیا ہے اور اس غفلت کے عالم میں منفرد رہا اور کوئی فرد اُس کے خوف کی وجہ سے ابورجا سے رقم طلب نہ کرسکا۔

اس موقع پر فیروز شاہ نے حکم دیا کہ خان جہاں ہر ممکن طریقے سے یہ رقم فوراً شمس الدین سے وصول کرے۔

خان جہاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کا مزاج منحرف ہوگیا ہے تو اُس نے اپنے ہم راز افراد کو طلب کیا اور اُن سے خفیہ طور پر کہا کہ جس زمانے میں ملک شمس الدین گجرات میں مقیم تھا تو بادشاہ نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ سوداگر جو جزائر سے ہاتھی ہمارے واسطے لیکر دہلی آئیں اگر کوئی جانور راہ میں تلف ہو جائے تو اُس ہاتھی کی قیمت خزانۂ شاہی سے ادا کی جائے۔

اس فرمان کے بموجب شمس الدین فتنہ انگیز نے غلط بیانی کی اور چند ہاتھیوں کی قیمت غلط ظاہر کر کے اس کی رقم خزانہ سے وصول کر کے اپنے ذاتی مال میں داخل کرلی۔

خان جہاں نے یہ خیانت بھی معلوم کی اور اپنے ہم راز افراد سے کہا کہ اُن سوداگروں کو حاضر کرو۔ خان جہاں نے سوداگروں سے تحقیق کر کے اپنے اصحاب سے کہا کہ اس واقعہ کو بھی بادشاہ کے حضور میں بیان کردیں۔ دیوان وزارت کے عملے نے یہ قصہ بھی فیروز شاہ سے بیان کیا۔ اس واقعہ کو سُن کر بادشاہ شمس الدین سے قطعاً برگشتہ ہوگیا۔

دوسرے روز خان جہاں ملوک خانہ میں اجلاس کر رہا تھا اور شمس الدین اُس کے روبرو شوخیاں کر رہا تھا۔ فیروز شاہ نے عبداللہ کارکن سے دریافت کیا کہ اس وقت ملوک خانہ میں کون کون افراد موجود ہیں۔ ملک عبداللہ نے عرض کیا کہ خان جہاں اور ملک ضیاء الملک ملوک خانہ میں بیٹھے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ شمس الدین میں یہ قابلیت کہاں ہے کہ وہ خان جہاں کے روبرو بیٹھے۔

بادشاہ نے یہ کہا اور عبداللہ کو حکم دیا کہ ابورجا کو پکڑ کر ایستادہ کردے۔

ملک عبداللہ ملوک خانے میں آیا اور ابورجا کی کمر پکڑ کر کہنے لگا کہ بادشاہ فرماتا ہے

کہ تجھ کو خان جہاں کے روبرو بیٹھنے کی مجال نہیں ہے۔

اس موقعے پر مورخ عفیف بھی دیوان وزارت میں حاضر تھا اور یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مورخ عفیف اس زمانے میں دیوان عالی کے بارہ بندگان کے گروہ میں شاہی ملازم تھا۔

جس وقت ملک عبداللہ نے ابورجا کی کر پکڑ کر کھڑا کرنا چاہا ابورجا فوراً استادہ ہوگیا اور ملک عبداللہ نے شمۂ علم وکلاہ دولت اُس کے جسم وسر سے اُتارلی اور ابورجا نے خان جہاں کے روبرو استادہ ہوکر تمام واقعہ بیان کیا۔

افسوس ہے اُن افراد کے حالات پر جو اس عالم بے ثبات پر شیفتہ ہوکر آخرت کی نعمت کو فراموش کرتے ہیں۔

دوسرے روز بادشاہ نے فرمان صادر فرمایا کہ ابورجا کو تخت شاہی کے روبرو لائیں اور اُس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھیں اور بازپرس وحساب کے لئے اُس کو خان جہاں کے سپرد کردیں۔

ابورجا کا تمام مال واسباب ضبط کرکے سرائے شاہی میں لایا گیا اور انبار کردیا گیا۔

اُس روز ہر چہار شہر کے باشندے اسباب کے ملاحظہ کے لئے آئے اور سرائے میں بہت بڑا مجمع ہوگیا۔

اس ہجوم کی وجہ سے شور وغل بلند ہوا اور بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس شور کا سبب کیا ہے؟ حاضرین بارگاہ نے عرض کیا کہ ہر چہار شہر کے باشندے ابورجا کا اسباب دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ ابورجا نے اگر قصور کیا ہے تو میری مملکت کا اُن بازاریوں سے اس کو کیا نقصان پہنچا ہے جو اُس کا مال واسباب دیکھنے جمع ہوئے ہیں۔

مقرب اہل دربار نے عرض کیا کہ ابورجا تمام ملک پر حاوی ہوگیا تھا اور اپنے زمانۂ اقتدار میں اُس کا یہ معمول تھا کہ جس شخص کا اسباب خرید کرتا اُس پر سختی کرکے اصل قیمت سے کم ادا کرتا تھا اور اُس کے رعب داب سے کسی شخص کو دم مارنے کا یارانہ تھا۔ اب جبکہ اہل بازار کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا اسباب ضبط کرلیا گیا ہے تو اس کے اسباب کو دیکھنے کے لئے جمع

ہوئے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ دربانوں کو حکم دو کہ اہل بازار کو اندر آنے دیں تاکہ وہ آکر عبرت کا تماشہ دیکھیں۔ مختصر یہ کہ ابورجا کے مال و اسباب کی قیمت کا اندازہ کیا گیا اور معلوم ہوا کہ کُل اسّی ہزار تنگے کی مالیت ہے۔

ابورجا کے ایک دشمن نے بادشاہ سے کہا کہ ابورجا نے شاہی حصار کے اندر بھی ایک مکان تعمیر کرایا تھا، اُس گھر میں آستانہ کے درمیان اشرفیاں خفیہ طور پر رکھی ہیں۔

شاہی حکم کے مطابق اُس گھر کی تلاشی لی گئی اور تین ہزار اشرفیاں برآمد ہوئیں۔

اس واقعے کے بعد خان جہاں نے مکار شمس الدین سے اور بقیہ مال کے متعلق پوچھا۔ ابورجا نے جواب دیا کہ "اور زاید مال میرے پاس نہیں ہے"۔

بادشاہ کو حقیقت حال سے اطلاع دی گئی۔ اُس نے ہنس کر کہا کہ تم ہمیشہ تن آسانی میں زندگی بسر کرتے ہو اور اتنا مال بھی دشمن سے نہیں وصول کر سکتے۔

خان جہاں نے جو ابورجا کا جانی دشمن تھا اس کو باندھ کر اور زیادہ سختی شروع کی۔

اس کے علاوہ خدا کی مشیت و قدرت سے شمس الدین کے اسباب میں جو سرائے شاہی میں انبار کیا گیا تھا ایک صندوق میں تین تھیلیاں زہر ہلاہل کی مع چند زریں تبر کے برآمد ہوئیں۔

یہ اشیاء بھی بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئیں۔ حکم ہوا کہ ابورجا سے دریافت کیا جائے کہ اُس نے یہ زہر ہلاہل کس کے لئے جمع کیا ہے؟

ابورجا نے جواب دیا: میں نے یہ زہر ہلاہل اپنے عیال و اطفال کے لئے جمع کیا تھا۔

بادشاہ نے یہ سُن کر فرمایا کہ ابورجا مکار شخص ہے اس نے خدا معلوم کتنے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے لئے یہ زہر جمع کیا تھا' خداوند کریم نے اپنے فضل و رحم سے ان غریبوں کو اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ زہر کے تینوں بلدے کوشک فیروز آباد کے پاس دریائے جمنا میں غرق کر دیئے جائیں۔

چند روز کے بعد بادشاہ نے شکار کے لئے بداؤں کا سفر کیا اور ابورجا کو مال طلب کرنے کے لئے خان جہاں کے سپرد کر دیا۔

وزیر ہوا خواہ نے چھ ماہ کامل دیوان وزارت میں اجلاس کیا۔ شمس الدین پر اس قدر

زدوکوب ہوتی کہ لکڑی ٹوٹ جاتی اور ذرہ ذرہ ہوجاتی تھی لیکن ابورجا کی دلیری و ہمت کی تعریف کرنی چاہئے کہ اس نے روزانہ اس قدر ضرب شدید ضربیں برداشت کیں لیکن زبان سے لفظ توبہ نہ نکالا۔

ہر روز اُس پر اتنی مار پڑتی تھی کہ بے طاقت ہوجاتا تھا اور اس کے بعد اُس کا پانوں پکڑ کر کشاں کشاں دیوان سے باہر لاتے تھے اور دوسرے روز بھی یہی عمل دُہرایا جاتا تھا۔ غرضکہ خان جہاں نے چھ ماہ کامل اس طرح ابورجا کو زدوکوب کی اور اُس پر بے انتہا شدتیں کیں اور اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ شمس الدین کو ہتاسبتاں بیاباں کے غربی سمت میں جو بے آب خطہ ہے جلاوطن کر دیا جائے۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور جب تک فیروز شاہ زندہ رہا ابورجا اس مقام پر جلاوطن رہا۔ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے اپنے دور حکومت میں ابورجا کو بے حد تعظیم و اہتمام کے ساتھ اس مقام سے واپس بلایا لیکن ابورجا ان زحمتوں کی وجہ سے جو اس کو خان جہاں کے ہاتھوں سے پہنچی تھیں گھوڑے پر سوار نہ ہوسکتا تھا اور پالکی میں بیٹھ کر چلتا تھا، چنانچہ چند روز کے بعد اُس نے وفات پائی۔

ابورجا نے تین سال دیوان وزارت میں کام کیا اور اس زمانے میں تمام عُمّال دیوان کو پریشان کر کے ملک کو درہم و برہم کر دیا اور آخر کار ۷۹۰ھ ہجری میں اس جہان سے رخصت ہوا۔

اب مؤرخ چند مقدمات فیروز شاہی عہد کے معرض بیان میں لا کر فیروز شاہ کے مناقب کے ذکر پر کتاب کو تمام کرتا ہے۔

بارھواں باب ۱۲

ایک خراسانی کی داستان

سلطان محمد بن سلطان تغلق کے عہد حکومت میں اٹھارہ واقعات مخالفت کے پیش آئے جن میں سلطان محمد نے خون جگر پیا لیکن فیروز شاہ کے چہل سالہ دور حکومت میں ایک فرد نے بھی سر نہ اُٹھایا صرف ملک شمس الدین دامغانی نے مخالفت کا علم بلند کیا جس کی تفصیل دوسرے صفحہ پر ہے۔

فیروز شاہ کے ابتدائے جلوس سے ۷۷۶ھ تک بادشاہ کی ملک رانی و حکومت اُس کے جاہ و حشم و نیز اُس کی دولت و ثروت نے روز افزوں ترقی کی اور اس زمانے میں تمام رعایا خوش و آباد رہی۔

فیروز شاہ نے ۷۷۶ہجری میں شکار کے لئے کنیر کا سفر کیا اور شکار کھیلنے اور سیر و تفریح میں مشغول ہوا۔

تقدیر الٰہی نے سال مذکور کے ابتدائی زمانے میں رنگ بدلا اور بادشاہ کے لخت جگر شاہزادہ فتح خاں نے وفات پائی۔

اس زمانے میں بادشاہ سفر سے واپس آچکا تھا اور چونکہ موسم برسات آچکا تھا فیروز شاہ دریائے گنگ کو عبور کر چکا تھا کہ شہزادہ فتح خاں نے وفات پائی۔

اس سفر میں مؤرخ عفیف بھی بادشاہ کے ہمرکاب تھا۔

شاہزادہ فتح خاں کے وفات کی وجہ سے بادشاہ کو بے حد رنج ہوا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اس سال بادشاہ جب شہر میں داخل ہوا تو اُس نے اپنے استقبال کی رسوم کو یک لخت منع کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ۷۷۸ھ ہجری میں بادشاہ شہر میں مقیم تھا کہ ایک خراسانی شخص نے محل پاشیب کے اندر کوتوال پر تلوار چلائی یہ پہلی تلوار تھی جو فیروز شاہی عہد میں نیام سے باہر آئی۔

معتبر رواۃ نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا ہے کہ تجار خراسان میں ایک شخص کسی جرم کی بنا پر کوتوال کی حراست میں تھا جو اُسے قید میں بجد محنت و مشقت برداشت کراتا تھا۔

فیروز شاہ نے حکم دیا کہ بندی خانے کے قیدیوں کا حال اور اُن کی مفصل کیفیت میرے حضور میں پیش ہو۔

اس حکم کی بنا پر ملک نیک احدی اس خراسانی کا حال بادشاہ کے حضور میں لے گیا۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ یہ شخص مسافر ہے اس کو میرے حضور میں حاضر کرو۔

ملک نیک احدی نے آخر وقت اس مجرم کے بند بند جدا کئے اور اپنے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں لے گیا، کوتوال و مجرم دونوں اشخاص پاشیب کے رو برو صحن میں پہنچے۔ ملک نیک احدی آگے آگے تھا اور خراسانی اس کے عقب میں۔

اس مقام پر تیغ داروں کا ایک گروہ موجود تھا، خراسانی نے اپنی طاقت کے غرور میں دست درازی کی اور ایک تیغ دار کی تلوار چھین کر کوتوال پر وار کیا۔

کوتوال خراسانی کی بغل کے اندر آگیا اور اس پر ضرب کاری نہ لگی اور وہ سلامت رہا صرف سر پر ایک اوچھا سا زخم آگیا اور پاشیب میں شور بلند ہوا۔

یہ خراسانی اپنے گروہ میں خواجہ کے لقب سے مشہور اور بے حد صاحب عزت و قوت تھا جو محض ایک جرم کی بنا پر ملک نیک احدی کی قید میں گرفتار اور زنداں میں بے حد سختی و مصیبت کا شکار ہو رہا تھا اس شخص کا مقدمہ بارہا خان جہاں کے حضور میں پیش ہو چکا تھا روزانہ اجلاس کے وقت یہ شخص وزیر کے حضور میں حاضر کیا جاتا تھا اور خان جہاں اس شخص کے بابت تمام اصحاب وزارت سے مشورہ کرتا تھا لیکن اُس کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیا فیصلہ کرے۔

چونکہ فیروز شاہ شکار کو گیا ہوا تھا خان جہاں نے اُس کا مقدمہ ملتوی رکھا تاکہ بادشاہ کی مراجعت پر مجرم کو فیروز شاہ کے حضور میں پیش کرے۔

اس زمانے میں بادشاہ سفر سے واپس آیا اور اُس نے تمام اہل زندان کا حال دریافت کیا اور مجرم نے کوتوال پر تلوار کا وار کیا۔ شور و غل کی آواز بادشاہ کے کانوں تک پہنچی۔

اُس وقت فیروز شاہ محل چھجۂ چوبیں میں مقیم تھا شور سُن کر بام کوشک پر نمودار ہوا اس درمیان میں خراسانی نے کوتوال پر تلوار چلائی جو کوتوال پر کاری نہ لگی۔

مجرم تیغ زنی کے بعد دریا شیب کی طرف فرار ہوا اور ارادہ کیا کہ باہر نکل جائے۔

چونکہ اس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی کسی تیغ دار و سپر دار کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ خراسانی کے قریب آکر اس کو روکے خراسانی نے ارادہ کیا پاشیب کے اوپر سے نیچے آئے کہ اُس کا پاؤں لڑکھڑایا اور وہ زمین پر گرا

بعض تیغ دار جو پاشیب میں نوبتی تھے اس کے عقب میں دوڑے اور اپنی سپیر یں خراسانی پر ڈال کر اُس کو گرفتار کر لیا اور حراست میں لے لیا۔

بادشاہ کو تمام حقیقت حال سے اطلاع ہوئی اور اُس نے مجرم سے کہا کہ اے شخص تو خراسان کا باشندہ ہے تو نے ہمارے کوتوال پر کیوں ایسی ضرب لگائی تھی کہ اگر کاری پڑتی

تو اس کی جان سلامت نہ رہتی۔

پھر فیروز شاہ نے حکم دیا کہ چونکہ یہ مسافر ہے اس کے لئے یہی حکم کافی ہے کہ مجرم کو دربار کے سامنے حاضر کرو اور تمام اہل خراسان سے جو اس کے ہم وطن ہیں یہ کہو کہ اسکے منھ میں تھوکیں، اس کے بعد مجرم کو موکلوں کے حوالے کریں تاکہ اس کو ہمارے ملک سے خارج کر دیں۔

اہل خراسان نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور مجرم نے اپنے پیٹ میں چاقو بھونک کر اپنے کو ہلاک کیا۔ اس حال سے بادشاہ کو آگاہ کیا گیا اور فیروز شاہ نے فرمایا کہ بکری اپنے پاؤں کے بل خود لٹکائی گئی۔

اس واقعہ و کنایہ سے مقصود یہ ہے کہ پہلی تلوار جو عہد فیروز شاہی میں نیام سے نکلی وہ اس خراسانی کی تیغ تھی جو اس نے ۷۸۰ھ ہجری میں کوتوال پر چلائی، اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ وقت کیسا منحوس تھا۔

اس واقعہ کے بعد ۷۸۱ھ ہجری میں بادشاہ نے شکار کے اٹاوہ اور تیلے کا سفر کیا اور برسات کے اختتام تک اسی سمت قیام پذیر رہا۔

خدا کی قضا و قدر سے اس سال اکثر فیروز شاہی امراء نے جو اس کے ہم عمر و ہم عہد تھے وفات پائی، اور ان کے تابوت شہر میں لائے گئے۔

ان امراء میں سے ہر شخص کی موت پر بادشاہ نے اظہار افسوس کیا اور بیحد رنجیدہ ہوا۔

اس کے بعد ۷۸۲ھ ہجری میں شمس الدین دامغانی نے گجرات میں علم بغاوت بلند کیا اور ۷۸۳ھ ہجری میں ابو رجا کو مستوفی ممالک کا عہدہ عطا ہوا اور یہ شخص ۷۸۵ھ تک برسر اقتدار رہا۔

تیرھواں باب ۱۳

شمس الدین دامغانی کی بغاوت

شمس الدین دامغانی کو ظفر خاں گجراتی سے قرابت حاصل تھی، ظفر خاں کو بادشاہ

کے دربار و نیز گروہ اُمراء میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اور اپنے ہم عصر اعیان ملک کے ساتھ عمدہ سلوک و تواضع سے پیش آتا تھا۔

فیروز شاہی امراء نے ارادہ کیا کہ نیابت گجرات کسی معتبر شخص کے حوالے کی جائے اور ظفر خاں بن ظفر خاں کو دربار میں رکھا جائے۔

اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ ظفر خاں بزرگ نے قضائے الٰہی سے وفات پائی۔ فرزند دریا خاں ظفر خاں کے خطاب اور گجرات کی حکومت سے سرفراز فرمایا گیا۔

ظفر خاں دوم نے چند روز گجرات کا انتظام اس بہترین طریقہ پر کیا کہ دولت آباد میں تمام اشخاص اس کے نام سے کانپ اُٹھے۔

فیروز شاہ خود چند ماہ سے گجرات کے انتظام کے خیال میں تھا اور ہر شخص کے متعلق غور کر رہا تھا دامغانی نے بھی اس خدمت کو حاصل کرنے کی بیحد کوشش کی اور عماد الملک کو واسطہ بنایا۔

عماد الملک نے بادشاہ کے حضور میں بارہا دامغانی کی سفارش کی اور فیروز شاہ نے ہر بار یہی فرمایا کہ اس میں شبہ نہیں کہ دامغانی بے حد کارگزار ہے لیکن اس کے ساتھ حیلہ ساز و فتنہ انگیز ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ اس کے تقرر سے اہل عالم کو رنج و ملال پہنچے۔

اس واقعہ نے یہاں تک طول پکڑا کہ عماد الملک نے اس امر میں دل و جان سے کوشش شروع کی۔

چونکہ خدا کی مشیت بھی تھی کہ دامغانی چند روز حکمرانی کا ڈنکہ بجائے فیروز شاہ نے عماد الملک کا معروضہ قبول کیا اور اُس کو اپنے حضور میں حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

دامغانی حصول مراتب کے لیئے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔

فیروز شاہ نے دامغانی سے فرمایا کہ تو مجھ کو اپنی ضمانت دے۔

دامغانی نے عرض کیا کہ جس شخص کو بادشاہ ارشاد فرمائیں بندۂ درگاہ اس کو اپنا ضامن بنالے۔

فیروز شاہ نے فرمایا بہتر ہے تو حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کی ضمانت دے۔ دامغانی نے اس کو قبول کیا اور بادشاہ دوسرے روز دامغانی کو ہمراہ لے کر حضرت محبوب الٰہیؒ

کے آستانہ پر حاضر ہوا
دامغانی نے محبوب الٰہی کی قبر مبارک کا غلاف پکڑا اور قبلہ رو ہو کر حضرت نظام الدین اولیاؒ کو اپنا ضامن بنایا۔
فیروز شاہ حضرت شیخؒ کے آستانہ سے واپس ہوا اور اس نے دامغانی کو حکومت عطا فرما کر گجرات روانہ ہونے کا حکم دیا۔
دامغانی دہلی سے روانہ ہو کر چند روز میں گجرات پہنچا اور وہاں کے قریات و پرگنات کے محاصل سے بے شمار رقم جمع کی۔
دامغانی کے پاس وافر روپیہ جمع ہو گیا اور اُس نے غدّاری کا خیال دل میں پکایا۔
اس شخص نے اس رقم سے آلاتِ حرب و سامان جنگ خریدا اور گجرات کے محاصل میں سے ایک دانگ بھی فیروز شاہ کے حضور میں روانہ نہ کیا اور اپنے ہم نشین افراد میں کسی شخص کو اس حال سے آگاہ نہ کیا۔
چند روز کے بعد دامغانی نے اپنے اسرار سے اہل گجرات کو آگاہ کیا اور ہر فرد کو شیریں کلامی و نیز وعدہائے بزرگ سے خوش و قوی بنایا۔
دامغانی کے خیالات سے واقف ہو کر امیرانِ صدگان ایک مقام پر جمع ہوئے اور اُنھوں نے دامغانی کو قتل کیا اور تمام عرائض بادشاہ کے حضور میں روانہ کئے۔
اُمراء کے عرائض جو دامغانی کی غدّاری کے متعلق تھے دربار میں پڑھے جا رہے تھے کہ اُس کا سر بھی بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔
مجرم کے سر کے ساتھ امراء کے عرائض دوبارہ پہنچے جس میں مرقوم تھا کہ دامغانی حرام خوار کا سر حضور میں روانہ کیا جاتا ہے۔
فیروز شاہ نے حکم دیا کہ دامغانی کا سر دربار کے روبرو آویزاں کیا جائے تاکہ اہلِ عالم کو عبرت حاصل ہو۔
سچ ہے کہ یہ تمام واقعات حشمت و جلال خود فیروز شاہ کے حسنِ عقیدت کے برکات ہیں کہ دامغانی مجرم بلا کسی معرکہ آرائی کے قتل ہوا اور اس کا سر بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا۔
بزرگوں کا قول ہے بلکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص خدا کا ہو جائے گا اللہ کا کرم ہر وقت اس کے ساتھ رہے گا۔

دامغانی کے قتل کا تفصیلی بیان

معتبر اشخاص نے مؤرخ عفیف سے بیان کیا کہ شمس الدین دامغانی نے انحراف اختیار کیا اور بادشاہ سے مخالفت کر کے اُس کی اطاعت و فرماں برداری سے انکار کیا۔

تمام خلقت گجرات اس کے خیال خام پر خندہ زنی کرتی اور ہر شخص اُس کی مخالفت پر آمادہ ہوا۔

تمام خان و ملوک و اُمرائے صدگان اور ترکش دار یک دل ہو کر ایک مقام پر جمع ہوئے اور ان تمام اعیان شہر خصوصاً ملک شیخ فخر خاں وغیرہ اُمرائے بزرگ دامغانی کے شدید ترین دشمن بن گئے۔

صبح صادق کے وقت دامغانی کے پہرہ دار روانہ ہو گئے اور اُس کا مکان خالی ہو گیا۔

اس حالت میں یہ تمام پہلوان اپنے نیزے اور تیغ ہمراہ لئے ہوئے دامغانی کے گھر میں گھس آئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

یہ بھی ان اشخاص نے بیان کیا ہے کہ جس زمانے سے کہ شمس الدین دامغانی نے بادشاہ کی مخالفت کا خیال پکایا اور اُس سے منحرف ہوا اُس وقت سے تمام مخلوق خاص و عام و جوان و پیر نے جو گجرات میں مقیم تھے دامغانی کو نشانۂ ملامت بنایا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات خدائے بزرگ کی عنایت اور اُس کے کرم کے آثار و برکات تھے جو رونما ہوئے۔

چودھواں باب ۱۴

فیروز شاہ کا عدل و انصاف

فیروز شاہ خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتا اور فوراً اُن سے قصاص لیتا تھا۔

بادشاہ کے ابتدائی عہد میں یوسف بقرا کے فرزند نے باہم جنگ آزمائی کی جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

یوسف بقرا سلطان محمد تغلق کے عہد میں صاحب جاہ و مراتب و کلاہ تھا اور اُمرائے محمد شاہی

میں بے حد ممتاز و سرفراز رہتا تھا۔

یوسف بقرا کے دو فرزند تھے جن کی پرورش و پرداخت میں یوسف بے حد کوشش کرتا تھا۔ یہ دونوں فرزند علیحدہ علیحدہ ماؤں سے تھے۔

فیروز شاہ کے عہد میں یوسف کے دونوں فرزند قصبہ یوسف پور کو جو یوسف بقرا کی قدیم جاگیر تھی روانہ ہو گئے۔

بڑے بھائی کا ارادہ تھا کہ چھوٹے بھائی کو قتل کر کے اُس کو دفع کرے لیکن اُس کو موقع نہ ملتا تھا۔

یہ دونوں بھائی یوسف پور گئے اور چند روز کے قیام کے بعد بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو قتل کیا۔

مقتول کی والدہ نے بارگاہ شاہی میں فریاد کی اور فیروز شاہ اس واقعہ کو سُن کر بے حد حیران ہوا اس لئے کہ بڑے بھائی پر بادشاہ بے حد مہربان تھا اور وہ دربار شاہی کے مقرب افراد میں شمار ہوتا تھا۔ فیروز شاہ نے بے حد غور و فکر کے بعد حکم دیا کہ دربار کے روبرو مجرم قتل کیا جائے۔

باوجودیکہ بادشاہ یوسف بقرا کے بڑے لڑکے پر بے حد مہربان تھا لیکن بریں ہمہ اُس سے قصاص لیا اور معاف نہ فرمایا۔

اسی طرح ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ فیروز شاہ کے آخر عہد میں خزانے میں ایک شخص نویسندے کی خدمت پر مامور تھا اور اس کا نام خواجہ احمد تھا۔

ایک طالب علم اس کے مکان پر خواجہ احمد کے خرد سال بچوں کو تعلیم دیتا تھا۔

طالب علم شہر دہلی میں اور خواجہ احمد فیروز آباد میں مقیم تھے اور خواجہ احمد اور اس طالب علم میں بے حد محبت تھی؛ اتفاق سے خواجہ احمد اس طالب العلم سے بدگمان ہوا اور اس کو خائن خیال کیا۔

یہ طالب علم ایک عورت پر عاشق تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ شنبے کے روز دہلی سے فیروز آباد آتا اور پانچ روز خواجہ احمد کے اطفال کو تعلیم دے کر پنجشنبہ کو دہلی واپس جاتا تھا۔

ایک شب خواجہ احمد مکار نے اپنے دو غلام زادوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور فیروز آباد میں اس طالب العلم کے ہمراہ بادہ نوشی میں مشغول ہوا۔

شراب خواری کے عالم میں دماغ نشہ غرور سے سرشار ہوا اور خواجہ احمد اور اس کے دونوں غلاموں نے طالب علم کو قتل کر دیا اور نصف شب کے وقت اُس کی لاش اپنے مکان سے باہر لا کر پل کے اوپر باہر پھینک دی اور اپنے خون آلود کپڑے دھوبی کو دھلنے کے لیے دے دیے۔

صبح کے وقت آفتاب نمودار ہوا اور بادشاہ سیر کرتا ہوا اُس پل پر پہنچا اور اس مقتول کو دیکھ کر اسی مقام پر ٹھہر گیا۔

اس زمانے میں ملک نیک احدی کوتوال وفات پا چکا تھا اور اس کا پسر ملک حسام الدین اپنے باپ کا جانشین تھا، فیروز شاہ نے اُس مقام پر کوتوال کو طلب کیا اور یہ فرمایا کہ اگر اس مقتول قاتل کا نشان نہ ملے گا تو میں تجھ کو بجائے مجرم کے قتل کر دوں گا۔

ملک حسام الدین بادشاہ کے اس حکم سے بے حد حیران ہوا اور اس فکر میں گرفتار ہوا کہ کس شخص کو گرفتار کر کے خون کا گناہ گار قرار دے۔

غرض کہ مقتول کا سر اور اس کا مُنہ دھویا گیا اور سر کو خوب صاف کر کے جسم سے جوڑا اور اُس کے جسم کو سرکاری چوکی میں رکھا گیا کہ ممکن ہے کوئی شخص مقتول کے مکان و قبیلے سے آگاہ کر سکے اور بتا سکے کہ اس کا وطن کہاں ہے۔

اس مقام پر خلقت خدا جمع ہوئی اور تماشائیوں کا بے حد ہجوم ہوا ایک شخص نے مقتول کی شناخت کی اور کہا کہ یہ شخص فلاں محلہ کا باشندہ ہے۔

بے حد تلاش و جستجو کے بعد مقتول کے مکان کا پتہ چلا اور اس کے اعزہ کو حقیقت حال سے خبردار کیا گیا۔

مقتول کے عزیز و اقارب دوڑے اور حیران و پریشان اُس کے لاش پر پہنچکر گریہ و زاری میں مشغول ہوئے۔

مقتول کے اعزہ نے بیان کیا کہ یہ شخص خواجہ احمد کے مکان پر اس کے لڑکوں کو تعلیم دیتا تھا۔

ان اشخاص نے یہ بھی بیان کیا کہ خواجہ احمد اس مقتول سے بدگمان تھا ممکن ہے کہ اُس نے اس کے قتل کرنے میں کوشش کی ہو۔

خواجہ احمد کو کوتوال کے روبرو حاضر کیا گیا لیکن اُس نے اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے جرم سے انکار کیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ خواجہ احمد کے غلاموں اور اس کی کنیزوں سے دریافت کیا جائے۔

کوتوال نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور خواجہ احمد کے غلاموں نے تمام واقعہ راستی کے ساتھ بیان کردیا اور کہا کہ خواجہ احمد اور اُس کے دو غلاموں نے مقتول کے ہمراہ بادہ خواری کی اور نشہ کے عالم میں اس طالب العلم کو غلاموں نے پکڑا اور خواجہ احمد نے اس کو چاقو سے ذبح کرڈالا۔

اس موقع پر خواجہ احمد نے کہا کہ یہ غلام دروغ گو ہیں خود انھوں نے اس شخص کو ذبح کیا ہے۔

غلاموں نے کہا کہ خواجہ احمد کا خون آلود جامہ دھوبی کو دیدیا گیا ہے۔

اس تقریر کے بعد دھوبی طلب کیا گیا اور وہ کپڑا دھلا ہوا لے کر حاضر ہوا اور کپڑے میں زرد رنگ کے خون کے داغ تھے۔

خواجہ احمد سے ان داغوں کے بابت سوال کیا گیا۔ کہنے لگا کہ میں نے ایک جانور ذبح کیا تھا یہ اُس کے خون کے نشانات ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ قصاب حاضر کیئے جائیں۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور اُن سے اس علامت کے بابت دریافت کیا گیا۔

قصابوں نے جواب دیا کہ یہ علامت کسی جانور کے خون کی نہیں ہوسکتی بلکہ انسان کے خون کو دھونے سے کپڑے پر زرد داغ پیدا ہوجاتے ہیں۔

قصابوں کا جواب سُن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ خواجہ احمد کو سیاست گاہ میں لے جاکر قتل کریں۔

اس موقع پر خواجہ احمد خان جہاں کے قدموں پر گر پڑا اور بے حد منت و عاجزی سے کہا کہ میں اس مقتول کا خون بہا اسی ہزار تنگے ادا کروں گا۔

خان جہاں نے بادشاہ سے یہ واقعہ عرض کیا کہ خواجہ احمد اسی ہزار تنگہ خوں بہا ادا کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے خان جہاں جس شخص کے قبضے میں مال و دولت ہوگی وہ اس طرح بے گناہ افراد کو قتل کرے گا، اگر قتل کے معاوضے میں مال وصول کر کے مجرم رہا کردیئے جائیں گے تو مخلوق کو بے حد دقت پیش آئے گی اور قیامت میں خدا کے حضور میں مجھ کو ندامت و شرمندگی ہوگی۔

خان جہاں نے عرض کیا کہ خزانہ شاہی کے لاکھوں روپیہ کا حساب خواجہ احمد کے ذمے ہے، اگر چند روز قصاص میں توقف فرمایا جائے تو بہتر ہے تاکہ بیت المال کا معاملہ صاف ہوجائے۔

فیروز شاہ نے فرمایا کہ میں خزانے کے لکھوکھا روپیہ سے باز آیا، خواجہ احمد کو فوراً سزا دی جائے۔

آخرکار خواجہ احمد اور اُس کے دونوں غلاموں کو تمام خاص و عام کے روبرو سزا دی گئی۔

پندرھواں باب ۱۵

سُلطان فیرُوز شاہ کا آخری دَور

فیروز شاہ نے اپنے آخر زمانے میں خدا کے خوف سے مندرجہ ذیل اُمور پر بے حد توجہ فرمائی اور انہیں کو انجام دینے کی کوشش کرتا رہا۔

قیدیوں پر توجہ کرنا

جس کا تفصیلی حال یہ ہے کہ فیروز شاہ جب سیر و شکار سے واپس آتا اور شہر فیروز آباد میں قیام فرماتا تو قیدیوں کے احوال کی پُرسش کرتا تھا اور جو شخص کہ رہا کرنے کے لایق ہوتا اس کو فوراً رہا کر دیتا تھا، قیدیوں میں جو شخص جلاوطن کرنے کے قابل ہوتا وہ جلاوطن کیا جاتا تھا، لیکن ہر ایسے شخص کو وظیفہ عطا ہوتا تھا کہ یہ شخص غربت کے عالم میں معاش کی تنگی سے پریشان نہ ہو۔

فیروز شاہ نے بارہا عمّال درگاہ کو تاکید کی کہ دیکھو مجرم کو زیادہ مدت تک قید خانے میں نہ رکھو اس لئے کہ اُس کے دل کی آہ کو برداشت کرنا بیحد مشکل ہے۔

فیروز شاہ ہمیشہ یہ فرماتا تھا کہ غریب اہل زندان ہمیشہ پریشان خاطر و عاجز و حیران رہتے ہیں اور اپنی خیانت کی وجہ سے جو ان سے ناعاقبت اندیشی میں ہوئی ہے قید میں گرفتار ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ فیروز شاہ قیدیوں کے بارے میں عمّال کو سخت تاکید کرتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اُن کو جلد رہا کیا جائے، یہاں تک کہ آخر میں ہر ماہ کی پہلی تاریخ تمام کارکن قیدیوں کے حالات سے بادشاہ کو مطلع کرتے تھے۔

(۲) مساجد کو آراستہ کرنا

فیروز شاہ نے حکم دیا تھا کہ تمام شہر کی مساجد کا حال بادشاہ کے حضور میں پیش کریں، اس لئے کہ بعض مساجد ایسی تھیں کہ اُن کے بانی وفات

پا چکے تھے یا یہ کہ نادار ہو گئے تھے اور بعض مسجدیں پُرانی اور شکستہ ہو گئی تھیں۔
عمالِ بارگاہ نے مفصل کیفیت بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔
فیروز شاہ نے تمام مساجد میں امام و مؤذن مقرر کیے اور چراغ اور بوریا کے اخراجات کے لیے رقوم مصارف منظور کیں جو مسجدیں کہ خراب ہو گئی تھیں اُن کی مرمت کرائی اور اسی طرح تمام مساجد روشن و معمور ہو گئیں۔

(۳) تیسری مشغولیت، بادشاہ کی مظلوموں کے حق میں دادرسی کرنا اور عدل و انصاف سے ان کی فریاد سُننی تھی۔

فیروز شاہ نے اس معاملے میں سعی بلیغ کی بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ اگر عین سواری میں کوئی شخص اپنے حال و مال کے بابت معروضہ پیش کرتا تو بادشاہ اس مقام پر جہاں کہ سائل نے درخواست پیش کی ہے کھڑا ہو جاتا اور سائل سے فرماتا کہ اے مسکین میں نے بے شمار دفاتر اہلِ حاجت کی کاربرآری کے لیے مقرر کیے ہیں تو نے اپنا معروضہ ان دفاتر میں کیوں نہ پیش کیا۔

اگر یہ شخص جواب میں عرض کرتا کہ میں نے بارہا ان دفاتر میں عرض کیا اور اپنے غم و الم کی شرح بیان کی لیکن ان محکمہ جات کے عمال و حکام نے میرے حال پر توجہ نہ کی۔ ان حکام کی غفلت و عدم توجہی سے تنگ آ کر میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں۔

اس موقع پر فیروز شاہ اصحاب دیوان کو اپنے حضور میں طلب کرتا اور ان سے سختی کے ساتھ باز پرس کر کے اہلِ حاجت کی کاربرآری کر دیتا۔

اگر یہ شخص اصحاب دیوان کی شکایت نہ بھی کرتا تو بھی بادشاہ اس شخص کی حاجت پوری کر کے قدم آگے بڑھاتا۔

غرض کہ آخر عمر میں بادشاہ کو انہیں چیزوں سے سروکار رہا۔

سُبحان اللہ، فیروز شاہ کی نیت صادق کا کیا کہنا کہ جتنے خصائل جدا جدا سلاطین پیشین میں پائے جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصاف سے بادشاہ کو متصف فرمایا تھا بلکہ اس سے دوچند صفات حسنہ عطا فرمائے تھے، بادشاہ کے اکثر اوصاف وہ تھے جو صرف اولیاء اللہ میں پائے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اگر خدا تم کو انسانی قالب میں دُنیا میں بھیجے تو تم کیا خدمت اختیار کرو گے۔ جبریل نے عرض کیا کہ میں سلاطین کی امداد

کروں گا اس لئے کہ اہل حاجت کی عقدہ کشائی اسی گروہ سے متعلق ہے۔

حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بادشاہ سے آخری ملاقات کرنا

حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے اوچ سے فیروز آباد تشریف لاتے، بادشاہ اور جناب سیّد کے درمیان بیحد محبّت تھی اور دونوں بزرگوار اس محبّت میں اضافہ کرنے کی سعی فرماتے تھے۔

حضرت سیّد جب اوچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے نواح میں پہنچتے تو بادشاہ مسند تک حضرت کے استقبال کو جاتا اور ملاقات کے بعد جناب ممدوح کو بے حد اعزاز کے ساتھ شہر میں لاتا۔

جناب سید کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر اور کبھی شفا خانے میں اور کبھی شاہزادے فتح خاں کے خطیرہ میں قیام فرماتے تھے۔

مختصر یہ کہ جناب سیّد اپنے قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور جیسے ہی حضرت ممدوح محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے تو بادشاہ باوجود اس عظمت وشان کے تخت گاہ پر استادہ ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ جناب سید سے ملاقات کرتا اور اُس کے بعد دونوں بزرگ بالائے جام خانہ تشریف فرما ہوتے۔

جب حضرت سیّد واپس ہوتے اس وقت بھی فیروز شاہ بالائے جام خانہ تعظیم کے لئے استادہ ہوتا اور جب تک کہ حضرت ممدوح محل حجاب تک نہ پہنچتے بادشاہ اُسی طرح کھڑا رہتا۔

حضرت سید بادشاہ کو سلام کرتے اور بادشاہ جواب میں حضرت کو سلام کرتا اور جب حضرت ممدوح نظر سے غائب ہو جاتے اُس وقت بادشاہ بیٹھ جاتا تھا۔

سبحان اللہ کیا حسنِ ادب تھا جو بادشاہ جناب سیّد کے لئے بجا لاتا تھا۔

فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز جناب سیّد کے قیام گاہ پر حضرت سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوتا اور دونوں بزرگ باہم یکجا ہو کر محبّت آمیز گفتگو فرماتے تھے۔

اوچ اور دہلی کے باشندے اپنی حاجات جناب سیّد کے حضور میں عرض کرتے اور حضرت سید اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان حاجات کو قلم بند کر لیں۔

جب بادشاہ حضرت کی ملاقات کو آتا تو جناب ممدوح وہ کاغذ فیروز شاہ کی خدمت میں پیش فرماتے اور بادشاہ اُس کاغذ کو غور سے ملاحظہ فرما کر ہر حاجت مند کی اُسی معروضے کی مطابق حاجت

روانی کرتا۔ چند روز کے بعد جناب سید فیروز آباد سے اوچ روانہ ہو جاتے اور حضرت شاہ اسی طرح ایک منزل مشایعت کرتا۔

غرض کہ جناب سید اور بادشاہ کے درمیان چند سال یہ سلسلۂ محبت جاری رہا اور جب جناب سید بادشاہ کی ملاقات کو تشریف لائے تو ہر مرتبہ سے کچھ زائد قیام فرمایا اور اس کے بعد اوچھ روانہ ہوئے۔

جب حضرت سید جلالؒ بادشاہ سے رخصت ہونے لگے اور محبت آمیز گفتگو میں اپنے وطن جانے کا تذکرہ فرمایا تو بادشاہ سے کہا کہ دعاگو کا گمان یہ ہے کہ میری اور حضرت شاہ کی آخری ملاقات ہے۔

دعاگو کی عمر آخر کو پہنچ چکی اور حضرت شاہ کا سن بھی زائد ہو چکا، اس سن و سال میں بادشاہ کو سیر و شکار کے لئے دہلی سے زیادہ دور جانا مناسب نہیں ہے۔

اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی ۷۸۹ھ ہجری میں دہلی میں فساد و فتنہ برپا ہوا۔ شاہزادہ محمد خاں اور جان جہاں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ ۷۹۰ھ ہجری میں حضرت فیروز شاہ نے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

تمت

وہ کتابیں جن کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

تاریخ اسلام (مکمل تین حصے)

مصنفہ:- مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

پہلا حصہ عہدِ رسالت مآب سے لیکر خلافت راشدہ تک۔

دوسرا حصہ عہد بنی اُمیہ سے لیکر خلافت بنی عباس مصر تک۔

تیسرا حصہ بنو امیہ اُندلس سلجوقیہ عثمانیہ اور مغولان چنگیز کی تمام مسلمان حکومتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ صفحات حصہ اوّل ۵۹۲ - حصہ دوم ۶۷۲ - حصہ سوم ۶۰۸ - مجلد بڑی سائز قیمت فی حصہ پندرہ روپے۔ مکمل ہر سہ حصہ پینتالیس ۴۵ روپے

آئینہ حقیقت نما

مصنفہ:- مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہندوستان پر مسلم فاتحین کے صحیح اور مستند حالات اور تاریخی معلومات کا حیرت انگیز مرقع - بڑی سائز، مجلد - صفحات ۶۰۸ - قیمت پندرہ روپے۔

فقہ الاسلام

مصنفہ:- حسن احمد الخطیب - مترجمہ:- سید رشید ارشد ایم اے

فقہ اسلامی کی نوعیت و کیفیت اس کا تدریجی ارتقاء، ائمہ فقہ کے مجتہدات اور عہد بہ عہد کے فقہی نمونے اور اسلوب کا عالمانہ و فاضلانہ بیان اسلامی شریعت کے اُصولوں کو جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے اور موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے - بڑی سائز صفحات ۵۷۶ - مجلد قیمت پندرہ روپے۔

حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض

مصنفہ:- ڈاکٹر طٰہٰ حسین - مترجمہ:- علامہ عبدالحمید نعمانی

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس موضوع سے اہم کوئی موضوع نہیں مل سکتا۔ یہ ایسے ہولناک انقلاب کی داستان ہے جس نے تاریخ اسلام کا رُخ بدل دیا۔ اس موضوع پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ ایک ایسے غیر جانبدار مؤرخ کے قلم سے لکھی گئی ہے جس نے خالص تاریخی واقعات و حقائق کی روشنی میں ایسے مستند ترین واقعات کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ بڑی سائز ۵۱۶ صفحات مجلد قیمت پندرہ روپے۔

حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر فاروق رض

مصنفہ:- ڈاکٹر طٰہٰ حسین - مترجمہ:- شاہ حسن عطا ایم۔ اے

پیغمبر اسلام کے اوّلین دو جانشینوں کا محققانہ اور والہانہ انداز میں تذکرہ، اسلام کی دو عظیم شخصیتوں کے حالات اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا جادو نگار قلم! ضخامت ۲۷۲ صفحات بڑی سائز مجلد قیمت چھ روپے بارہ آنے 6/-12/-

سفرنامہ ابن بطوطہ (مکمل دو ۲ حصے)

مشہور و معروف سیاح نے جب رختِ سفر باندھا تو اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ یہ نوجوان سمندروں کی لہروں سے لڑتا، ہولناک ریگستانوں سے گزرتا، جنگلوں بیابانوں اور برفستانوں کو قطع کرتا ہوا دیار حجاز، مصر، بغداد، شام، عراق، ایران، ترکستان، بلخ، بخارا، بدخشاں، افغانستان، آذربائیجان، قسطنطنیہ، ترک وغیرہ کا دورہ کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان کے تمام مشہور شہروں کی اس نے سیر کی۔ ہندوستان میں یہ محمد تغلق کے زمانہ میں آیا۔ اپنے پچیس ۲۵ سالہ سفر کے حالات اتنے دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں کہ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد جب تک کتاب ختم نہ کرلیں آپ کو قرار نہیں آئے گا۔ اس سفرنامہ کو اہم تاریخی دستاویز کا مقام حاصل ہے۔ بڑی سائز صفحات ۷۸۲ مجلد قیمت اٹھارہ روپے

مآثر عالمگیری

مصنفہ:- محمد ساقی مستعد خاں

مترجمہ:- محمد فدا علی طالب

اورنگ زیب عالمگیر رح کے پچاس سالہ جنگی دور حکومت کے

شامل ہے) بڑی سائز مجلد قیمت سات روپئے

تجدید دین کامل اور تصوف و سلوک

مصنفہ:- مولانا عبد الباری ایم۔ اے؛
(سابق استاذ فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی)
بڑی سائز صفحات ۴۰۸ قیمت بارہ روپئے ۱۲/-

تجدید معاشیات اور تجدید تعلیم و تبلیغ

مصنفہ:- مولانا عبد الباری ایم۔ اے؛
(سابق استاذ فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی)
بڑی سائز صفحات ۴۸۰ مجلد
قیمت نو روپئے بارہ آنے ۹/۱۲/-

سفینۃ الاولیاء

مصنفہ:- شہزادہ دارا شکوہ

مشاہیر اولیاء اسلام کا سب سے مستند تذکرہ، بڑی سائز مجلد- قیمت سات روپئے بارہ آنے-

مکاتیب حضرت امام غزالیؒ

مرتبہ:- احمد غزالی
مترجمہ:- ظہوری

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جو بیک وقت ایک عظیم المرتبت فقیہ، ایک عدیم المثال اصولی، ایک عدیم النظیر متکلم، ایک بلند مرتبت محدث، ایک غیر المقبول مصنف، ایک شیریں مقال واعظ ایک بیباک داعی حق تھے- انکے عدیم المثال خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقت کے علماء، وزراء، بادشاہ اور شاہزادوں کو لکھے ان خطوط میں رعایا کے حقوق، فرماں رواؤں کے فرائض، نفسیات اجتماع، جماعتی زندگی کے عوامل اور بہترین نصائح موجود ہیں- امام فلسفہ کے ان گراں بہا خیالات سے آگاہی اس بدلتی دنیا میں بہت بڑی نعمت ہے- مجلد رنگین گردپوش قیمت تین روپئے

مقالات جمال الدین افغانی

مترجمہ:- رفعت ایم- اے،

افغانی کے متفرق مضامین و مقالات کا مجموعہ ——————

مجاہدوں کے قافلے اپنی منزلیں طے کرتے رہے اور ہر منزل پر قدموں کے چند ایسے نشانات چھوڑ جاتے ہیں جن کو حوادث زمانہ کی طوفانی موجیں مٹا نہیں سکتیں، قدموں کی کشتیاں جب زندگی کے طوفان سے گزرتی ہیں تو حقائق کی چٹانوں پر تاریخ کے یہ سر بفلک مینار طوفان زدہ ملاحوں کو روشنی اور سلامتی بخشتے ہیں۔

یہ علامہ افغانی کی چنگاریاں ہیں، اگر ہو سکے تو ان چنگاریوں افغانی کے آتش دانی کی حرارت کا اندازہ کیجئے- مجلد رنگین گردپوش قیمت تین روپئے-

مقام جمال الدین افغانیؒ

میاں رشید الدین ایم- اے،

چودھویں صدی کا مدبر اعظم افغانی جس کی شعلہ نوائی نے عالم اسلام کو گہری نیند سے جگایا اور جھنجھوڑا، اور جس کی دور بین نگاہوں نے فرنگی سیاست کے رازوں کو چاک کر کے عالم اسلام کو ایک نئے انقلاب کا پیام دیا، مملکت پاکستان کا وجود بھی افغانی کے سیاسی رجحانات کا مظہر ہے اور علامہ اقبال کی فکر و فلسفہ میں جا بجا افغانی کے تصورات نمایاں ہیں-

یہ کتاب مشاہیر کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جنہوں نے افغانی کے دل کی ہر دھڑکن کو محسوس کیا ہے- مجلد رنگین گردپوش- قیمت تین روپئے چار آنے

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ

علامہ مناظر احسن گیلانی

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی برِ اعظم ہند کے مجددین میں وہ آخری تاجدار ہیں، جن کے علم و فضل نے شمع حق کو روشن رکھا- آنے والی نسلوں کے لئے اسلامی انقلاب کا راستہ صاف کیا اور وہ دور بین نظر عطا کی کہ مغربی تہذیب و تمدن کی چکا چوند کر دینے والی روشنی میں بھی باطل کے نازک سے نازک نکتہ کا ادراک کر سکے، حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات اور ان کے نظریات پر اس سے بہتر کتاب ملنا دشوار ہے- مجلد رنگین گردپوش قیمت چھ روپے بارہ آنے-